جوامع الحکایات ولوامع الروایات

(تیرہویں صدی عیسوی کی ایک نایاب فارسی تصنیف)

جلد اول

مؤلف
سدید الدین محمد عوفی

مترجم
غلام سرور

جوامع الحکایات ولوامع الروایات

(تیرہویں صدی عیسوی کی ایک نایاب فارسی تصنیف)

جلد اول

مولف

سدید الدین محمد عوفی

مترجم

ڈاکٹر غلام سرور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : -/روپے
سلسلۂ مطبوعات : .

by: Dr. Gholam Sarwar

ISBN :..
ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر:49539000، فیکس:49539099

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آ گہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آ گہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس و اظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جارہا ہے۔ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نے گوکہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری وساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کرسکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینہ اظہار سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

فہرست

مقدمہ xv

سدید الدین محمد عوفی: حیات و کارنامے xxiii

خلاصہ دیباچہ xxxvii

جلد اول

باب اول

معرفت الٰہی کا بیان

1 دنیا میں بت پرستی کا آغاز 2

2 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت 3

3 حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ 4

4 فرعون کی حماقت اور ابلیس کی سرزنش 5

5 آسیہ کے ہاتھوں فرعون کا مضحکہ 5

6 خدا پر ایمان 6

7 عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام 6

8	خدائے واحد کی موجودگی	7
9	خالق کائنات کی مصلحت	7
10	مشیت ایزدی	8
11	قادر مطلق کی قدرت کاملہ	8
12	حکمت خداوندی	9
13	خالق کائنات کی ہستی کی دلیل	9
14	خدا قانون فطرت کا محتاج نہیں	10
15	خدا کی ہستی کا بین ثبوت	10
16	خدا،اول بھی ہے اور آخر بھی	11
17	معرفت الٰہی	11
18	ذات باری تعالیٰ کی صناعی	12
19	وزیر کا مدلل جواب	12
20	حکمت خداوندی: عیوب سے بالاتر	13
21	انسان کی بے بسی	13
22	مسلمان عالم اور نصرانی عالم کے درمیان مناظرہ	13
23	ایفائے عہد	15
24	ہشام بن عبدالملک کی حق پرستی	17
25	ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ کا بیان توحید	18
26	ایک زندیق کا قبول اسلام	18
27	بخت آزما اور نصرت خداوندی	20
28	اللہ کی نصرت و مدد	22
29	غرور کا سر نیچا	22
30	اللہ کی بے نیازی	23

31	فہم قرآن اور ہدایت	25
32	قرآن کریم کی سب سے بڑی گواہی	27
33	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عالمانہ جواب	28
34	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دانشمندی	29
35	اللہ کی وحدانیت	30
36	شریعت کا علم	31
37	نیکی ضائع نہیں ہوتی	32
38	انتقام خداوندی	34

باب دوم
معجزات انبیا علیہم السلام کا بیان

39	حضرت صالح علیہ السلام اور اونٹنی کا معجزہ	38
40	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ	39
41	اللہ کے حکم سے پرندوں کا دوبارہ زندہ ہونا	41
42	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات	42
43	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قارون کی سازش	45
44	حضرت سلیمان علیہ السلام کے مدلل جواب	47
45	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فراست	48
46	لالچ کا انجام	49
47	عورت کی بے وفائی	50
48	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کا دعوت حق	51
49	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات	55
50	سیف ذی یزن کی پیشگوئی	55
51	ہرمز بن شاپور کا خانہ کعبہ کو ڈھانے کا منصوبہ	56

52	چاہ زم زم کی کھدائی	58
53	حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی جاں بخشی	61
54	عیسائی راہب بحیرا کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت	64
55	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام	66
56	حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح	68
57	نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم آمنہ میں منتقل ہونا	70
58	خانہ کعبہ کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار	71
59	مالک بن عجلان کی بہادری	73
60	قرآن کریم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ	75
61	ہرنی کا ایفائے عہد	76
62	ایک چھپکلی کا کلمہ شہادت پڑھنا	77
63	میانہ روی کی تعلیم	77
64	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر درخت کا چلنا	78
65	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت	78
66	ایک ہزار سے زیادہ افراد کی کفالت	80
67	بانجھ بکری کے تھن سے دودھ کا جاری ہونا	81
68	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم	82
69	سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھسنا	82
70	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ قبول کرنے سے انکار	83
71	عتبہ بن ابولہب کا بھیانک انجام	84
72	ابومعیط کا جہنم رسید ہونا	85
73	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام	86
74	عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشرف بہ اسلام ہونا	88

75	خسرو پرویز کی بدسلوکی اور اس کا انجام	89
76	ایک قیمتی خزانے کی بازیافت	91
77	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی کھوئی ہوئی اونٹنی کا پتہ بتانا	91
78	غیبی آندھی سے اہل کفار میں افراتفری	92

باب سوم
کرامات اولیا کا بیان

79	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش بینی	96
80	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط دریائے نیل کے نام	96
81	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر روم کے دربار میں	97
82	حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کے کرامات	99
83	خدائے کریم کا لطف و کرم	100
84	حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ اور یہودی	101
85	حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام	102
86	حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی کسرنفسی	103
87	تقویٰ کا انعام	104
88	لقمہ حلال کی تاثیر	105
89	دنیا: مومن کے لیے قید خانہ	106
90	حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ اور معرفت الٰہی	107
91	حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا توکل	108
92	حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا روحانی سفر	109
93	حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کا زہد و تقویٰ	111
94	حضرت شیخ ابوسلیمان رحمتہ اللہ علیہ کی دین داری	113
95	عیب پوشیدہ رکھنے پر خدا کا انعام	114

96	حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی کرم فرمائی	115
97	حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ خوانی	115
98	تبلیغ اسلام کا طریقہ	116
99	حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا اثر	119
100	حضرت عامر بن عبید قیس رحمۃ اللہ علیہ کا خشوع وخضوع	119
101	حضرت عمرو بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قرض کی ادائیگی	121
102	حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا توکل	122
103	حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان	123
104	شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی کسر نفسی	123
105	حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی بیوی کو معاف کرنا	124
106	حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور مشیت ایزدی	126
107	شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی	127
108	حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کا واقعہ	129
109	حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ اور خزانہ الٰہی	130
110	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن مودب رحمۃ اللہ علیہ	131
111	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا حسن سلوک	134
112	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا حرام مال سے احتراز	136
113	حرام مال سے اللہ کی حفاظت	137
114	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا لطف واحسان	138
115	نظام الملک کی علم پروری	139
116	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کا کمال فیض	141
117	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے واعظ کا اثر	141
118	شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ اور علم غیب	142

باب چہارم
ممالک عرب وعجم کے حکمرانوں کا بیان

119	کیومرث کی بادشاہت	146
120	ہوشنگ کی حکومت	146
121	طہمورث کا عہد اور اقتصادی ترقی	147
122	جمشید کے دور حکومت میں شراب کی دریافت	147
123	کیقباد کے عہد کا ایک واقعہ	149
124	ضحاک کے ہاتھوں جمشید کی شکست	150
125	ضحاک حمیری کے دور حکومت کا آغاز	151
126	ضحاک اور اس کے دوناگوں کا قہر	151
127	ارمائیل اور کرمائیل کی ہوشمندی	153
128	فریدون کے ہاتھوں ضحاک کا قتل	154
129	فریدون کا عہد اور درفش کاویانی	156
130	فریدون کے بیٹے ایرج کا قتل اور منوچہر کا انتقام	157
131	زال اور رودابہ کے عشق کی داستان	162
132	رستم کی پیدائش اور منوچہر کی موت	169
133	نوذر کا عہد اور سام کا کردار	170
134	افراسیاب اور نوذر کے درمیان جنگ	171
135	افراسیاب اور طہماسپ کے درمیان معاہدہ	175
136	افراسیاب اور رستم کے درمیان جنگ اور کیقباد کی تخت نشینی	177
137	کیکاؤس کا یمن پر حملہ	179
138	سودابہ کے دام فریب سے سیاوش کی نجات	180
139	کیخسرو کی پیدائش اور افراسیاب کا زوال	190

140	لہراسپ کی بادشاہت اور گشتاسپ کا سفر روم	194
141	گشتاسپ کا عہد اور زرتشت کی سرپرستی	196
142	گشتاسپ اور ارجاسپ کے درمیان جنگ	197
143	اسفندیار کی گرفتاری اور رہائی	198
144	اسفندیار کا قلعہ روئین پر تسلط	201
145	اسفندیار اور رستم کے درمیان جنگ	204
146	شغاد کے ہاتھوں رستم کی موت	210
147	بہمن کی جانشینی	212
148	بہمن کی بیٹی ہما کی جانشینی	213
149	داراب کی پیدائش اور تخت نشینی	213
150	دارا کی حکومت	215
151	دارا اور سکندر کے درمیان رنجش کی ابتدا	216
152	سکندر کے ہاتھوں دارا کی شکست	217
153	ہندوستان پر سکندر کا تسلط اور اس کی موت	218
154	سکندر کی حکمت عملی	221
155	اشک کی حکمرانی اور قیصر روم کا حملہ	222
156	اشکانی خاندان کا عروج وزوال	223
157	اردشیر بابکان اور ساسانی خاندان کا عروج	225
158	ملک شاپور کی حکومت	228
159	شاپور بن اردشیر کا تذکرہ	230
160	شاپور کا حضرموت پر تسلط	231
161	ملک ہرمز کا دور اقتدار	233
162	بہرام بن ہرمز کا دور اور مانی کا ظہور	233

163 بہرام کے ہاتھوں مانی کا خاتمہ 234

164 بہرام بن بہرام کا دورِ اقتدار 234

165 نرسی بن بہرام کی حکومت 235

166 ہرمز بن نرسی کی حکومت 235

167 ملک شاپور ذوالاکتاف کے کارنامے 236

168 اردشیر کی تخت نشینی اور ہلاکت 238

169 بہرام بن شاپور کی حکومت 239

170 یزدجرد اثیم کی حکومت 239

171 بہرام گور کی پرورش و پرداخت 240

172 بہرام گور کی وجہ تسمیہ 241

173 بہرام کے تعلق سے یزدجرد کی لاپرواہی 241

174 (الف) بہرام گور کا عروج 242

(ب) بہرام کے ہاتھوں ایران کی بازیافت 244

175 بہرام کا سفر ہندوستان اور رشتہ ازدواج 245

176 بہرام کی اچانک موت 247

177 یزدجرد کے بیٹے فیروز کی حکومت 247

178 خشنوار کے ہاتھوں فیروز کی شکست 248

179 خشنوار اور سوخرا کے درمیان معاہدہ 250

180 بلاش کا زوال اور قباد کی تخت نشینی 251

181 جاماسپ اور قباد کے درمیان دشمنی 253

182 قباد کے دور میں دین مزدک کا عروج 254

183 نوشیرواں کے ہاتھوں مزدک کا قتل 256

184 نوشیرواں کا عہد زریں 257

185	نوشیرواں کے بیٹے ہرمز کا عہد	258
186	پرویز کا دوبارہ ملک ایران پر تسلط	263
187	پرویز کے عہد میں مال و متاع کی فراوانی	265
188	پرویز کا افسوسناک قتل	267
189	شیریں کی خودکشی	269
190	شیرویہ کی مختصر مدت حکومت	269
191	خسرو پرویز کے ہاتھوں اردشیر کا قتل	270
192	ملکہ توران اور ملکہ آزرمی دخت کی حکمرانی	270
193	یزدجرد کی تخت نشینی	271
194	شاہان روم کا مختصر تذکرہ	273
195	ہرقل کی حکومت	275

***

مقدمہ

'**جوامع الحکایات ولوامع الروایات**' اپنی گونا گوں صفات کے پیش نظر فارسی ادب میں ایک ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس معرکہ آرا تصنیف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سدید الدین محمد عوفی نے تقریباً پانچ سال صرف کیے۔ عوفی نے اس تصنیف کا آغاز اُچھ کے حکمراں ناصرالدین قباچہ کے ایما پر غالباً 625 ھ/ 1228 میں کیا تھا جبکہ وہ اس کے دربار سے منسلک تھے۔ ناصرالدین زیادہ دنوں تک سریر آرائے سلطنت نہ رہ سکا۔ دہلی کے سلطان شمس الدین التمش نے اچانک اچھ پر حملہ بول دیا اور ناصرالدین قباچہ کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس واقعہ کے بعد شمس الدین التمش سارے ہندوستان کا شہنشاہ بن بیٹھا اور ناصرالدین کے دربار سے وابستہ بہت سارے اہل قلم دربار شاہی سے منسلک ہو گئے ۔ سدید الدین عوفی بھی ان میں شامل تھے۔ التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد جنیدی نے عوفی کی خوب سرپرستی کی۔ عوفی نے جوامع الحکایات ولوامع الروایات جیسی ضخیم کتاب کو 630 ھ/ 1233 میں مکمل کیا اور نظام الملک جنیدی کے نام منسوب کیا۔

جوامع الحکایات صرف حکایتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ بے شمار تاریخی واقعات و حادثات کا آئینہ دار بھی ہے۔ اگر چہ اس تصنیف میں بظاہر مختلف پیغمبروں، بزرگوں، بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کے تذکرے حکایات کے پیکر میں ڈھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن ان حکایات کے

پردے میں جابجا تاریخی شواہد بھی مل جاتے ہیں۔گاہے گاہے عوفی نے اس تصنیف میں اپنی زندگی کے کئی گوشے بھی وا کیے ہیں جونہایت ہی دلچسپ ہیں۔

جوامع الحکایات ولوامع الروایات فارسی ادب میں ایک بے مثال اورمنفرد تجربہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے مختلف شہرہ آفاق کتابوں سے جستہ جستہ حکایتیں نقل کی ہیں اور پھر موضوع کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی بھی کی ہے۔ چند حکایات کے ماخذ بھی بتائے ہیں جن سے ہمیں ان کے منابع کا پتہ چلتا ہے۔عوفی نے جن خاص منابع سے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

(1)احیاالعلوم غزالی (2)ادیان العرب (3)اخبار برامکہ (4) مقامات حریری (5) بختیار نامہ (6) تاریخ اسکندر رومی (7) تاریخ بغداد (8) تاریخ طاہریان (9) تاریخ اسمٰعیل ونصر بن احمد (10) تاریخ ترکستان از عدنان الرخلکتی (11) تاریخ خراسان (12) تاریخ خلفائے بنی عباس (13) تاریخ خوارزمیان(14) تاریخ طبری (15) تاریخ ماوراالنہر(16) تاریخ مقدسی (17) تاریخ ناصری (18) دستورالوزرا از سلطان رضی (19) رسالہ قشیریہ(20) رسالہ الکندی (21)زنداوستا(22) سندبادنامہ(23) سیرالملوک(24) شاہنامہ فردوسی (25) شرح مقامات حریری (26) صحیح البخاری (27) قابوس نامہ(28) آئین الملوک (29) کتاب الہندازالبیرونی (30) طبایع الحیوان مروزی (31) الفرج بعد الشدہ ازتنوخی (32) کتاب المغازی ازمحمد بن اسحٰق (33) کلیہ ودمنہ(34) کیمیائے سعادت از امام غزالی (35) قصص الانبیا(36) تفسیرابن الکلبی (37) مسند اخبار نبوی (38) ماجع الکبیر محمد بن الحسن الشیبانی (39) انجیل مقدس (40) روضۃ العلما (41) سیر الصالحین (42) گنج خرد از خواجہ عبدالحمید وغیرہ

جوامع الحکایات میں جن منابع کا ذکر ہے ان میں سے بعض تودست بردزمانہ ہو گئے لیکن ان کی پرلطف، دلچسپ اوراخلاقی داستانیں اب بھی جوامع الحکایات کے صفحات میں محفوظ رہ گئیں ہیں۔

عوفی ایک کثیر الجہات مصنف ہیں اوران کی یہ تصنیف اپنے گونا گوں موضوعات کے اعتبار سے کثیر الابعاد ہے۔ یہ ایک طرف کتاب سیرت ہے تو دوسری طرف کتاب تاریخ، ایک طرف کتاب اخلاق ہے تو دوسری طرف کتاب سیاست، ایک جانب کتاب عمرانیات

ہے تو دوسری جانب کتاب فلسفہ۔مختصر یہ کہ یہ کتاب اپنے مختلف النوع موضوعات کے سبب کسی دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) سے کم نہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ قصے کہانیاں ہمیشہ ہی ادب کا حصہ رہے ہیں اور فارسی میں کلیلہ ودمنہ، چہار مقالہ، گلستان سعدی، اخلاق جلالی، اخلاق محسنی، اخلاق ناصری جیسی بیشتر تصنیفات موجود ہیں لیکن سچے واقعات و روایات کا ایسا ضخیم مجموعہ اب تک ہمارے پاس موجود نہیں۔اس لحاظ سے یہ تصنیف نہایت ہی اہم، جامع اور منفرد ہے۔

بعض حکایتیں تو چشم دید ہیں جیسا کہ عوفی خود بیان کرتے ہیں کہ'' آنچہ مشاہدہ افتاد'' یا ''این حکایت شنیدم'' وغیرہ۔ چونکہ بہت سارے واقعات وسانحات کے وہ چشم دید گواہ رہے ہیں اس کتاب کی تاریخی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ ان تاریخی حقائق کے پیش نظر تاریخ نگاروں نے جوامع الحکایات کو منابع کے طور پہ بھی استعمال کیا ہے۔حمد اللہ مستوفی سے لے کر محمد قاسم فرشتہ تک بیشتر تاریخ نگاروں نے ان حکایات کو نقل کرنے میں بڑی دلچسپی دکھائی ہے۔ یہاں تک کہ طبقات ناصری ہفت اقلیم، زینت المجالس اور تاریخ نگارستان کے مصنفوں نے جوامع الحکایات کے بعض واقعات کو اسناد کے طور پر پیش کیا ہے۔

اگر ہم جوامع الحکایات کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو ہمیں اس دور کے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی، اقتصادی، مذہبی، علمی اور اخلاقی حالات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ غالبًا اب تک اس نقطہ نگاہ سے اس کتاب پہ روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔آج کے مورخین اور دانشور حضرات اگر اس کتاب میں شامل حکایتوں کی مدد سے ان تاریخی حقائق پر روشنی ڈالیں اور دور وسطیٰ کی شاندار معاشرتی وثقافتی زندگی کے سنہرے نقوش کی بازیافت فرمائیں تو ان کی یہ کاوش ایک اہم تحقیقی دستاویز کی حیثیت سے تسلیم کی جائے گی۔

عوفی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مضامین کے اعتبار سے ان حکایات کی ایسی درجہ بندی کی ہے کہ قارئین جس موضوع پر چاہیں اپنے ذوق سلیم کے مطابق حکایات کا انتخاب کریں اور عقل و تدبر کے بیش بہا خزانے سے مستفید ہوں۔مصنف نے کہیں کہیں تصرف سے بھی کام لیا ہے۔اپنی طرف سے بعض جملے جوڑے ہیں تو بعض جملے حذف بھی کیے ہیں۔ جا بجا عربی و فارسی اشعار بھی نقل کیے ہیں جن سے ان کی شعری استعداد وشغف کا بھی

اندازہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عوفی نے حکایات کو اپنی بذلہ سنجی اور صاف گوئی کے سبب شگفتہ، رنگین اور جاذب بنا دیا ہے۔

عوفی نے جوامع الحکایات کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1 قسم اول: اللہ کی معرفت، انبیا علیہ السلام کے معجزات، اولیا اللہ کی کرامات اور بادشاہوں اور خلفا کی تواریخ

2 قسم دوم: اخلاق حمیدہ اور سیر مرضیہ

3 قسم سوم: اخلاق مذمومہ

4 قسم چہارم: عوام الناس کے حالات و کوائف، مختلف ملکوں اور سمندروں کے عجائب، حیوانوں کے عادات وغیرہ۔

مندرجہ بالا ہر قسم کو 25 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ لہٰذا پوری کتاب ایک سو باب پر مشتمل ہے۔ دو ہزار ایک سو تیرہ حکایات میں مصنف نے تاریخ تمدن، تاریخ ادبیات، اخلاق، علوم اسلامی، معاشرت، عدل گستری وغیرہ کے تمام تر مسائل پر مفصل گفتگو کی ہے اور نئے گوشے وا کیے ہیں جس کے لیے وہ قابل صد تحسین بھی ہیں اور قابل مبارک باد بھی۔

عوفی نے اپنی حکایات کو بیان کرنے میں بڑی ایمانداری سے کام لیا ہے اور اکثر اوقات ماخذ و منابع کے ساتھ مولف کے اسمائے گرامی بھی درج کر دیے ہیں۔ ان میں چند ایسے ماخذ بھی شامل ہیں جو دست برد زمانہ ہو چکے ہیں۔ ان حکایتوں کی مدد سے ہم مختلف ماخذ کے متن کو بھی درست کر سکتے ہیں اور اس دور کے زبان و ادب پر بھی کماحقہ بحث کر سکتے ہیں۔ جوامع الحکایات میں اتنے علما، فضلا، خلفا، امرا، وزرا، حکما، شعرا، ادبا، صوفیا اور عرفا کے نام ملتے ہیں کہ ان کی مدد سے اسما الرجال پر باآسانی ایک ضخیم کتاب معرض وجود میں آسکتی ہے۔

ہر باب کے شروع میں ایک مقدمہ اس بات کی شہادت ہے کہ مصنف نے مضامین کے اعتبار سے جو درجہ بندی کی ہے وہ یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس کے در پردہ اس کا باقاعدہ ایک منصوبہ ہے۔ بیشتر حکایات قرآن کریم کی آیات مبارکہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک اور مشہور شعرا کے دلنشین کلام سے مزین ہیں جو مضمون کو نہایت ہی دلچسپ و کارآمد بنا دیتے ہیں۔

حکایت کے خاتمہ پر تحریر کردہ بیشتر اشعار عوفی کی فکری کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ان اشعار کی موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ عوفی صرف نثر نگار ہی نہیں بلکہ ایک شاعر بھی تھے اور برمحل اور خوبصورت اشعار ان کی نوک قلم پر موجود ہوتے تھے۔مختصر یہ کہ عوفی کی یہ تخلیق ایک ایسی دستاویز ہے جس سے مختلف عمر، مختلف خطے اور مختلف فکر و نظر کے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔

عوفی کی زبان نہایت ہی سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ چونکہ انھوں نے دیگر کتابوں سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں، کہیں کہیں ان کتابوں کی نثر ان کی تحریر پر حاوی ہوگئی ہے اور انھیں اپنے شیوہ تحریر کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑا ہے۔ان سب دشواریوں کے باوجود عوفی نے سلاست و روانی کا دامن نہیں چھوڑا ہے اور حتی المقدور اپنی نثر کو مسجع و مقفیٰ عبارتوں سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن جا بجا ایسی عبارتیں در آئیں ہیں۔

بعض ناقدین فن کے مطابق سدید الدین عوفی کی حکایتوں میں ایک بات کی کمی نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے کہیں سنہ تاریخ وغیرہ کی نشاندہی نہیں کی ہے۔اگر وہ ان حکایتوں میں اس دور کے سنہ تاریخ کا ذکر کرتے تو یہ کتاب اپنے مواد کے اعتبار سے تاریخ اقوام عالم کی ایک اہم دستاویز شمار کی جاتی۔اگر ہم بغور جائزہ لیں تو عوفی کا یہ منشا ہی نہیں تھا۔وہ تو محض ایسی حکایتیں جمع کر رہے تھے جو ہماری تہذیب و ثقافت، اخلاق و کردار، علم و عمل اور اعلیٰ انسانی قدروں کی جھلکیاں پیش کریں۔ان کا مقصد ہرگز تاریخ نگاری نہیں تھا اور اگر ایسا ہوتا تو اس تصنیف کا خد و خال ہی مختلف ہوتا۔

متذکرہ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عوفی نے اخلاقی مضامین پر مبنی ایسی کتاب تصنیف کی ہے جو ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔خصوصاً موجودہ ماحول میں جبکہ اخلاقی تار و پود بکھرتے نظر آرہے ہیں اور ہر طرف بے راہ روی اور کسمپرسی کا ماحول ہے ایسی کتاب کا مطالعہ نہایت ہی اہم اور ضروری ہے۔اگر ہماری نوجوان نسل ایسی کتابوں کا مطالعہ کرے تو زندگی کے بیشتر مسائل بحسن و خوبی حل ہو جائیں اور ہمارا معاشرہ بدخلقی، بے راہ روی اور بدکاری وغیرہ سے ایک حد تک پاک ہوجائے۔اس کتاب کے ترجمے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہمارا معاشرہ صحت مند

اقدار پر قائم ہو اور ہر اس اخلاقی خباثت کا جو اس دور میں ہماری تہذیب و ثقافت کا حصہ بن گئی ہے یا بن رہی ہے، قلع قمع کیا جا سکے۔

راقم الحروف نے جوامع الحکایات کا ترجمہ نظام الدین کی تدوین کردہ ایڈیشن کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ یہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن کی اشاعت ہے۔ تاریخ اشاعت 1338ھ /1965 درج ہے۔ پہلی قسم کے پہلے باب میں معرفت خداوند تعالیٰ، دوسرے باب میں معجزات انبیا، تیسرے باب میں کرامات اولیا اور چوتھے باب میں مما لک عرب وعجم کے حکمرانوں کے تعلق سے حکایتیں جمع کی گئی ہیں۔ میں نے جلد اول میں محمد نظام الدین کی تدوین کردہ جلد اول کی تمام حکایتوں کا ترجمہ کیا ہے جو قارئین کرام کے لیے نہایت ہی دلچسپ، معلومات افزا اور کار آمد ہے۔

ترجمہ ہذا کے حوالے سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ترجمہ نہ تو لفظی ترجمہ ہے اور نہ کوئی تلخیص۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بے جا طوالت کے اندیشے کے پیش نظر مسجع و مقفیٰ عبارتوں کے ترجمے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ ترجمے میں جن باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زبان سلیس و عام فہم ہو۔ طوالت و ثقالت کے خوف سے بیشتر عربی و فارسی اشعار کے ترجموں سے بھی گریز کیا گیا ہے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر کہیں کہیں حاشیے کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

عوفی نے بعض کہانیوں کے عنوانات لگائے ہیں لیکن اکثر حکایتیں بغیر عنوان کی ہیں۔ ترجمہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر حکایت زیر عنوان ہو۔ لہٰذا تمام حکایتوں میں ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ عنوانات کے تحت یہ حکایتیں قارئین حضرات کی دلچسپی کا باعث بنیں گی۔

یہاں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اختر شیرانی نے بھی جوامع الحکایات کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جسے انجمن ترقی اردو ہند نے 1943 میں دہلی سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔ اس ترجمہ میں مترجم نے چند منتخب حکایتوں کے ترجمے پہ ہی اکتفا کیا ہے۔ متذکرہ ترجمے میں جلد اول کے پہلے باب سے صرف تین حکایتیں موجود ہیں۔ باب دوم تا باب پنجم میں مندرج حکایتوں کے ترجمے سے مترجم نے یکسر احتراز کیا ہے۔ جلد دوم میں بھی متفرق ابواب سے منتخب حکایتوں کے ترجمے کیے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ متذکرہ ترجمہ بھی اب ناپید ہے۔

یہاں میں اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ سدید الدین محمد عوفی کی شہرہ آفاق تصنیف جوامع الحکایات ولوامع الروایات کی جلد اول کا ترجمہ بہ زبان اردو اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔

میں قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ارباب حل وعقد کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے اس خدمت کا موقع دیا اور فارسی کی ایک نادر و نایاب تصنیف کو اردو ادب کا حصہ بنا دیا۔ امید قوی ہے کہ احقر کی یہ کوشش ارباب فکر ونظر کے درمیان شرف قبولیت حاصل کرے گی اور اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ کی حیثیت سے تسلیم کی جائے گی۔

میں اپنے محسن وکرم فرما ڈاکٹر محمد امین عامر کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس ترجمہ کو اول تا آخر پڑھنے کی زحمت گوارا کی اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ میں اس ضمن میں امتیاز احمد اور ساجد الحق صاحبان کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کا تعاون اگر نہ ہوتا تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ پاتا۔

سدیدالدین محمد عوفی

حیات و کارنامے

محمد سدید الدین عوفی اپنے وقت کے ایک ممتاز دانشور، عظیم تذکرہ نگار، مایہ ناز نثار اور قادرالکلام شاعر تھے لیکن ان کے بارے میں مفصل حالات کسی کتاب یا تذکرہ میں یکجا نہیں ملتے۔ لہٰذا مختلف کتابوں کے صفحات پر منتشر مواد کو یکجا کرنے کے بعد عوفی کے حیات و خدمات کا جو مختصر خاکہ تیار ہوا وہ حسب ذیل ہے:

عوفی کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم

سدیدالدین محمد بن محمد بن یحیٰ بن طاہر بن عثمان العوفی مشہور شہر بخارا میں پیدا ہوئے[1]۔ سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن عوف تک جا تا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ عوفی کے نام سے مشہور ہوئے[2]۔ان کے لقب کے سلسلے میں تذکرہ نویسوں اور محققوں کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔تاریخ گزیدہ اور نزہۃ القلوب کے مصنف حمداللہ مستوفی نے عوفی کو نور الدین کے لقب سے یاد کیا ہے[3]۔ کشف الظنون کے مولف نے ان کا اصل لقب جمال الدین بتایا ہے[4]۔ لیکن ضیاالدین برنی انھیں صدر الدین

کے نام سے یاد کرتے ہیں[5]۔ زیادہ تر تذکروں اور کتب تاریخ میں عوفی کو نورالدین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر نظام الدین نے بڑی تحقیق کے بعد ان کا لقب سدیدالدین بتایا ہے[6]۔ ایران کے مشہور و معروف محقق محمد معین نے سدیدالدین پر اتفاق کیا ہے لیکن سعید نفیسی نے اپنی تدوین کردہ لباب الالباب کے مقدمہ میں عوفی کے دو القاب بتائے ہیں....سدیدالدین اور جمال الدین[7]۔ قزوینی نے بھی سدیدالدین پر اتفاق کیا ہے[8]۔اے۔ جے۔ آربری نے انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں بھی جوامع الحکایات کے مصنف کا نام سدیدالدین محمد عوفی رقم کیا ہے[9]۔ممتاز علی خان کی تحقیق بھی اسی لقب پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے[10]۔

سدیدالدین محمد عوفی کے جدامجد کا نام امام شرف الدین ابو طاہر تھا جن کا شمار ماوراالنہر کے جید علمائے دین میں ہوتا تھا[11]۔ ڈبلو بارتھولڈ نے ابو طاہر کو تاریخ ترکستان اور تاریخ خطای کا مولف بتایا ہے[12]۔عوفی نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم اپنے جدامجد کی سرپرستی میں مکمل ہوئی[13]۔

عوفی کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں کوئی حتمی تاریخ کا تعین ممکن نہ ہوا۔لیکن عام تخمینہ کے مطابق یہ سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے چھٹی صدی ہجری یعنی 567ھ سے 572ھ 1172 سے 1176 کے درمیان آنکھیں کھولیں[14]۔ بچپن اور جوانی کے ایام بخارا میں ہی گزارے اور فقہ زمخشری کی تعلیم امام تاج الدین عمر بن مسعود سے حاصل کی ۔انھیں امام رکن الدین مسعود بن محمد امام زادہ کی سرپرستی بھی حاصل ہوئی جن کی زیرنگرانی دیگر علوم اسلامی سے مزین ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں جن علما کا ہاتھ تھا ان میں شیخ مجدالدین شرف بن المویدبغدادی اور قطب الدین سرخسی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے[15]۔

عوفی کی سیر و سیاحت

سدیدالدین عوفی کے سلسلے میں ایک بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ سیلانی طبیعت کے مالک تھے اور سیر و سیاحت سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔لہٰذا انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گذارا اور مختلف شہروں اور قریوں کی راہ پیمائی کی ۔ ان کی

سیاحت کی ابتدا غالباً 597ھ سے ہوئی[16]۔ وہ سب سے پہلے سمرقند گئے اور اپنے خالو مجد الدین محمد بن عدنان سرخکتی کے توسط سے جو کہ اس وقت سلطان قلج طمغاج خان ابراہیم کے طبیب خاص تھے سلطان کے دربار تک رسائی حاصل کی[17] اور اپنی خدا داد ذہانت و فطانت کے سبب شہزادہ قلج ارسلان خاقان نصرت الدین عثمان بن ابراہیم کے دربار میں دیوان انشا کے سر پرست کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے[18]۔سمرقند کے قیام کے دوران اپنی بذلہ سنجی اور انکساری کے سبب وہ دوستوں میں گھرے رہے۔بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے دوستوں کی ایک انجمن بھی بنائی تھی[19]۔سمرقند کے قیام کے دوران عوفی نے مولانا شرف الدین محمد بن ابی بکر النسفی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی[20]۔اسی دوران علا الدین محمد خوارزم شاہ کے درباری شاعر صدرالدین عمر بن محمد الغرم آبادی کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات قائم ہو گئے[21]۔

لباب الالباب کے حوالے سے یہ اطلاع ہم تک پہنچی ہے کہ عوفی نے سمرقند سے خوارزم کا رخ کیا اور وہاں انھیں اس عہد کے مشہور عارف مجد الدین شرف بن المؤید بغدادی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا[22]۔علا الدین الخارقی سے حدیث کا درس لیا اور تعلیم و تدریس حدیث کی اجازت حاصل کی[23]۔خوارزم کے قیام کے دوران انھیں خوارزم شاہ کے دبیر خاص عما دالدین اسفراینی کا قرب بھی حاصل رہا لیکن دربار خوارزم شاہی کی چمک دمک انھیں راس نہ آئی اور وہ 'شہرنو' کے لیے روانہ ہو گئے جو کہ اس وقت نصرالدین کبود جامع کا پایہ تخت تھا[24]۔اس زمانے میں نصرت الدین استرآباد اور خوارزم کے درمیانی علاقے پر قابض تھا۔شہرنو میں چند دنوں کے قیام کے بعد وہ 'نا سا' پہنچے جہاں ان کی ملاقات اس عہد کے مشہور خطاط محمد بن بدیع النسوی سے ہوئی[25]۔ یہاں بھی قیام مختصر ہی رہا۔

عوفی نے نیشا پور کا سفر اس وقت کیا جب سلطان علا الدین محمد خوارزم شاہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ وہ اسی زمانے میں اسفراین بھی گئے اور وہاں سلطان خوارزم شاہ کے مشہور وزیر عمادالدین مو ید بن احمد کے فرزند ارجمند کی تعلیم و تربیت ان کے ذمے آئی[26]۔ بعد میں وہ نیشا پور واپس آ گئے اور وہاں ایک مدت تک علما و صلحا اور ادبا و شعرا کی صحبت میں رہے۔ان اہل کمال حضرات میں صاحب دیوان شاعر صدرالدین نیشا پوری[27]، ملک موید کے منشی جمال الدین علی لاہوری[28]،

ابوالفضل عثمان بن احمد ہروی[29]، علی بن الحسین المروزی[30]، امیر قوامی الخوافی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔علمی و ادبی محفلوں کی موجودگی اور دوسری تمام تر سہولتوں کے باوجود انھوں نے نیشاپور کو بھی الوداع کہی۔ وہ سجستان اور طوس وغیرہ بھی تشریف لے گئے لیکن شواہد کی کمی کے باعث حتمی طور پر اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

تذکرہ لباب الالباب کی روشنی میں یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ عوفی ہرات میں بھی مقیم رہے اور وہاں انھیں فخر الدین الخطاط ہروی اور بدرالدین بن نورالدین ہروی کی مصاحبت نصیب ہوئی ۔ ہرات میں بھی زیادہ دنوں تک مقیم نہیں رہے اور اسفزار کا سفر کیا جہاں ان کی ملاقات خوارزم شاہ کے وزیر علاءالملک ضیا الدین ابو بکر بن احمد الحاجی سے ہوئی ۔علاءالملک نے عوفی کی بڑی قدردانی کی کیونکہ وہ خود بھی شعر وسخن کا دلدادہ تھا[31]۔ اسفزار کے قیام کے دوران اس زمانے کے عربی شاعر مہذب الدین منصور بن علی کو اپنا گرویدہ بنالیا جس نے عوفی کی تعریف میں ایک شاندار قصیدہ لکھ مارا۔ اس قصیدہ کا پہلا شعر یوں ہے۔

ما ابصرت ایام عمری طرفی قدماً کریماً کا السدیدالعوفی[32]

اسفزار میں عوفی کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ وہ ہر جمعہ عوام سے خطاب کرتے رہے اور ان کی مجلس میں اس عہد کے علما وفضلا کے علاوہ امرا ووزرا بھی شریک ہوتے رہے[33]۔ تمام تر شہرت ومقبولیت کے باوجود عوفی نے اسفزار کو خدا حافظ کہا اور شہر" فرہ" جا پہنچے ۔ وہاں ان کی ملاقات شرف الدین محمد بن محمد الفراہی سے ہوئی[34]۔ چند دنوں کے قیام کے بعد وہ سجستان کے لیے روانہ ہوئے جہاں انھیں اس عہد کے مشہور ومعروف ستارہ شناس اور منجم فریدالدین علی المنجم السجزی جو گوشہ نشین ہو چکے تھے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا[35]۔ سجستان کے سفر کے بعد وہ اپنے وطن مالوف بخارا لوٹ آئے لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ کتنے دنوں تک بخارا میں رہے اور پھر کس بنا پر بخارا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔ شاید عوفی کو ان شہروں میں وہ مقام نہ مل سکا تھا جس کے وہ متمنی تھے یا پھر خراسان پر منگول حملوں کا اندیشہ انھیں ہندوستان کی طرف ہجرت کے لیے مجبور کر رہا تھا۔

ہندوستان کا سفر

سدیدالدین عوفی کی زندگی میں ہندوستان کا سفر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔انھوں نے اس وقت ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا جب خراسان ایک نازک دور سے گذر رہا تھا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کی حکومت روبہ زوال تھی اور مغلوں کی یورش کا خطرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ دوسری طرف سلاطین ہند کی عدل گستری، فیاضی اور سرپرستی کا شہرہ کافی دور دور تک پھیل چکا تھا اور شعراوادبا کی کثیر تعداد ہندوستان کا رخ کررہی تھی۔عوفی نے بھی موقع غنیمت جانا اور ہندوستان کا رخ کیا۔غزنی پہنچ کر انھوں نے وقت کے مشہور شاعر ضیاالدین محمد الکابلی کا نیاز حاصل کیا[36]۔ وہ غزنی سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے جہاں شرف الدین دماوندی کی رفاقت نصیب ہوئی[37]۔

جب ایران طوائف الملوکی اور انتشار کا شکار تھا شمال مغربی ہندوستان علم وفن کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔شہر اچھ میں قباچہ کا دربار ان علما وفضلا وشعرا کا مسکن بن چکا تھا جو منگول حملوں کے دوران ایران سے ہجرت کرکے دیار ہند میں آبسے تھے۔قباچہ ایک ایسا علم دوست حکمراں تھا جو عالموں اور اہل فن کی فیاضانہ سرپرستی کر رہا تھا۔ان حالات میں عوفی کا ہندوستان کی طرف کوچ کرنا کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ پھر وہ سندھ تشریف لائے اور ملک ناصرالدین قباچہ کے دربار سے منسلک ہوگئے۔یہ وہ زمانہ تھا جب طبقات ناصری کے مولف قاضی منہاج الدین سراج قباچہ کے دربار میں پہلے سے موجود تھے۔

عوفی کا دربار قباچہ سے منسلک ہونا ان کی زندگی کا ایک اہم موڑ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قباچہ کے دربار ہی میں انھیں اپنی شاہکار تصنیف لباب الالباب کو مکمل کرنے کے لیے وہ تمام تر سہولتیں ملیں جن کی انھیں ضرورت تھی۔وہ غالباً 617ھ سے 625ھ تک قباچہ کے دربار سے وابستہ رہے۔عوفی نے قباچہ کے وزیر عین الملک فخرالدین حسین بن شرف الملک رضی الدین ابوبکر اشعری کی سرپرستی میں 618ھ/1221 میں تذکرہ لباب الالباب کی تصنیف شروع کی اور دوسال کی شدید محنت کے بعد 620ھ/1223 میں تذکرہ کی یہ دستاویز پایہ تکمیل کو پہنچی۔عوفی نے اس تصنیف کو عین الملک العشری کے نام منسوب کیا۔

ناصرالدین قباچہ کے دربار میں وہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے اور شہر اچھ کے شاہی امام کے عہدے سے سرفراز کیے گئے[38]۔ 620ھ/1223 میں کھمبایت کے قیام کے دوران سلطان قباچہ کے ایما پر قاضی تنوخی کی مشہور تصنیف الفرج بعد الشدۃ کا فارسی زبان میں ترجمہ کا آغاز کیا لیکن یہ کتاب شمس الدین التمش کے دور حکومت میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس ترجمہ کو گجرات کی سرزمین پر فارسی کی پہلی تصنیف قرار دی ہے[39]۔

625ھ/1228 میں اچانک دہلی کے سلطان التمش نے ناصرالدین قباچہ کے خلاف فوج کشی کی اور اچھ پر قابض ہو گیا۔ قباچہ اس ذلت آمیز شکست کو برداشت نہ کر سکا اور دریائے سندھ میں ڈوب کر اس نے اپنی جان دے دی۔ نتیجہ کے طور پر دربار شاہی سے منسلک بیشتر علما و فضلا و امرا و شعرا سلطان التمش کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ عوفی نے کسی طرح راہ نجات ڈھونڈ نکالی۔ انھیں التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعید الجنیدی کا قرب حاصل ہوا اور جلد ہی التمش کے دربار تک رسائی بھی ملی۔ دہلی میں قیام کے دوران ہی انھوں نے جوامع الحکایات ولوامع الروایات جیسی ضخیم اور عدیم المثال کتاب کو مکمل کیا جس کا آغاز انھوں نے قباچہ کے ایما پر قیام اچھ کے دوران کیا تھا۔

عوفی نے دہلی میں ایک طویل مدت گذاری اور وہیں سپرد خاک بھی ہوئے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ وہاں زندگی کے ایام انھوں نے کیسے گذارے؟ کن علما و ادبا و شعرا کی مصاحبت اختیار کی؟ ارباب اقتدار کے ساتھ ان کے معاملات کیا تھے؟ یہ تمام حالات اب تک پردہ خفا میں ہیں۔ گلزار ابرار کے مولف محمد غوثی رقمطراز ہیں کہ وہ سلطان التمش کے بیٹے سلطان ناصرالدین کے عہد حکومت میں زندہ تھے[40]۔ اس بیان کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ 650ھ/1252 تک زندہ رہے ہوں گے۔

عوفی کی تصنیفات

عوفی بڑے ہی ذہین اور طباع واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے ساری زندگی ترجمہ و تحقیق و تدقیق میں گذاری۔ ان کی ہر تصنیف اپنی مثال آپ ہے اور قاری سے اپنا لوہا منوا لیتی ہے۔ عوفی کی چار معرکتہ الآرا تصانیف درج ذیل ہیں:

(1) لباب الالباب : فارسی شعرا و ادبا کا اولین تذکرہ ہے جسے عام طور پر فارسی شعر و ادب کا اولین تذکرہ شمار کیا جاتا ہے۔(2) الفرج بعد الشد ۃ : یہ قاضی تنوخی کی تصنیف الفرج بعدالشد ۃ کا ترجمہ ہے۔ (3) جوامع الحکایت ولوامع الروایات: یہ سیاسی، ثقافتی، معاشرتی و اخلاقی حکایتوں کا مجموعہ ہے ۔(4) مدائح السلطان : یہ قصیدوں کا مجموعہ ہے ۔اب تک اس کا کوئی نسخہ دریافت نہ ہوسکا ہے۔

لباب الالباب

عوفی نے لباب الالباب کی تصنیف 620ھ میں مکمل کی اور اسے قباچہ کے وزیر عین الملک حسین اشعری کے نام معنون کیا۔ یہ تصنیف آج بھی فارسی شعرا و ادبا کے حوالے سے قدیم ترین تذکرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر چند کہ شعرا کے حالات زندگی بہت مختصر طور پر درج کیے گئے ہیں پھر بھی شعرائے کرام کے اسمائے گرامی اور فارسی اشعار کا گراں قدر مرقع ہمیں اس تذکرہ میں مل جاتا ہے جو واقعی بیش قیمت خزانہ ہے۔

لباب الالباب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عوفی نے کسی دوسرے صاحب قلم کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنی ذہانت وفراست سے ایک منفرد انداز بیان اور اسلوب کا اختراع کیا۔ ملک الشعرا بہار نے عوفی کی اس تحریر پر اپنی آرا کا اظہار یوں کیا ہے:

> ''از یک جہت می توان اورا از جملہ نویسندگان مرتبہ اول قرار داد و آن حسن انتخابی است کہ در دو تالیف مفید و مرغوب خود بہ عمل آوردہ است و حسن انتخاب خود از مزایای بسیار عمدہ ہر تالیف و تصنیفی است۔''[41]
>
> (ایک طرح سے ہم اسے تمام مصنفوں میں درجہ اول کا مصنف قرار دے سکتے ہیں۔ اپنے حسن انتخاب کو اس نے اپنی دو مفید و دلچسپ تالیفات میں خوب نبھایا ہے اور ان کی ہر تالیف وتصنیف میں حسن انتخاب کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔)

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا رقمطراز ہیں کہ یہ کتاب اپنے تاریخی مواد کے اعتبار سے اتنی اہم ہے کہ بیشتر مصنفوں اور تاریخ نویسوں نے اس کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔ امین احمد رازی نے

ہفت اقلیم میں، قزوینی نے عجائب المخلوقات میں، حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ اور نزہت القلوب میں عوفی کی جوامع الحکایات سے استفادہ کیا ہے[42]۔

یقیناً لباب الالباب کی تصنیف عوفی کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ آج بھی محققان وناقدان ادب اسے فارسی کا اولین تذکرہ قرار دیتے ہیں۔ لباب الالباب کی تحریر مقفیٰ و مسجع عبارتوں سے مزین ہے۔ عوفی نے اپنے بیان میں سجع موازنہ، اشتقاق اور تجنیس وغیرہ کا خوب التزام کیا ہے اور اپنی نثری تحریر کو شعری محاسن سے آراستہ کیا ہے۔

جوامع الحکایات ولوامع الروایات

جوامع الحکایات ولوامع الروایات سدید الدین عوفی کی ایک شہرہ آفاق تالیف ہے۔ یہ ضخیم تالیف مولف کی محنت شاقہ اور ذوق بے مثال کا مرقع ہے اور اپنی گوناگوں خصوصیات کے پیش نظر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ عوفی کی اخذ کردہ حکایتیں اپنے دور کی اہم تاریخی، مذہبی، معاشرتی، معاشی، علمی وادبی ماخذ کے طور پر قابل مطالعہ ہیں اور اسناد کا درجہ بھی رکھتی ہیں کیونکہ بیشتر تاریخی دستاویزات جن کا حوالہ عوفی نے دیا ہے دست برد زمانہ ہو چکی ہیں۔

یہ قابل قدر تصنیف ہر زمانے میں مقبول عام رہی اور عوام کے علاوہ خواص کے درمیان بھی دلچسپی کا محور بنی رہی ۔ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے برادر اصغر اور شاگرد عزیز حضرت شیخ نجیب الدین متوکل نے خود اپنی خاطر عوفی کی جوامع الحکایات کی کتابت کروائی ۔ نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو یہ بتایا کہ کس طرح حمید نساخی نے حضرت نجیب الدین متوکل کے لیے یہ کتاب نقل کی[43]۔

معروف تاریخ نگار ضیاالدین برنی نے جوامع الحکایات کو ان چار مستند تاریخی کتابوں میں شمار کیا ہے جو دہلی میں لکھی گئیں ۔ وہ چار کتابیں ہیں خواجہ نظامی کی تاج الماثر، منہاج سراج کی طبقات ناصری، عوفی کی جوامع الحکایات اور تاج الدین عراقی کے فتح نامے[44]۔ عوفی کوئی تاریخ نگار نہ تھا اور نہ ہی کوئی وقائع نگار لیکن اس نے تاریخ کے ایک ہوشیار طالب علم کے لیے اتنے سارے مواد جمع کر دیے جو قابل قدر ہیں[45]۔

جوامع الحکایات و لوامع الروایات کومختلف مما لک میں بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ حاجی خلیفہ نے اپنی مشہور تصنیف کشف الظنون میں جوامع الحکایات کے تین ایسے نسخوں کی نشاندہی کی ہے جو ترکی زبان میں ہیں[46]۔ ڈاکٹر محمد نظام الدین کے مطابق جوامع الحکایات ولوامع الروایات کے نسخے برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری، بودلین لائبریری، ایڈن برا یونیورسٹی لائبریری، نورعثمانیہ لائبریری استنبول، کتاب خانہ دانشگاہ تہران، کتاب خانہ مجلس شوریٰ ملی ایران میں اب بھی محفوظ ہیں۔ جوامع الحکایات کے متعدد نسخے ہندوستان میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، خدابخش لائبریری پٹنہ، کشن گنج لائبریری، دارالمصنفین اعظم گڑھ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

جوامع الحکایات کے تراجم دوسری زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے تین ترکی ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر ڈاؤسن نے جوامع الحکایات کی تقریباً چھتیس حکایتوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور اپنی تاریخ ہند کی سیریز کے جلد اول میں شامل کیا ہے[47]۔ اختر شیرانی نے بھی جوامع الحکایات کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جسے انجمن ترقی اردو ہند نے 1943 میں دہلی سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا لیکن مترجم نے چند منتخب حکایتوں کے ترجمے پر ہی اکتفا کیا ہے اور جلد اول کی صرف تین حکایتیں ہی شامل کی گئی ہیں۔ اس ترجمہ کو کسی صورت میں بھی کامل ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ سید حسن عسکری نے بھی ان حکایتوں کو جو کہ معاصر تاریخ ہند سے متعلق ہیں انگریزی کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے[48]۔ اقتدار حسین صدیقی نے اپنی تحقیقی کتاب انڈو پرشین ہسٹریوگرافی میں چند حکایتوں کا ترجمہ کیا ہے اور ان کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔[49]

ترجمہ کتاب الفرج بعد الشدۃ

عوفی کی تیسری تصنیف ترجمہ الفرج بعد الشدۃ بھی اپنی گوناگوں خصوصیات کے سبب اول درجہ کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک زمانہ تک یہ تصنیف قعر گمنامی میں پڑی رہی۔ دانشوروں کی مساعی جمیلہ کے سبب یہ پتہ چلا ہے کہ اس کے دو نسخے انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہیں۔

الفرج بعد الشدۃ ایک اہم عربی تصنیف ہے جسے قاضی محسن تنوخی نے 384ھ میں تحریر کی تھی۔ عوفی نے اس کتاب کو فارسی میں منتقل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ بحیثیت مترجم وہ نہایت ہی کامیاب ہیں۔ کتاب کے مقدمہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ کتاب سلطان ناصرالدین قباچہ کے عہد حکومت میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی۔ مقدمہ میں اس بات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ عوفی کھمبایت میں مسند قضا پر مامور تھے۔ لہٰذا قیاس اغلب ہے کہ یہ ترجمہ 620ھ اور 621ھ کے درمیان معرض وجود میں آیا ہوگا۔

الفرج بعد الشدۃ کے ایک اور ترجمے کا بھی ذکر ملتا ہے جسے حسین بن اسعد بن حسین الدہستانی المویدی نے مکمل کیا تھا۔ لیکن اپنی ادبی خصوصیات کی بنا پر عوفی کا ترجمہ مقدم اور بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تحریر میں مسجع عبارتوں کے باوجود حلاوت و شیرینی کا فقدان نظر نہیں آتا۔ نثر کافی رواں ہے اور دلچسپ بھی۔ مترجم نے اپنی ذکاوت و فطانت کا خوب سے خوب تر مظاہرہ کیا ہے اور ترجمہ کو تخلیق کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

مدائح السلطان

بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سدیدالدین عوفی ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے اور مدائح السلطان میں انھوں نے اپنے اعلیٰ شعری ذوق اور استعداد کا ثبوت پیش کیا ہے۔ دراصل یہ ان قصیدوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے سلطان التمش کی شان میں کہے تھے۔ اس کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہے۔ لباب الالباب میں قباچہ کے وزیر عین الملک کی شان میں چند اشعار درج ہیں اور جوامع الحکایات میں نظام الملک جنیدی کی تعریف و توصیف میں ایک قصیدہ ملتا ہے۔ ان قصائد کے علاوہ جوامع الحکایات میں قصائد، رباعیات اور قطعات کی فراوانی ہے جو ان کے شعری وجدان کا نتیجہ ہے۔

عوفی کی تصانیف سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک متبحر عالم، کہنہ مشق ادیب، بلند پایہ دانشور اور قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے ساری زندگی شعر و ادب کی خدمت کی اور فارسی ادب کے خزینہ کو لباب الباب اور جوامع الحکایات جیسی دو نادر تصانیف سے غنی تر کر دیا۔ فارسی ادب کے حوالے سے ان کا شمار اولین تذکرہ نگار، عظیم محقق، صاحب طرز انشاپرداز اور ممتاز مترجم کی حیثیت سے ہوگا۔

ڈاکٹر غلام سرور

حواشی

1 محمد بن عبدالوہاب قزوینی، ترجمۂ مصنف، لباب الالباب، جلد اول، کیمبرج یونیورسیٹی، 1906، ص: یب

2 ایضاً، ص: یج

3 M. Nizamuddin, An Introduction to Jawami 'ul-Hikayat, London 1948, p. 4-5.

4 کشف الظنون، جلد اول، استنبول، 1941، ص:540

5 ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ 1862، ص:14

6 ایم۔ نظام الدین، ص:5 تا6

7 سعید نفیسی، حواشی لباب الالباب، تہران، 1333ھ ش، ص:785

8 محمد بن عبدالوہاب قزوینی، ص: یج

9 A.J. Arberry, Catalogue of the India Office Library, Vol.II, Part VI, p. 235.

10 Mumtaz Ali Khan, Some Important Persian Prose Writings of the 13th Century A.D India, Aligarh Muslim University, Aligarh1970, p.88.

11 علامہ قزوینی، ص: یج

12 W. Barthold, Turkestan Down to the Mongol Invasion, London,1928, p. 17.

13 لباب الالباب، جلد اول، ص:178

14 ایم نظام الدین، ص:5 تا6

15 دکتر بانو مصفّا، جوامع الحکایات ولوامع الروایات، بنیاد فرہنگ ایران، 1352ھ۔ش۔، ص: دوازدہ

16 علامہ قزوینی، ص: یۃ؛ دکتر بانو مصفّا، ص: دوازدہ

17 لباب الالباب، جلد اول، ص:178

18 دکتر بانو مصفّا، ص: دوازدہ

19 ایضاً، ص: دوازدہ

20 لباب الالباب، جلد اول، ص:164 تا165

21 ایضاً، ص:201

22 ایضاً، ص:230

23 ایضاً، ص:209

24 ایضاً، ص:51 تا52

25 ایضاً، ص:240

26 ایضاً، ص:147

27 ایضاً، ص:142 تا147

28 ایضاً، ص:121

29 لباب الالباب، جلد دوم، ص:346

30 ایضاً، ص:357

31 لباب الالباب، جلد اول، ص:113 تا117

32 ایضاً، جلد اول، ص:159؛ اس شعر سے بھی عوفی کے لقب سدید الدین کی توثیق ہوتی ہے۔

33 ایضاً، ص:111

34 ایضاً، ص:259

35 لباب الالباب، جلد دوم، ص:374

36 لباب الالباب، جلد اول، ص:176

37 ایضاً، ص:284 تا285

38 ایضاً، ص:115 تا116

39 Nazir Ahmad, Essays on Persian Literature, Delhi 2005, p.48

40 محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مرتب: ڈاکٹر محمد ذکی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، 1994، ص:57

41 ملک الشعرا بہار، سبک شناسی، جلد سوم، ص:38

42 دکتر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران، انتشارات فردوس، 1368 ش، جلد دوم، ص:1028

43 S.H.Askari, On Awfi's Jawami ul-Hikayat, Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna, p. 3

44 ایضاً،ص:3

45 ایضاً،ص:3

46 کشف الظنون،جلد اول،ص:540

47 Elliot & Dowson, History of India as told by its Historians, London, 1867-1877 in VIII volumes, p. 155.

48 S. H. Askari, p. 3

49 I.H.Siddiqui, Indo-Persian Historiography upto the Thirteenth Century, Prima Books, Delhi, 2010, pp. 55-92.

***

خلاصہ دیباچہ

تمام تعریفیں اس خالق کائنات کے لیے ہیں جس کی بادشاہت ابتدائے وجود سے انتہائے عدم تک قائم ہے۔شکر و سپاس اس موجد لا یزال کے لیے ہے جو سارے اوامر ونواہی کا مالک ہے۔ وہ ایسا خالق ہے جس کی خلقتوں کا احاطہ ممکن نہیں۔ وہ ایسا واحد و یکتا ہے جس کے نقوش ہماری عقل کے حدود سے ماورا ہیں۔ اس نے کائنات کو اپنی قدرت کاملہ کے سبب آراستہ و پیراستہ کیا اور وجود کو حرکت بخشی۔وہ ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ایسا آفریدگار ہے جس نے انسان کے صدف دماغ کو گوہر عقل سے مزین کیا۔لوگوں کے دلوں کو منور کیا تا کہ وہ نیک و بد میں امتیاز کر سکیں۔امور معاش کے انتظام کی خاطر بادشاہوں اور سلاطین کو قدرت و طاقت عطا فرمائی اور رعایا کو ان کا فرماں بردار بنایا۔دین وملت کے استحکام کی خاطر انبیا و رسول بھیجے اور ضلالت و گمراہی سے بندوں کو نجات و برأت عطا کی۔آخر الامر سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ابن عبدالمطلب کو آخری رسول بنا کر مبعوث کیا۔

بے پناہ حمد وثنا اور بے اندازہ شکر وسپاس اس پروردگار عالی کا ہے جس نے سلطان السلاطین شمس الدین کو سلطنت و بادشاہت عطا کی۔سلطان نے اپنے حسن تدبر سے سارے ملک میں امن و امان قائم کیا۔امور سلطنت کے نظم ونسق کے معاملے میں انھیں اپنے وزیر نظام الملک،

ملک الوزرا محمد ابی سعد الجنیدی کی مکمل حمایت و استمداد حاصل رہی۔ صاحبقران کی کامیابیوں اور سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ میرے حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔

ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ 625ھ میں سلطان نے والی اچھ، ملک ناصرالدین قباچہ پر یورش کی۔حملہ کی تاب نہ لاکر ملک ناصرالدین نے راہ فرار اختیار کی اور قلعہ بکر میں پناہ گزیں ہوا۔سلطان کے حکم سے ارور کی جانب سے الغ قتلغ اعظم باربگ نے حملہ کیا اور برسنہ کی جانب سے امیر سپہ سالار ایتمر نے دھاوا بولا۔سلطانی فوج کے جاہ وحشم کے آگے ناصرالدین قباچہ کی مجبوری ومقہوری صاف نظر آنے لگی۔اس نے صلح کی پیش کش کی اور مال و جواہر کے ساتھ اپنے بیٹے کو سلطان کی خدمت میں بھیجا۔سلطان نے ناصرالدین کو بنفس نفیس حاضری کا حکم دیا۔ وہ اپنی بے بضاعتی و بے اعتمادی کے سبب دریا میں کود پڑا اور راہی ملک عدم ہوا۔لہٰذا اچھ کی سلطنت سلطان کے تسلط میں آ گئی۔

ان سارے واقعات و حادثات کے درمیان میں بھی قلعہ بکر کے حصار میں محصور تھا۔ دراصل میں نے جوامع الحکایات کی تصنیف ناصرالدین کے ایما پر ہی شروع کی تھی۔ناصرالدین کی اچانک موت کے سبب یہ تصنیف نامکمل رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایک رات میرے ضمیر نے آواز دی اور میں نے اس کام کو دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ کیا۔سلطان الوزرا کی کرم فرمائی کے سبب یہ تصنیف اپنے اختتام کو پہنچی۔

جوامع الحکایات ولوامع الروایات ایک سو ابواب اور چار جلدوں پر مشتمل ہے۔کتاب کے اختتام پر سلطان الوزرا کی شان میں ایک قصیدہ مرقوم ہے۔ میں نے جا بجا اختتام حکایت پر اشعار درج کیے ہیں اور بعض عربی اشعار کے تراجم بھی دیے ہیں۔ میں نے بے جا تکلف و تصنع سے پرہیز کیا ہے۔

محمد سدیدالدین عوفی

باب اول

معرفت الٰہی کا بیان

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ تمام علوم کا راز اس خالق کائنات اور خداوند قدوس کی معرفت میں مضمر ہے جس نے تمام خلقت کی شان زمین وآسمان کی موجودات میں پنہاں رکھی ہے۔ اس نے اپنے کمال قدرت اور جمال حکمت سے خلائق کے لیے معاش و معاد کے اسباب مہیا کیے ہیں اور ارض و سما کی ساری مخلوقات اس امر کی شہادت دے رہی ہیں۔ اگر کوئی مخلوق کے مشاہدے کے توسط سے خالق کا استدلال نہ کر پائے تو یہ سراسر دیکھنے والے کی کم نگاہی پر محمول ہے۔ پس خالق کائنات نے اتمام حجت کی خاطر انسان کو عقل سلیم سے نوازا، انبیا و مرسلین بھیجے اور راہ معرفت کی مکمل نشاندہی بھی کی۔ جن لوگوں کو سعادت ابدی مقصود تھی انھوں نے انبیا علیہ السلام کا اتباع کیا اور جن کو شقاوت اور بدبختی نے آگھیرا وہ انبیا علیہ السلام کی اتباع اور فرماں برداری سے دور رہے اور آخر کار ایک دردناک عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس باب میں ایسے لوگوں کی حکایتیں بیان کی جائیں گی جنھوں نے رب کائنات کے وجود کے حق میں دلائل پیش کیے ہیں اور خداوند قدوس کی ہستی و وحدانیت کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔

(1) دنیا میں بت پرستی کا آغاز

راویوں اور مصنفوں نے دنیا میں بت پرستی کے آغاز کے حوالے سے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو اپنی طرف واپس بلا لیا تو ان کے پیروکاروں اور خادموں کو جدائی کا غم سہنا پڑا ۔ ان کی جدائی میں وہ روتے گڑگڑاتے رہے کیونکہ انھیں جلوت وخلوت میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ہم کلامی کا شرف حاصل تھا اور ان کی رہنمائی میں عبادت وریاضت میں بھی بڑی تقویت ملتی تھی ۔ ان کی صحبت سے محروم ہونے کے بعد وہ شب وروز گریہ وزاری میں بسر کرنے لگے۔

ان حالات میں ابلیس کو انھیں گمراہ کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آیا۔ اس نے خود کو ایک سنگ تراش کی شکل میں ایک کامل استادفن اور ہنرمند کی حیثیت سے پیش کیا اور کہنے لگا ''مجھے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم لوگ اس قدر غمزدہ کیوں ہو۔ ادریس علیہ السلام تو جنت کے باغ میں پہنچ گئے ہیں۔ اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے اور نہ ہی انھیں اس دنیا کی یاد آئے گی ۔ اگر تم کہو تو میں سنگ مرمر سے ادریس علیہ السلام کا ایک مجسمہ بنا دوں جسے دیکھ کر یہ گمان ہو کہ وہ دوبارہ آسمان سے زمین پر اتر آئے ہیں ۔ پھر تم اس بت کو اپنی عبادت گاہ میں رکھ لینا اور اسے دیکھ کر دل کو تسلی دے لینا۔''

ان لوگوں نے فوراً رضامندی ظاہر کردی ۔ ابلیس نے مجسمہ تیار کیا ۔ وہ مجسمہ ان کی عبادت گاہ کے محراب میں نصب کیا گیا۔ جب یہ قوم دنیا سے رخصت ہوئی تو ان کی اولاد نے ان کی جگہ لے لی اور اس بت کی تعظیم وتکریم میں مبالغہ سے کام لیا جانے لگا۔ جب ان کے بعد ان کی آل اولاد کا زمانہ آیا تو ابلیس پھر حاضر ہوا اور ان کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنے لگا ۔ ابلیس نے کہا: ''تمھارے آبا واجداد نے اس بت کی پرستش کی ہے تم بھی اس کی پرستش کرو۔'' ان لوگوں نے بھی اس بت کی پرستش شروع کردی اور اس بت کو ہی اپنا معبود ومسجود سمجھنے لگے ۔ درحقیقت اس طرح دنیا میں بت پرستی کی ابتدا ہوئی اور لوگوں کی ضلالت وگمراہی کا سبب بنی۔

جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی طرف بلایا ۔ ان لوگوں نے دلیل طلب کی ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے کمال قدرت و رحمت کی دلیلیں پیش کیں اور کہا ''اے بھائیو! کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالی نے سات آسمانوں کو کس طرح اوپر تلے بنایا، چاند کی تخلیق کی اور سورج کو روشن بنایا۔ پھر تم کو زمین سے اگایا پھر تمھیں اس میں لوٹائے گا اور پھر نکالے گا۔'' (سورہ نوح 71، آیتیں 15 تا 18)۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت سے طبقات آسمانی کی تخلیق کی اور زمین پر ہزاروں قسم کے نباتات وحیوانات پیدا کیے۔ وہ بت جسے تم اپنا معبود سمجھتے ہو ایسے تخلیقی کارنامے انجام دینے سے قاصر ہیں ۔ جب انھوں نے ان کی یہ دلیلیں سنیں تو جواب بن نہ آیا اور نہ ہی وہ کوئی جواز پیش کر سکے۔ آخر الامر حضرت نوح علیہ السلام کی بدعا کے نتیجے میں اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا اور وہ پانی کے راستے جہنم کی آگ میں جھونکے گئے ۔

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو درباری نجومیوں نے نمرود کو یہ خبر دی کہ امسال ایک بچہ تولد ہونے والا ہے جو اس کے ملک کی تباہی کا سبب بنے گا۔ نمرود اب اس امر کی تحقیق میں لگ گیا۔ جہاں کہیں بھی لڑکا پیدا ہوتا مار ڈالا جاتا ۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آ گیا۔ ان کی ذات اقدس رحم مادر سے باہر تشریف لے آئی۔ والدہ محترمہ نے نمرود کی فوج کے خوف سے انھیں صدری میں لپیٹ کر ایک غار میں جا رکھا۔ وہیں دودھ پلایا اور واپس آ گئیں ۔

تین دنوں کے بعد جب فرصت ملی تو وہ غار کے دروازے پر آئیں تا کہ بیٹے کا حال معلوم کریں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صحیح سلامت پایا اور دیکھا کہ وہ شہادت کی انگلی کو ہونٹوں سے دبائے ہوئے دودھ پی رہے ہیں ۔ اللہ اس طرح انھیں رزق پہنچاتا رہا۔ ان کی والدہ گاہے گاہے آتی رہیں اور اپنے نور نظر کے حسن و جمال کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک

پہنچاتی رہیں ۔اسی طرح سات سال گذر گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے ہو گئے ۔ ان کی بزرگی و دانشمندی ان کے چہرے سے عیاں ہونے لگی ۔

ایک روز ان کی والدہ ان کے پاس آئیں ۔انھوں نے ماں سے دریافت کیا ''امی جان! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے اور میرا خدا کون ہے؟'' والدہ اپنے چھوٹے سے بچے کی زبان سے اتنی بڑی بات سن کر حیرت زدہ رہ گئیں اور کہنے لگیں ''تیرا خدا تو میں ہوں ۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا ''امی جان! آپ کا خدا کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا ''تیرے ابّا''۔ پھر پوچھا ''میرے ابّا کا خدا کون ہے؟'' ماں نے کہا ''نمرود''۔ پھر آپ نے پوچھا ''نمرود کا خدا کون ہے؟'' وہ کوئی جواب نہ دے پائیں اور خاموش ہوگئیں ۔ اسی دن ماں پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر نمرود کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا ۔

(3) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ

ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ نمرود نے کہا ''تمھارا خدا کون ہے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ''میرا خدا وہ ہے جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے ۔'' (سورہ بقرہ 2، آیت 258) نمرود نے کہا ''زندگی اور موت تو افلاک کی گردش اور ستاروں کی چال پر مبنی ہیں ۔ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حق سبحانہ کی قدرت کاملہ افلاک اور ستاروں کی گردش پہ منحصر ہے تو پھر یہ بتا کہ افلاک اور ستاروں کی گردش کس چیز کی تابع ہے ۔دراصل ستاروں کی گردش بھی خدا کے حکم کے مطابق ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک لازمی تسلسل قائم ہو جاتا ۔اب اگر لازمی تسلسل قائم نہیں ہوتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سارے حوادث ارضی حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت کے عین مطابق ہیں ۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا ''اگر میں یہ مان بھی لوں کہ زمین پہ رونما ہونے والے واقعات گردش افلاک کے زیر اثر ہیں تب بھی تجھے اس بات پر قدرت حاصل نہیں کہ تو ستاروں پر اپنا تصرف قائم کر سکے ۔ خالق کائنات ہر روز اپنی قدرت سے آفتاب کو مشرق سے

نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے، تو اسے ایک بار مغرب سے نکال اور مشرق میں غروب کر۔'' وہ یہ سن کر بھونچکا رہ گیا۔

نمرود نے ایک شخص کو جو کہ قتل کیا جانے والا تھا قید خانے سے رہا کر دیا اور کہنے لگا ''میں نے مردہ کو زندہ کر دیا''۔ ایک دوسرے شخص کو جو بے گناہ تھا مار ڈالا اور کہنے لگا ''لو میں نے زندہ کو مار ڈالا۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''جو تو نے کیا ہے اسے مردہ کو زندہ کرنا نہیں کہتے۔''

کہتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے نمرود کو مچھر کے سبب موت دی اور وہ بھی ایسا مچھر جس کا آدھا جسم بے جان تھا۔ جب وہ مچھر اس کے دماغ کے اندر پہنچا تو اس نے اپنی زبان حال سے آواز دی ''اگر تو مردہ کو زندہ کر سکتا ہے تو اس ادھ مرے کو زندہ کر، تا کہ میں تیری ناک سے باہر آؤں اور اگر تو زندہ کو مار سکتا ہے تو اس نیم جان کو مار، تا کہ تیری خلاصی ہو۔''

(4) فرعون کی حماقت اور ابلیس کی سرزنش

کہتے ہیں کہ ایک بار ابلیس فرعون کے پاس آیا۔ اس وقت فرعون کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ تھا اور وہ انگور کھانے میں مشغول تھا۔ ابلیس نے کہا ''کیا کوئی ہے جو ان تازہ انگور کے خوشہ کو خوشہ مروارید میں بدل دے۔'' حاضرین نے اپنی مجبوری کا اعتراف کیا۔ ابلیس نے جادو کے زور سے اس خوشہ انگور کو خوشہ مروارید میں تبدیل کر دیا۔ فرعون حیران رہ گیا اور کہنے لگا ''واقعی تو ہی استادوں کا استاد ہے۔''

ابلیس نے اس کی گردن پر تمانچہ رسید کیا اور کہا ''میری اس استادی کے باوجود لوگوں نے میری بندگی قبول نہیں کی پھر تو اپنی حماقت کے باوجود خدائی کا دعویٰ کیوں کرتا ہے؟''

(5) آسیہ کے ہاتھوں فرعون کا مضحکہ

کہتے ہیں کہ فرعون کی بیوی جس کا نام آسیہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھی۔ وہ جس جگہ غسل کرتی تھی وہاں اس نے ایک تہہ خانہ بنا رکھا تھا۔ ہر رات جب فرعون محوِ خواب ہوتا تو وہ اٹھتی اور اس تہہ خانہ میں جا بیٹھتی اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتی۔

ایک رات فرعون نیند سے بیدار ہوا۔آسیہ کو بستر پر نہ پا کر پریشان ہوا۔فوراً اس کی تلاش میں نکل پڑا۔اس نے اسے ایک تہہ خانہ میں بیٹھا پایا۔وہ چراغ پا ہوگیا اور کہنے لگا''تونہیں جانتی کہ میں لوگوں کا خدا ہوں۔''

آسیہ نے کہا''تیرے عیوب تیرے لباس کے سبب لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔تو مجھے کیوں مغالطہ میں رکھنا چاہتا ہے جبکہ تیرے عیوب مجھ پر ظاہر ہیں۔اگر تجھ کو ننگا کر دیا جائے تو کوئی بھی تیری بندگی قبول نہیں کرے گا، میں ہوش مند ہو کر تیری خدائی کیسے قبول کر سکتی ہوں۔''

(6) خدا پر ایمان

ایک زندیق نے حضرت جعفر بن محمد صادق رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا''تمھارے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا ہے؟''

جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا''کیا تم کبھی کشتی پر سوار ہوئے ہو؟۔''اس نے کہا''ایک بار کشتی میں سوار ہوا تھا۔اچانک کشتی ٹوٹ گئی اور میں تختہ پر آ گیا۔ایک موج کا تھپیڑا آیا اور میں اس تختہ سے نیچے آ رہا۔میں یونہی وسیع سمندر میں بہتا رہا یہاں تک کہ موج کا دوسرا تھپیڑا مجھے ساحل تک لے آیا۔''

جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا''اس وقت جب تم کشتی میں تھے،تمھارا اعتماد کشتی پر تھا اور جب تم تختہ پر تھے تمھارا اعتماد تختہ پر تھا اور جب تم تختہ سے گر پڑے تو تمھارا اعتماد کس پر تھا؟۔''

زندیق خاموش ہوگیا۔

جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا''تمھارا پیدا کرنے والا ہر جگہ موجود ہے۔اس وقت جب تم تختہ سے گر پڑے تھے تو تمھارا اعتماد اس خدا پر تھا اور تمھاری امید کی ڈور حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بندھی ہوئی تھی''۔وہ زندیق اسی لمحہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

(7) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام

''ادیان العرب'' نامی کتاب میں یہ روایت ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا''اگر تم کسی مصیبت

میں گرفتار ہو جاؤ تو اس مصیبت سے خلاصی کے لیے کس پر امید باندھو گے؟''۔عمران بن حصین رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''آسمان کے خدا پر۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تمھارا معبود و مسجود ایسا ہے تو پھر سوائے اس خدا کے اور کسی خدا کا کوئی وجود ممکن نہیں۔'' عمران خاموش ہو گیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

(8) خدائے واحد کی موجودگی

ایک روز امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ زندیقوں کی ایک جماعت آئی اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''مجھ سے ایک مسئلہ سنتے جاؤ اس کے بعد تمھیں جو کرنا ہے کرو''۔ ان لوگوں نے کہا ''وہ مسئلہ کیا ہے؟'' حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''میں نے ایک کشتی سمندر کے درمیان سے گزرتی ہوئی دیکھی جو مال واسباب سے بھری تھی۔ وہ کشتی بغیر کسی ملاح کے سمندر میں سیدھے چلی جا رہی تھی۔ تم بتاؤ یہ بات عقل کی کسوٹی پر کھری اترتی ہے یا نہیں؟''۔

تمام زندیقوں نے بہ یک زبان کہا ''نہیں یہ بالکل ناممکن ہے کیونکہ ملاح کے بغیر کشتی کے لیے سمندر پر سیدھے چلنا ممکن ہی نہیں''۔

حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''سبحان اللہ ! تمام افلاک اور ستاروں کی گردش اور عالم بالا و زیریں کا نظام ایک کشتی کے چلنے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جب یہ بات عقل کے دائرے میں نہیں سماتی کہ مال و اسباب سے بھری ایک کشتی بغیر کسی ملاح کے حرکت نہیں کر سکتی ہے تو پھر کسی ناظم و نگراں کے بغیر اتنی بڑی دنیا کا نظام کیوں کر چل سکتا ہے؟'' تمام لوگ خاموش ہو گئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

(9) خالق کائنات کی مصلحت

امام معظم شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایک بار ایک زندیق کے ساتھ مناظرہ کر رہے تھے۔ زندیق نے خالق کردگار کے سلسلے میں کہا ''جو بھی شے اس دنیا میں وجود میں آتی ہے اس کا تعلق قانون فطرت سے ہے۔''

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''میں نے شہتوت کے پتوں میں یہ خصوصیت دیکھی ہے کہ اس کے تمام پتے اپنی خاصیت ،فطرت اور ذائقے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں لیکن اگر اس پتے کو ریشم کا کیڑا کھا جائے تو وہ ابریشم بن جاتا ہے، اگر شہد کی مکھی کا خوراک بن جائے تو یہ شہد کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اگر آہوے تاتار اسے کھالے تو یہ مشک نافہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور اگر اسے بھیڑیا کھالے تو گوبر بن کر باہر آتا ہے۔ لہٰذا اس پتے کی فطرت اور خاصیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن جب یہی پتہ دوسری جگہ پہنچتا ہے تو اس سے ایک الگ قسم کی چیز حاصل ہوتی ہے۔معلوم یہ ہوا کہ یہ ساری باتیں مشیت ایزدی پر منحصر ہیں۔''

(10) مشیت ایزدی

زندیقوں کی ایک جماعت امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ مناظرہ کرنے لگی۔آپ نے دریافت کیا ''اولاد نرینہ کے سلسلے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟ کیا یہ کسی تدبیر سے پیدا ہوتی ہے؟''انھوں نے کہا ''یہ ماں باپ کی تدبیر سے پیدا ہوتی ہے''۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''جب ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا پیدا ہو تو لڑکی پیدا ہوتی ہے اور جب چاہتے ہیں کہ لڑکی پیدا ہو تو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یقیناً حوادث عالم کا ایسے خالق و ناظم کی مشیت پر مبنی ہونا کسی مخلوق کی مرضی پر مبنی ہونے سے بہتر ہے۔''

(11) قادر مطلق کی قدرت کاملہ

جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا ''ہمیں ذات حق تعالٰی کے وجود کی کوئی دلیل بتائیں۔''انھوں نے کہا ''میں نے ایک مضبوط و مستحکم قلعہ دیکھا جو دیکھنے میں اوپر سے پگھلی ہوئی چاندی اور اندر سے پگھلا ہوا سونا نظر آتا تھا۔اچانک قلعہ کی دیوار خراب ہوگئی اور اس کے اندر سے سونے اور چاندی کے مور نکل آئے۔ یہ بات قادر مطلق کی مدد کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوسکتی۔ اس قلعہ سے مراد انڈے کا قلعہ ہے۔خداوند کریم نے اسے خالص

سونے کو چاندی کے برتن میں سفید رنگ کے غلاف سے ڈھک دیا ہے اور اسے ہماری مسرت کا سبب بنایا ہے تا کہ یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل بن جائے۔''

(12) حکمت خداوندی

ہارون رشید نے حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ سے خداوند کریم کے بارے میں دلیل فراہم کرنے کو کہا تا کہ ان کے یقین میں اضافہ ہو اور بے دین زندیقوں کی نفی کی جا سکے۔

مالک رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''خالق کائنات کے وجود کے بارے میں بہت سارے واضح دلائل موجود ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ثبوت کے طور پر عرض یہ ہے کو انسان کا چہرہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس چھوٹے سے چہرے پر دو آنکھیں اپنی جگہ معین ہوتی ہیں۔ ناک کا اپنا ایک خاص مقام ہوتا ہے اور منہ بھی معینہ مقام پر ہی ہے۔اگر چہ چہرہ بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے لیکن ہر عضو جو اس پر نظر آتا ہے اپنے صحیح مقام پر موجود ہوتا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے دنیا میں ایک شخص کا چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا۔ لہٰذا چہرے کے اس چھوٹے سے حصہ کے اندر ہزاروں اختلافات کا ہونا حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کا واضح ثبوت ہے۔جس طرح لوگوں کا چہرہ ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتا اسی طرح آواز اور انداز گفتگو بھی مختلف ہوتے ہیں۔

الغرض یہ پتہ چلا کہ وہی ایک ایسا مصور ہے جو اس بات پہ قادر ہے کہ ہر فرد کو ایک مختلف شکل وصورت کے ساتھ پیدا کرے۔''

(13) خالق کائنات کی ہستی کی دلیل

ایک زرتشت نے ایک اعرابی سے دریافت کیا ''خالق مطلق کی ہستی سے متعلق تمھارے پاس کیا دلیل ہے؟'' اعرابی نے کہا ''اگر پڑی ہوئی غلاظت بھاگتے ہوئے اونٹ کے وجود کی اور اس کے قدموں کے نشان چلتے ہوئے اونٹ کے وجود کی دلیلیں ہوسکتی ہیں تو کیا آسمان کی برجیں، زمین کی پہنائیاں اور دریاؤں کے امواج اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ ہی خالق کائنات اور قادر مطلق ہے۔''

(14) خدا قانون فطرت کا محتاج نہیں

ایک طبیب کا ایک زرتشت کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ زرتشت نے مسلمان طبیب سے کہا ''تم تو جانتے ہی ہو کہ ہر کام کا دارومدار قانون فطرت پر ہے۔''

مسلمان طبیب نے کہا'' مجھے دو باتیں راہ حق کی طرف لے جاتی ہیں ۔ ایک یہ کہ شہد کی مکھی کے جسم کے اندر شہد تریاک کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ اس کے جڑ میں یہ زہر ہوتا ہے اور پھر تریاک کا زہر کے ساتھ اور لطف کا قہر کے ساتھ امتزاج ہو جاتا ہے ۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ فطرت متضاد عمل نہیں کر سکتی ۔ لہٰذا ایک ایسا قادر مطلق کا موجود ہونا لازمی ہے جس کے تابع ساری خلقت ہو ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ہلیلہ [1] جو سرد اور خشک ہے دست لاتا ہے لیکن کتیرا [2] جو نرم ہے قبض پیدا کرتا ہے ۔ لہٰذا میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان احوال سر بستہ کو وجود میں لانے والا وہی قادر مطلق ہے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے جو چاہا کیا اور جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔''

(15) خدا کی ہستی کا بین ثبوت

جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ صانع مطلق کی ہستی کی دلیل کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا'' اس کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت تو خود میری ہی ذات ہے کیونکہ اگر میری ہستی کا تعلق صرف میری ذات سے ہے تو ایسے میں دو باتیں لازمی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ میں نے خود کو اس وقت پیدا کیا جب کہ میں موجود تھا اور دوسری یہ کہ میں نے خود کو اس وقت پیدا کیا جب میں موجود نہ تھا ۔ اگر تم کہتے ہو کہ جب میں نے خود کو اس وقت پیدا کیا جب میری ہستی موجود تھی، تو یہ ناممکن ہے کیونکہ جو موجود ہے اس کو پیدا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ میں نے خود کو اس وقت پیدا کیا جب میری ہستی کا کوئی وجود نہ تھا تو یہ بھی ممکن نہیں ۔ کیونکہ عدم سے کسی چیز کو وجود میں لانا محال ہے ۔ جب یہ دونوں باتیں باطل ثابت ہوئیں تو معلوم ہوا کہ مجھے کسی ہستی نے پیدا کیا ہے جس کا معدوم ہونا محال ہے ۔''

(16) خدا، اول بھی ہے آخر بھی

حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ'' آپ نے کیا خدا کو دیکھا یا پہچانا ہے؟'' انھوں نے کہا'' میں ایسے خدا کو نہیں پوجتا جسے میں نے دیکھا ہی نہ ہو۔''

لوگوں نے دریافت کیا'' آپ نے خدا کو کیسے دیکھا؟'' انھوں نے فرمایا'' میں نے خدا کو تو ان دو آنکھوں سے تو نہیں دیکھا لیکن حجت و برہان کے راستوں اور اپنے دل کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔''

لوگوں نے کہا'' ہمارے لیے اپنے معبود کی صفت بیان کریں''۔ انھوں نے فرمایا'' میرے خدا کی رحمت لطیف ہے۔ اس کی عظمت کا کوئی حد ہے نہ حساب۔ وہ بے انتہا جلال کا مالک ہے۔ اس کی ہستی تمام دوسری چیزوں سے قبل موجود تھی اور دوسری تمام چیزیں اس سے قبل وجود میں نہیں آئیں۔ اسی وجہ سے وہ ہر شئے کی بربادی کے بعد بھی باقی رہے گا۔ اس کی ہستی کے سوا کوئی ہستی باقی نہیں رہے گی۔ اس کا ظاہری حسن، وہم و گمان سے بالاتر ہے۔ اس کے باطن تک رسائی ممکن نہیں۔ وہ سننے والا ہے پر کان سے نہیں، دیکھنے والا ہے پر آنکھوں سے نہیں۔ اس کی صفات کا بیان ممکن نہیں، اسے کبھی نیند نہیں آتی، وہ قدیم بھی ہے اور ازلی بھی۔ اسے دوام حاصل ہے۔ اس کی ابدیت عین ازلیت ہے۔'' اس کے بعد فرمایا'' جو گھر کا خالق ہے اسے گھر کی حاجت نہیں اور جو کیفیت اور کمیت کا پیدا کرنے والا ہے وہ کیفیت و کمیت سے بے نیاز ہے۔''

(17) معرفت الٰہی

ذوالنون مصری سے لوگوں نے پوچھا'' خدا کو آپ نے کیسے پہچانا؟'' انھوں نے فرمایا '' خدا کو میں نے خدا کے ذریعہ پہچانا۔'' کہنے کا مقصد یہ تھا کہ انھوں نے خدا کو اس کی ہدایت کے سبب پہچانا۔ اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے '' خدا کی قسم! اگر خدا نہ ہوتا تو ہمارا دل ہرگز معرفت کے علم سے آراستہ نہ ہوتا اور ہمارے اعضا بندگی کے زیور سے پیراستہ نہ ہوتے۔''

(18) ذات باری تعالیٰ کی صناعی

ایک آدمی درخت کے سایہ میں سو رہا تھا۔ اچانک اس درخت کا ایک پتہ اس کے چہرے پر آگرا۔ اس نے پتے کو اٹھایا اور متعجب ہوکر کہا ''کون ہے جو درخت کے پتے کا خالق ہے؟'' اچانک درخت کا دوسرا پتہ بھی آگرا، اس پر لکھا تھا ''پتہ کو اسی ذات باری تعالیٰ نے اگایا ہے جس نے تیرے چہرے پر چربی کے ٹکڑے کو دیکھنے کی قوت عطا کی ہے۔''

(19) وزیر کا مدلل جواب

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جو ملحد تھا اور زندیقوں سے بڑی الفت رکھتا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا جو دانا بھی تھا اور مسلمان بھی۔ وزیر چاہتا تھا کہ بادشاہ کو ضلالت و گمراہی سے باز رکھے۔ اس کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر سال وہ بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کرتا۔ ایک بار وزیر نے بادشاہ سے کہا'' جہاں پناہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کی دعوت کا اہتمام ایسی جگہ کروں جو بے آب و گیاہ ہو۔''

بادشاہ نے کہا'' آخر مہمانی کے لیے یہ کون سی جگہ ہے؟'' وزیر نے کہا'' جہاں پناہ! اس جگہ بے شمار خوبصورت باغات ، بہتے ہوئے پانی کے چشمے اور بلند و بالا عمارتیں وجود میں آچکی ہیں اور وہ بھی بغیر کسی تعمیری کام کے۔'' بادشاہ ہنسا اور کہنے لگا'' کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ تمھاری عقل میں یہ بات کیسے آئی کہ عمارت بغیر کسی صانع کے وجود میں آسکتی ہے۔''

وزیر نے کہا'' جب ایک چھوٹی سی عمارت کی تعمیر اس کے صانع کے بغیر ممکن نہیں تو پھر کل کائنات اور وہ بھی تمام عجائب و غرائب کے ساتھ کسی خالق و صانع کے بغیر کیونکر وجود میں آسکتی ہے۔'' بادشاہ کو اسی لمحہ ہدایت کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(20) حکمت خداوندی: عیوب سے بالاتر

ایک بار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا ''کیا آفتاب غروب ہو گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا ''نہیں ..... ہاں.....'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' یہ کیا بات ہوئی، نہیں.... ہاں؟'' جبریل علیہ السلام نے فرمایا'' میرے نہیں اور ہاں کہنے کے درمیان آفتاب نے پانچ سو سال کا سفر طے کر لیا ہے۔''

جب ایک عاقل شخص آسمان میں موجود ستاروں کی وسعت و بزرگی پر غور وفکر کرتا ہے تو وہ ان کی سرعت پر بھی غور وفکر کرتا ہے۔ پھر اس کی عقل سلیم گواہی دیتی ہے کہ یہ دائمی نظم اور عجیب سی ترتیب خدا کی حکمت وصناعی کے سبب سے ہے اور اس کی حکمت ہر عیب سے پاک ہے۔

(21) انسان کی بے بسی

امام معظم شافعی رحمتہ اللہ علیہ ایک بادشاہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ اس بادشاہ کو نیند آنے لگی جب جب وہ محوخواب ہوتا ایک مکھی آکر اس کے چہرے پر بیٹھ جاتی۔ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر تھپڑ مارا۔ پھر امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا'' آخر مکھی کی پیدائش میں خدا کی کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟''

انھوں نے جواب دیا'' اس خالق کائنات نے مکھی کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ جب لوگ اپنی قوت وعظمت کا دعویٰ کریں تو وہ ان کی بے بسی کو ان کے سامنے واضح ونمایاں کر دے۔''

(22) مسلمان عالم اور نصرانی عالم کے درمیان مناظرہ

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک عالم دین جنگ روم میں شریک تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ وہ لوگ انھیں اپنے وطن لے گئے۔ وہ ان کے درمیان رہنے لگے۔ ایک روز انھوں نے اس نصرانی کو جس کی نگرانی میں وہ تھے علی الصباح اپنے گھر سے باہر نکلتے اور کلیسا کی طرف دوڑتے دیکھا۔ اس نے خادموں سے اس کا حال

دریافت کیا۔لوگوں نے کہا ''ایک نصرانی عالم آئے ہوئے ہیں اور یہاں انھوں نے ایک یہودی عالم سے ملاقات کی ہے۔آج وہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب فرمائیں گے اور رشد و ہدایت کی باتیں کریں گے۔''

وہ عالم بھی ان کے ساتھ اس نصرانی کی مجلس وعظ میں شرکت کی غرض سے کلیسا پہنچے اور ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ہیبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کے سبب اس نصرانی عالم کی زبان گنگ ہوگئی۔اس نے بڑی کوشش کی کہ کچھ کہے لیکن کہہ نہ سکا۔اس نے کہا ''شاید اس مجمع میں کوئی محمدی ہے جس کا جلال میری اس تقریر میں مانع ہو رہا ہے۔''اس نے قسم دی کہ اگر کوئی مسلمان اس مجمع میں موجود ہے تو میں محمد صلی اللہ علیہ السلام بن عبداللہ کی قسم دیتا ہوں وہ سامنے آئے۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ محفوظ رہے گا۔ وہ مسلمان عالم دین یہ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے'' آپ نے بڑی قسم دے دی جس کی حرمت کی خاطر مجھے خود کو ظاہر کرنا پڑا۔''

اس نصرانی عالم نے کہا'' میں تم سے تین سوال پوچھوں گا اور امید ہے کہ تم اپنی عقل اور علم کے عین مطابق ان سوالوں کا جواب دو گے''۔مسلمان عالم نے کہا'' آپ دریافت کریں''۔ نصرانی عالم نے کہا'' پہلا سوال: سنا ہے کہ بہشت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔ بہشت کا کوئی بھی محل ایسا نہیں ہے جس تک اس درخت کی شاخوں کا سایہ نہ پہنچتا ہو۔اب تم یہ بتاؤ کہ دنیا میں اس کی نظیر کیا ہے؟'' اس عالم نے کہا'' دنیا میں اس کی نظیر موجود ہے اور وہ ہے آفتاب۔جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ساری دنیا کی عمارتوں کے طاق، چھت اور کھڑکیاں وغیرہ اس کی روشنی سے معمور ہو جاتے ہیں اور اس کی کرنوں سے مستفیض ہوتے ہیں''۔اس نے کہا ''تم نے بہت صحیح جواب دیا۔''

نصرانی عالم نے کہا میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ'' ہم نے علما سے سنا اور آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ بہشت میں خدائے تعالیٰ نے اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں کی ضیافت کے لیے انواع و اقسام کی غذائیں اور مشروبات مہیا کر رکھی ہیں۔جب وہ اس مقام پر پہنچیں گے تو وہ کھائیں گے پئیں گے اور ان کے ہاضمہ میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا اور نہ ہی بیت الخلا کی حاجت ہوگی۔دنیا میں اس کی نظیر کیا ہے؟''

اس مسلمان عالم نے جواب دیا ''جب جنین یعنی چھوٹا بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اس وقت ماں جو کچھ کھاتی ہے اللہ تعالیٰ ناف کے راستے سے اس بچہ کو خوراک فراہم کرتا ہے اور اسے ہضم کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ کیا اللہ نے اس کے مدخل کو جائے خروج نہیں بنایا؟''

نصرانی نے کہا ''آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ اب میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ''جنت کے کتنے دروازے ہیں اور جہنم کے کتنے دروازے ہیں؟'' مسلمان عالم نے جواب دیا ''میں نے یوں سنا ہے کہ ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور دوزخ کے سات ہیں کیونکہ دوزخ کے دروازوں کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں بیاں فرماتا ہے لها سبعة ابواب لكل باب منهم جزء مقسوم یعنی جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے (سورہ الحجر، آیت 44)۔ بہشت اللہ کی رحمت کا مظہر ہے جبکہ دوزخ اس کے قہر کا۔ لہٰذا اس نے اپنی رحمتوں ہی کا مظاہرہ زیادہ کیا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔'' نصرانی نے کہا ''تمھارا جواب صحیح ہے۔''

مسلمان عالم نے کہا ''میں نے آپ کے تین سوالوں کے جواب دیے۔ اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب مرحمت فرمائیں تو یہ انصاف کے رو سے بیجا نہ ہوگا۔'' نصرانی عالم نے کہا ''پوچھو کیا پوچھتے ہو؟'' مسلمان عالم نے پوچھا ''جب یہ واضح ہو گیا کہ بہشت کے آٹھ دروازے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ بہشت کے دروازوں پر کیا لکھا ہے۔''

نصرانی عالم ساکت و جامد ہوگیا۔ مجمع نے کہا ''اب آپ جواب دیں'' نصرانی نے کہا ''میں ایک شرط پر جواب دوں گا اور وہ یہ ہے کہ سامعین حضرات میری موافقت کریں اور یقین جانیں''۔ لوگوں نے حامی بھری۔ نصرانی نے کہا ''انجیل میں درج ہے کہ بہشت کے دروازوں پر کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا ہے۔'' جب نصرانی نے یہ بات کہی تو سارا مجمع اس خالق حقیقی کی ہدایت و برکت سے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

(23) ایفائے عہد

کہتے ہیں کہ ایک دن حجاج بن یوسف خارجیوں کے ایک گروہ کو سزا سنا رہا تھا۔ اچانک

اذان کی آواز آئی ۔اس وقت ایک شخص کا فیصلہ باقی تھا۔حجاج نے عنبسہ نامی ایک شخص سے مخاطب ہوکر کہا ''اس شخص کو آج رات لے جاؤ اور اس پر نگاہ رکھو۔کل صبح حاضر کروتا کہ اس کو سزا سنائی جا سکے'' ۔عنبسہ کہتا ہے کہ جب میں اس شخص کو اپنے ساتھ اپنے گھر کی جانب لے جارہا تھا تو وہ کہنے لگا'' کیا میں تم سے کسی خیر کی امید کروں؟'' میں نے کہا''ہاں،اگر اللہ کی توفیق میسر ہوتو میں خیر کے راستے پر گامزن ہوسکتا ہوں ۔''

اس شخص نے کہا''خدا کی قسم میں نے آج تک کسی مسلمان سے تعرض نہیں کیا اور نہ ہی جنگ کی ہے اور جو الزامات مجھ پر لگائے گئے ہیں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ۔لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ کا حکم اٹل ہے لیکن اس میں عفو ودرگذر بھی شامل ہے۔اللہ بے گناہوں کو سزا نہیں دیتا اور میرے نزدیک کسی کے احسان کو فراموش کر دینا جرم ہے۔اگر آپ مجھ پر احسان کریں اور مجھے رہا کر دیں تو میں اپنے گھر جا کر بچوں کو الوداع کہوں،وصیت کروں،مستحقین کے حقوق کی ادائیگی کروں اور پھر کل علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں ۔مجھ پر آپ کا یہ زبردست احسان ہوگا۔''

مجھے ہنسی آ گئی اور میں خاموش رہا۔پھر اس نے دوسری بار وہی باتیں دہرائیں۔میرے دل میں آیا کہ اسے رہا کردوں اور اللہ پر بھروسہ رکھوں۔شاید وہ واپس آجائے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حجاج کو اس کی یاد ہی نہ آئے ۔میں نے اس سے کہا'' جاؤ لیکن وعدہ کرو کہ کل علی الصباح تم واپس آ جاؤ گے ۔'' اس شخص نے کہا ''میں کل صبح ضرور واپس آجاؤں گا اور میں اپنے اس عہد پر خدا کو گواہ بناتا ہوں۔''

لہٰذا میں نے اس شخص کو رہا کردیا تا کہ وہ چلا جائے یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ پھر میں سوچنے لگا''یہ میں نے کیا کیا؟اس طرح تو میں نے حجاج کے احکام کی خلاف ورزی کی۔''

میں یاس وغم میں ڈوبا گھر آیا اور اہل خانہ سے ساری باتیں بیان کیں ۔ان کی لعنت ملامت نے مجھے اور بھی غمزدہ کر دیا۔میں نے وہ رات اس طرح گزاری جیسے کسی سانپ نے مجھے کاٹ کھایا ہو۔یہاں تک کہ صبح کا سورج طلوع ہوگیا۔میں نے دیکھا کہ وہ شخص آرہا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی ۔میں بول اٹھا''اے جواں مرد تو نے یہ کیا کیا؟'' اس نے کہا'' ہاں

جس کو حق تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے اور وہ کسی معاملہ میں خدا کو گواہ بناتا ہو، اسے چاہیے کو وہ عہد شکنی نہ کرے۔''

الغرض میں نے اسے حجاج کے سامنے حاضر کیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حجاج نے پوچھا ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس شخص کو تمھارے حوالے کر دوں۔'' میں نے کہا ''اگر آپ ایسا کریں تو آپ کا کرم ہوگا کیونکہ میں تو آپ کا ممنون رہا ہوں''۔ لہٰذا حجاج نے اس شخص کو میرے حوالے کیا اور میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ شخص چلا گیا۔ چلتے چلتے اس نے نہ میری اس نیکی کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی معذرت پیش کی۔ میں اس سے کافی رنجیدہ ہوا۔ میں سوچنے لگا شاید وہ کوئی دیوانہ تھا جو اس طرح چلا گیا۔

دوسرے دن وہ شخص پھر آیا اور بڑی معذرت کی اور کہا ''گذشتہ کل میں نے تمھاری کرم فرمائی کا شکریہ ادا نہیں کیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمھاری شکرگزاری شکر گزاری کے ساتھ خداوند قدوس کی شکرگزاری کو شریک رکھوں۔ لہٰذا میں نے کل صرف حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور آج میں تمھارے پاس آیا ہوں تا کہ تمھاری اس نیکی کا شکریہ ادا کروں۔'' یہ کہہ کر اس نے مجھ سے معذرت طلب کی اور رخصت ہوا۔

(24) ہشام بن عبدالملک کی حق پرستی

جب ہشام بن عبدالملک کی خلافت کا زمانہ آیا تو اس کے اعمال حسنہ سارے عالم میں مشہور ہو گئے۔ اس کے عہد خلافت میں غیلان قدری نامی ایک شخص نے لوگوں کو مذہب معتزلہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ وہ کہتا تھا ''میں اپنے اعمال کا خالق ہوں اور نیکی و بدی کا تعلق حق تعالیٰ کے فیصلہ پر نہیں بلکہ میری قدرت پر ہے۔'' ہشام نے احکام جاری کیے۔ ملک شام کے علما جمع ہوئے اور غیلان کو حاضر کیا گیا۔ ہشام نے خود اس کے ساتھ مناظرہ کیا۔

غیلان سے پوچھا گیا ''کیا تم یہ کہتے ہو کہ خدائے عزوجل اس بات پہ راضی ہے کہ اس کا بندہ کافر ہو اور گناہ کا ارتکاب کرتا رہے؟'' غیلان نے کہا ''نہیں، کیونکہ اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں۔'' (سورہ الزمر، آیت 7)

ہشام نے کہا ''اگر خداوند تعالیٰ کافروں کے کفر اور گناہ گاروں کے گناہ سے خوش نہیں ہے تو یہ ثابت ہوا کہ لوگ اس کی رضا مندی کے بغیر کفر و شرک میں مبتلا ہیں ۔ اگر وہ ان کاموں سے ان کو دور نہیں رکھ سکتا ہے تو وہ مجبور ہے اور اگر وہ اس کو دور رکھنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن ایسا نہیں کرتا تو وہ راضی ہے'' ۔غیلان یہ سن کر سکتہ میں آ گیا ۔ ہشام نے کہا ''اے غیلان جواب دے ۔'' اس نے کہا کہ ''میں دس روز کے اندر جواب دوں گا ۔'' ہشام نے کہا ''خدا مجھے ایک روز کی بھی مہلت نہ دے اگر میں تجھے ایک روز کی بھی مہلت دوں ۔''

ہشام نے سزا سنائی اور اس کے پیر کاٹ دیے گئے ، زبان نکال لی گئی اور پیٹ پھاڑ ڈالے گئے ۔ اس طرح اس نے مذہب سنت و الجماعت کی نصرت کی اور مسلمانوں کا محبوب بن گیا ۔ اس کی خلافت اور مستحکم ہو گئی ۔ یہی وجہ ہے کہ بنی مروان کے علاوہ کوئی بھی خلیفہ اس درجہ کو نہیں پہنچا ۔

(25) ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ کا بیان توحید

ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ جب بھی وعظ کرتے اللہ کی توحید اور پاکی خوب بیان کرتے ۔ جب ان کی موت ہو گئی تو ایک صدیق نے انھیں خواب میں دیکھا اور دریافت کیا ''اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ ۔'' انھوں نے کہا ''مجھ سے سوال کیا گیا کہ تم کیا لائے ہو ۔'' میں نے کہا ''یا الٰہی ! تو جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کے سامنے تیری توحید بیان کی'' ۔حکم باری تعالیٰ صادر ہوا کہ نور کا منبر لایا جائے ۔ مجھے یہ حکم ہوا کہ میں اس منبر پر اس کی توحید اور پاکی بیان کروں ۔ جب میں نے بیان شروع کیا تو فرشتے بھی وعظ سننے کی غرض سے جمع ہو گئے ۔

(26) ایک زندیق کا قبول اسلام

بنو عباسیہ کے پہلے خلیفہ امیر المومنین عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے عہد خلافت میں ایک زندیق نے یہ دعویٰ کیا کہ دنیا کے دو خدا ہیں ۔ ایک خدا نیکی اور مسرت کا خالق ہے اور دوسرا برائی اور غم کا ۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ دنیا میں خیر بھی ہے شر بھی ، امن بھی ہے

فساد بھی۔ اگر دنیا میں ایک خدا ہوتا تو وہ خیر کا بھی خدا ہوتا اور شر کا بھی، وہ نیکو کار بھی ہوتا اور بدکار بھی اور یہ بھی حکمت سے خالی ہے کہ کسی نیک کردار شخص سے برے کاموں کا ظہور ہو۔ لہٰذا دو خدا کا ہونا لازمی ٹھہرا، تاکہ ایک خیر کا خالق ہو اور دوسرا شر کا۔

زندیق کی باتیں سن کر لوگ خدا کی وحدانیت کے سلسلے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کی خبر امیر المومنین کو ہوئی۔ انھوں نے علما کو جمع کیا اور اس زندیق کو بھی بلایا۔ امیر المومنین نے علما سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ شخص اس طرح کی باتیں کرتا ہے، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' علما نے کہا ''اس کی سزا قتل ہے۔''

امیر المومنین بڑے ذی فہم تھے۔ انھوں نے کہا ''اس شخص نے لوگوں کے درمیان شک وشبہ کا ماحول پیدا کیا ہے اور وہ سارے شبہات لوگوں کے کانوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر میں اسے قتل کر دیتا ہوں تو لوگ حتماً مرتد ہو جائیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی سرزمین پر تیرہ سال تک ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ جب چودھواں سال آیا تو قتال کی آیت نازل ہوئی اور آپ اس کے ساتھ مباحثہ کیے بغیر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے؟ یہ بات قرین مصلحت نہیں۔''

لہٰذا امیر المومنین نے اس زندیق سے کہا ''تم یہ کہتے ہو کہ خدا دو ہیں: ایک خیر کا خدا اور دوسرا شر کا۔ خیر کا خدا برائی کے خدا کو بدکرداری سے روک سکتا ہے یا نہیں؟'' اگر ایسا نہیں کر سکتا ہے تو پھر عاجز ہے۔ اور اگر وہ اسے شر سے باز رکھتا ہے تو اس نے ایسا کیا یا نہیں؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس نے اسے باز رکھا تو ایسی صورت میں دوسرا خدا عاجز ہوا۔ اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ اس نے باوجود اپنی قدرت کے دوسرے خدا کو باز نہیں رکھا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ خدا دوسرے خدا کی برائی و بدخوئی سے راضی ہو گیا اور بدی سے راضی ہونا بذات خود بدی میں شامل ہونے کے مترادف ہے، جیسا کہ کفر سے راضی ہونا عین کفر ہے۔ پس یہ واضح ہو گیا کہ اللہ ایک ہی ہے اور خیر اور شر دونوں کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے۔''

زندیق نے جب یہ بحث سنی تو فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس خلیفہ کے ایمان کی برکت کے طفیل عوام الناس کو گمراہی وضلالت سے نجات ملی۔

(27) بخت آزما اور نصرت خداوندی

کہتے ہیں کہ جو کوئی ملک مصر میں قیام کرتا ہے وہ فرعون کی مانند کبر ونخوت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا جسے لوگ ''بخت آزما'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ ظلم و جبر روا رکھتا اور خدا بیزاری میں مشغول رہتا۔

ایک دفعہ تاجروں کی ایک جماعت نے اس سے کہا ''ہم لوگ روم سے مصر کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں تمھارے ملک کے فلاں مقام پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے ہمارا راستہ روکا اور ہمارے سارے مال و اسباب لوٹ لیے۔'' بادشاہ کافی رنجیدہ اور پریشان ہوا۔ درباریوں سے پوچھا ''اس کارواں کو آخر کس نے لوٹا ہوگا؟''

لوگوں نے کہا '' فلاں صحرا میں جو کہ تقریباً پچاس فرسنگ کی دوری پر واقع ہے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ وہاں چالیس افراد قیام کرتے ہیں جو دلیری و جواں مردی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کا رہبر و پیشوا کا نام سالوح ہے۔ اس کی بہادری کی داستانیں پہلوانوں کے درمیان بہت مشہور ہیں۔ اس نے اسفندیار کو ایک حملے میں سفید کپڑے کی مانند آتش میں جھونک دیا تھا۔ ایک عرصے سے وہ لوگ اسی قلعہ میں رہتے ہیں اور رہزنی کے سبب لوگوں کو کافی اذیت پہنچاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مال و اسباب چھین لیتے ہیں۔ صحرا میں پانی کی قلت اور قلعہ کے استحکام کے پیش نظر کوئی ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا۔''

بخت آزما نے وزیر کو حکم دیا کہ وہ ایک لشکر لے جائے اور ان کے سر کاٹ لائے تا کہ اس شر کا خاتمہ ہو۔'' وزیر نے کہا '' آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی بشرطیکہ خدائے عز وجل ہماری نصرت فرمائے۔'' بادشاہ بخت آزما سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا ''یہ کیا مجبوری کی باتیں ہیں۔ اگر خدا نہ بھی چاہے تو کیا ہوا، میں تو چاہتا ہوں۔ چوروں کے ایک معمولی گروہ کو قابو میں کرنا کون سی بڑی بات ہے جو تم اس مہم کی کامیابی کو نصرت خداوندی پر محمول کر رہے ہو۔''

وزیر نے کہا ''جہاں پناہ! اس سرزمین پر ایک پتہ بھی امر الٰہی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ نصرت خداوندی کو لشکر جرار کی ضرورت نہیں۔ مشیت ایزدی کو ہمارے کاموں میں بڑا دخل ہے۔''

بخت آزما غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور وزیر کی گرفتاری کا پروانہ جاری کر دیا۔ وزیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ اس نے اعلان کیا ''اب میں جا رہا ہوں۔ اسے جلد ہی پا بہ زنجیر کر کے یہاں لاؤں گا اور سزا دوں گا۔ اگر خدا کی نصرت نہ ہوئی تب بھی کوئی حرج نہیں۔''

جب وہ لشکر جرار لے کر سالوح کے قلعہ کے دروازے پر پہنچا تو سالوح نے دوستوں سے کہا ''اے بھائیو! اب کوئی راہ فرار نہیں۔ اگر ہم اپنے دست و پا کو حرکت نہ دیں اور کوشش نہ کریں تو عورتوں کی طرح مارے جائیں گے۔ ہماری عقلمندی اس بات میں ہے کہ ہم اللہ کی پناہ اور ایمان پر بھروسہ رکھیں، متحد ہو کر باہر نکلیں اور دشمن پر حملہ کر دیں۔ اگر ہم خدا کے فضل کے سہارے کامیاب ہوتے ہیں تو کوئی حیرانی کی بات نہیں اور اگر مارے جاتے ہیں تو پھر اسے اپنی غلطیوں کا ثمرہ سمجھیں۔''

لہٰذا وہ حملہ کی غرض سے باہر آئے اور اچانک ہلہ بول دیا۔ اس حملہ میں بخت آزما کا لشکر بری طرح بکھر کر رہ گیا اور اس کی شیخیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ بخت آزما نے زوردار آواز میں اپنی فوج کو للکارا ''تم کو مٹھی بھر چوروں کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے شرم نہیں آتی؟'' کسی نے بھی اس کی آواز پر دھیان نہیں دیا۔

بخت آزما کو یقین ہو گیا کہ اس کے لشکر میں بھگدڑ مچنے والی ہے۔ وہ خود کو شکست خوردہ محسوس کرنے لگا اور اس نے لشکر سے جدا ہو کر جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ اس کی نظر ایک عبادت خانہ پر پڑی اور وہ اندر جا کر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گیا۔ کہنے لگا ''اے خدا! میں جانتا تھا کہ تیری مدد و اعانت کے بغیر سارے امیر مجبور محض ہیں اور تیری توفیق و نصرت کے ساتھ ساری لومڑیاں شیر کی مانند ہیں۔''

وہ چالیس دنوں تک روتا رہا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا رہا۔ چالیس دنوں کے بعد ایک غیبی آواز آئی ''اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔ اب تو اپنے ملک کی طرف کوچ کر۔'' بخت آزما اللہ سے مدد کی بھیک مانگتا ہوا مصر کی طرف روانہ ہوا۔

بخت آزما مصر پر حکمرانی کر چکا تھا۔ جب یہ خبر گرم ہوئی کہ بخت آزما واپس آ رہا ہے تو سپہ سالار نے بڑھ کر بادشاہ کا خیر مقدم کیا اور بصد اعزاز و اکرام تخت شاہی پر بٹھایا۔ بخت آزما نے

تمام رعایا کی دعوت کی اور کہا'' آپ لوگ جانتے ہیں کہ میری قوت وعظمت نے مجھے مغرور بنا دیا تھا اور میں اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے لشکر اور خزانے پر بھروسہ کرنے لگا تھا۔ آخر کار میرا جو ہونا تھا سو ہوا۔ خداوند قدوس کے کرم سے مجھے ہدایت ملی ہے۔ آج سے آپ لوگ مجھے خدا شناس بلائیں نہ کہ بخت آزما۔ اور یقین جانیں کہ جو کوئی بھی خدا کو پہچانتا ہے، وہ اس کے لطف کرم پر ہی بھروسہ کرتا ہے۔ اور ہر معاملے میں کامیاب وکامران ہوتا ہے۔''

(28) اللہ کی نصرت ومدد

شہر بغداد میں ایک شخص رہتا تھا۔ وہ اپنی بد اعتقادی کی وجہ سے مشہور تھا۔ ایک دن وہ مجلس میں بیٹھا صبح سے شام تک شراب پیتا رہا اور خدا کو برا بھلا کہتا رہا۔ نماز مغرب کے وقت اس کے میزبان نے مجلس برخاست کی اور اس شخص کو الوداع کہنے کے لیے دروازے تک آیا اور کہنے لگا'' اب خدا تمھاری نگہبانی کرے!''

اس شخص نے کہا'' میں تو گھر جا رہا ہوں اور راستے میں مجھے خدا کی نگہبانی کی ضرورت نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا پاؤں خچر کی زین پر رکھا تا کہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ جائے۔ ایک پاؤں اس کا رکاب پر تھا اور دوسرا پاؤں ابھی رکاب پر نہ رکھ پایا تھا کہ اس کا خچر دوڑ پڑا اور وہ شخص زمین پر آ رہا۔ چونکہ ایک پاؤں رکاب میں پھنس چکا تھا، خچر کے کودنے کے سبب اس کا سر زمین سے کئی بار ٹکرایا اور اس کا سارا جسم پاش پاش ہو گیا۔

عقلمندوں کے لیے یہ کہانی سبق آموز ہے۔ ہم سب کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ کی نصرت و مدد کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔

(29) غرور کا سر نیچا

دیار مغرب میں ایک کاتب رہتا تھا جو اپنی کتابت و خطاطی کے لیے کافی مشہور تھا۔ ایک بار اس نے نہایت ہی باریک خط میں ایک کتاب تحریر کی۔ جب لوگوں نے دیکھا تو عش عش کر اٹھے۔

ایک عالم نے اس سے دریافت کیا'' تم نے یہ کتاب کتنے دنوں میں تحریر کی۔'' اس نے طنزاً کہا: فی ستتہ ایام وما مسنا من لغوب میں نے یہ کام چھ دنوں میں انجام دیا اور مجھے تکان نے چھوا تک نہیں (سورہ ق، آیت 38)۔ اسی لمحہ اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔

(30) اللہ کی بے نیازی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا'' تم بنی اسرائیل کے حالات و واقعات کو بیان کیا کرو۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ان کے عہد میں چند عجیب واقعات پیش آئے ہیں جو کسی دوسری قوم کی تاریخ میں موجود نہیں۔'' ان ہی واقعات میں سے ایک نادر واقعہ یہ ہے۔

کہتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک زاہد و عابد شخص تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی حق تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کردی تھی۔ اس نے صحرا میں ایک گرجا کی بنیاد ڈالی اور رات دن اس گرجا میں گوشہ نشین ہوکر یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ اس کے گھر میں ایک بیٹی تھی جو نہایت ہی پاکدامن اور خوبصورت تھی لیکن اب تک کنواری تھی۔

ایک روز زاہد اپنے گرجا سے باہر آیا اور قبروں کی زیارت کی غرض سے قبرستان گیا۔ اس کی نظریں پرانی اور بوسیدہ ہڈیوں پر پڑیں۔ وہ ان ہڈیوں کو دیکھ کر رونے لگا۔ پھر اس نے ایک بوسیدہ ہڈی اپنے ہاتھ میں لی اور کہنے لگا'' اللہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا۔''

وہ اس فکر میں ڈوبا، اس ہڈی کو ہاتھوں میں لیے اپنے گرجا کی طرف آیا۔ اس ہڈی کو گرجا کے دروازے پر ہی پھینک کر، گرجا کے اندر چلا گیا۔ اچانک بادل گھر آئے اور بارش ہونے لگی۔ تین دنوں تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ زمین پانی سے بھر گئی اور وہ بوسیدہ ہڈی بارش کے سبب زمین میں دفن ہوگئی۔ ہوا نے اس کی بعض رطوبتوں کو جمع کیا اور زمین نے اس کے بعض اجزا کو یکجا کر دیا۔ اس ہڈی سے ایک درخت وجود میں آیا جس کی شاخیں کافی بلند تھیں اور جس کے پتے کافی لمبے لمبے تھے۔ مختصر مدت میں وہ درخت کافی گھنا اور مستحکم ہوگیا۔ بنی اسرائیل کے لوگ اس کے سایہ میں جمع ہونے لگے اور آرام کرنے لگے۔

ایک رات زاہد کی بیٹی گرجا کی چھت پر آئی ۔اس نے اس درخت کو دیکھا،اس کا ایک پتہ توڑ کر اپنے منھ میں رکھ لیا، چبایا اور کھا گئی ۔اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس پتہ کو ایک بچے کے جنین میں تبدیل کر دیا، جو اس کے رحم میں معرض وجود میں آیا۔ جب یہ حمل ظاہر ہوا تو زاہد کو اس کی خبر ہوئی ۔اس نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع کیا اور کہا ''میری بیٹی حاملہ ہوگئی ہے جبکہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔اس سلسلے میں آپ حضرات کی رائے کیا ہے؟''

ظاہری طور پر یہ زنا کا معاملہ تھا اور زنا کی سزا سنگساری تھی ۔سرداروں نے کہا ''اس کو سنگسار کر دیا جائے''۔لیکن ان میں سے ایک شخص جو کہ بڑی بصیرت والا تھا کہہ اٹھا ''بچہ کی ولادت تک صبر کرنا چاہیے۔اگر وہ لڑکی زنا کی مرتکب ہوگی تو یہ بچہ مقررہ جگہ سے باہر آجائے گا لیکن اگر اس بچہ کی ولادت اس پتے کے سبب سے ہے جسے اس نے کھا لیا ہے تو برخلاف عادت اس بچہ کی ولادت اس کے منھ کے راستے سے ہوگی ۔''

نو مہینے پورے ہونے پر قابل اعتماد خواتین اس کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کے لیے مقرر کی گئیں۔ یہاں تک کہ اس کا بچہ منھ کے راستے باہر آیا۔کسی بھی عاقل اور دانا شخص نے یہ بات قبول نہیں کی کیونکہ یہ بات عین فطرت کے خلاف تھی گرچہ خالق کائنات کے لیے یہ کوئی عجیب وغریب بات نہ تھی ۔ پرندوں میں ایک پرندہ ایسا ہے جو منھ کے راستے اپنے بچے کو جنم دیتا ہے۔ جب وہ بچہ رحم مادر سے جدا ہوا تو بنی اسرائیل کے علما نے اس لڑکی کی عزت وعصمت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی اور اسے سارے الزامات سے بری کر دیا۔

زاہد نے اس بچے کی پرورش کی ذمہ داری قبول کی۔ بچہ جوں جوں بڑا ہونے لگا قدرت خداوندی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہونے لگے ۔ جب وہ سات سال کا ہوا تو ایک دن وہ اس کنویں کے نزدیک گیا جو گرجا گھر کے دروازے پر واقع تھا۔ وہ کنویں کے اندر جھانکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کا نور جاتا رہا۔ وہ کنویں میں گر پڑا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔لوگوں نے اسے کنویں سے باہر نکالا لیکن اس صورت حال کی اطلاع زاہد کو نہیں دی گئی ۔ پھر یہ طے پایا کہ جب زاہد اپنے گرجا سے باہر آئے اور اپنا روزہ کھول لے تو اسے اس واقعہ کی اطلاع دی جائے ۔یہی وجہ تھی کہ فوت شدہ لڑکے کو ایک تختے پر لٹا دیا گیا۔

نماز مغرب کے وقت زاہد اپنے گھر آیا۔ چونکہ یہ بات طے تھی کہ وہ اپنے نواسے کے ساتھ ہی افطار کرے گا، اس نے نواسے کو آواز دی۔نواسہ فوراً اٹھ بیٹھا اور اس کے نزدیک آیا۔ جب زاہد نے اسے کچھ کھانے کے لیے کہا تو لڑکے نے انکار کردیا اور کہنے لگا ''آپ آج اعلان کردیں کہ کل صبح بنی اسرائیل کے تمام لوگ عبادت خانہ میں حاضر ہوجائیں۔آپ وہاں ایک منبر نصب کریں تا کہ میں اس پر بیٹھ کر وعظ کرسکوں۔''

دوسرے روز وہ لڑکا منبر پر آیا اور خدا کی حمد وثنا کے بعد کہنے لگا ''اے لوگو! تمھیں یہ جاننا چاہیے کہ دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت صرف خداوندقدوس کو حاصل ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ جنین کے بغیر،صورت کی تشکیل کرے۔ وہ قادر ہے کہ بوسیدہ ہڈی میں دوبارہ جان ڈال دے اور اس کے متفرق اجزا کو جمع کردے۔ میرا وجود ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو اس بات سے انکار کرتے ہیں۔ میرے وجود کا راز یہ ہے کہ ایک دن میرے نانا ایک قبرستان سے گزر رہے تھے ان کی نظریں ایک بوسیدہ ہڈی پر پڑی۔ وہ کہنے لگے کہ خدا اس کو کیسے جمع کرے گا۔ لہٰذا ان کے دل میں شکوک وشبہات نے جگہ لے لی۔ اس ہڈی کو انھوں نے گرجا کے دروازے پر پھینک دیا۔ خالق کردگار کے حکم کے مطابق اس ہڈی نے ایک درخت کی صورت اختیار کرلی۔ میری ماں نے اتفاق سے اس درخت کا پتہ کھالیا اور میں وجود میں آ گیا تا کہ عاقلوں کو یہ معلوم ہو کہ قادر مطلق بنی آدم کی پیدائش کے سلسلے میں نطفے کا محتاج نہیں۔ آپ لوگوں نے کل یہ سنا تھا کہ میں کنویں میں گر کر ہلاک ہو چکا ہوں۔کل جب میرے نانا نے مجھے آواز دی تو حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کردیا اور میں فوراً حاضر ہوگیا۔ آج میں آپ کے سامنے وعظ کر رہا ہوں تا کہ آپ کا ایمان درجہ کمال کو پہنچے۔ اس دنیا میں یہ میری آخری سانس ہے اور آخرت کی طرف پہلا قدم۔'' یہ کہہ کر اس نے منبر کے ایک گوشہ میں اپنا سر ٹکا دیا اور جاں بحق ہوگیا۔

(31) فہم قرآن اور ہدایت

امام نجم الدین نسفی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں مِسعَر بن کِدام کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ ''عمرو بن مُرّہ رحمتہ اللہ علیہ کا شمار جلیل القدر علما وفضلا میں ہوتا تھا۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے

توان کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی۔اب ان کا معمول بن گیا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد محراب کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کیا تم میں سے کوئی پردیسی ہے۔اگر ہاں میں جواب ملتا تو وہ خاموش رہتے اور اگر نہ میں جواب ملتا تو گفتگو کرتے۔''

ایک دن انھوں نے پوچھا کہ''تمھارے درمیان کوئی اجنبی ایسا ہے جو اپنے وطن سے دور ہے۔'' لوگوں نے کہا''جی ہاں ایسا ایک شخص یہاں موجود ہے۔'' آپ خاموش ہو گئے۔ اس شخص نے کہا''میں دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کے پاس ایک سوال لے کر حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ میری پریشانی دور فرمائیں۔''

عمرورحمتہ اللہ علیہ نے اسے قسم دی اور کہا کہ اس سوال کو وہ کسی فتنہ پردازی کی غرض سے نہ کرے۔اس شخص نے قسم کھائی اور کہا''میں رشد و ہدایت کا طالب ہوں اور میرا مقصد کسی فتنہ کو ہوا دینا بالکل نہیں''۔عمرورحمتہ اللہ علیہ نے کہا''پوچھو کیا پوچھتے ہو؟''

سائل نے کہا''میں خواہشوں اور بدعتوں کے گرداب میں پھنس چکا ہوں۔میں جب بھی گمراہ ہوا ہوں قرآن کے سبب سے ہوا ہوں اور جب بھی بلاؤں سے نجات حاصل کی ہے قرآن کے توسط سے حاصل کی ہے۔آج میرا ہاتھ بالکل خالی ہے۔بڑی حسرت و ناامیدی کا سامنا ہے۔''

عمرورحمتہ اللہ علیہ نے کہا'' تم قسم کھاؤ کہ تمھارا یہ سوال ہدایت کی خاطر ہے نہ کہ امتحان یا مناظرہ کے پیش نظر۔'' اس نے قسم کھائی اور کہا''میں کسی کا امتحان لینا نہیں چاہتا۔ میرا مقصد آپ کے علم سے مستفیض ہونا ہے۔'' پھر عمرورحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا''کیا تم یہ کہتے ہو کہ علما کی جماعتیں جو پہلے گذر چکی ہیں آپس میں ایک دوسرے کی مخالف تھیں؟ اس نے کہا''نہیں۔''

کیا کسی نے خدا کی وحدانیت سے انحراف کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا''نہیں۔''

کیا کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا ہے؟''اس نے کہا''نہیں۔''

کیا کسی نے زکوٰۃ کی فرضیت سے روگردانی کی ہے؟''اس نے کہا''جی نہیں۔''

پھر آپ نے پوچھا'' کیا کسی نے حج اور غسل جنابت اور اسی طرح کی باتوں سے اختلاف کیا ہے؟''اس نے کہا''جی نہیں۔''

انھوں نے کہا ۔’’اس آیت کو پڑھو‘‘ ھوالذی انزل علیک الکتٰب منه اٰیت محکمٰت ھنّ امّ الکتب واُخَر متشٰبھات باری تعالیٰ فرماتا ہے۔’’اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! جو قرآن ہم نے تم پر نازل کیا ہے اس میں بعض آیتیں محکم ہیں جو اصل قرآن ہیں اور بعض آیتیں متشابہ ہیں۔(سورہ آل عمران، آیت 7) لہٰذا تم محکم و متشابہ دونوں طرح کی آیتوں پر عمل کرو۔‘‘ سائل نے ان کو دعا دی اور کہا ’’الحمدللہ! اب میرے دل سے شکوک وشبہات کا شائبہ جاتا رہا۔‘‘

جب اس نے رخصت چاہی تو حضرت عمر ورحمتہ اللہ علیہ نے کہا ’’دیکھو شیطان اہل کتاب کو باطل راہوں سے دعوت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ہوشیار رہو، دوسرے لوگوں کی طرح تم بھی شیطان کے دام فریب کے شکار نہ ہوجاؤ۔بہتر ہے کہ تم اپنے بزرگوں کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلو۔ اگر تم اپنے بزرگوں کے کاموں پہ شک کروگے تو پریشانیاں عود کرآئیں گی ۔جن کاموں کا تعلق آیات محکم سے ہے اس پر عمل کرو اور جو باتیں متشابہ ہیں ان کو خدا کے حوالے کردو۔اس پر زیادہ تعرض نہ کرو۔تم سلامت رہو گے اور تمھارا دین بدعات کے حملوں سے محفوظ رہے گا۔‘‘

(32) قرآن کریم کی سب سے بڑی گواہی

حضرت کلبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ملک شام کے یہودیوں کے دوعلمائے دین مدینہ آئے ۔ جب مدینہ کے نزدیک پہنچے تو کہنے لگے ’’ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی شہر، شہر خاتم الانبیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے‘‘ ۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا ’’ قرآن کریم کی سب سے بڑی گواہی کیا ہے ؟ اگر آپ ہمیں بتائیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔‘‘

اسی اثنا میں جبرئیل علیہ السلام امین یہ آیت لے کر حاضر ہوئے ’’شھدالله انه لااله الا ہو والملئکة و اولوالعلم قائما با لقسط اللہ تعالیٰ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔‘‘ (سورہ آل عمران، آیت 18)

خداعزوجل نے اس آیت میں اپنی وحدانیت ،فرشتوں اوراہل علم حضرات کی گواہی دی۔
جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے دوستوں نے یہ آیت سنی تو فوراًایمان لے آئے۔

(33) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عالمانہ جواب

ملک شام سے یہودیوں کی ایک جماعت امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ ان کی خلافت کا زمانہ تھا۔انھوں نے عرض کیا'' آپ تو مسلمانوں کے امیرالمومنین ہیں۔ہم آپ سے چند سوالات پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔اگر آپ ان سوالوں کے جواب مرحمت فرمائیں تو ہم آپ کے دین پر ایمان لانے اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' آپ سوال کریں۔'' انھوں نے کہا ''پہلا سوال یہ ہے کہ آسمان کا تالا کیا ہے اوراس تالے کی چابی کون سی ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قبر ہے جو اپنے مدفون کے ساتھ سفر کیا کرتی تھی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کی لیکن وہ نہ بنی نوع انسان میں سے تھا اور نہ جنوں میں سے؟ چوتھا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ایسی مخلوق ہے کہ جس کے وجود کا جنین نہ ماں کی رحم میں ہوتا تھا اور نہ باپ کی پشت میں؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ پانچواں سوال یہ ہے کہ وہ کون سی جگہ تھی جہاں سورج روز ازل سے ایک بار سے زیادہ نہیں چمکا؟ چھٹا سوال یہ ہے کہ عورتوں کے حیض کا معاملہ کیا ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رخ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں۔ ان لوگوں نے کہا ''اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیسی بات ہے کہ آپ ہمارے سوالات ان کے حوالے کررہے ہیں؟ کیا وہ آپ سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' ہاں'' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔''یہودیوں نے کہا'' بالکل درست ،توریت میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ان کا نام ایلیا ہے اور وہ علم کا سمندر ہیں۔''

لہٰذا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سوالوں کے جوابات سے متعلق فرمایا: ''آسمان کا تالا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے ۔ جب اللہ کے ساتھ کوئی شرک کرتا ہے تو اس کا عمل آسمان تک نہیں پہنچتا۔ کلمہ شہادت اس تالے کی چابی ہے ۔ یہ کلمہ اللہ عزوجل کی وحدانیت کا اقرار ہے ۔ وہ قبر جو اپنے مدفون کے ساتھ اور وہ قید خانہ جو اپنے قیدی کے ساتھ سفر کر رہی تھی وہ مچھلی تھی جس کے پیٹ کے اندر حضرت یونس علیہ السلام مقید تھے ۔اس مچھلی نے انھیں آٹھ سمندروں کی سیر کروائی تھی ۔ خدائے عزوجل نے مچھلی کے سینے کو اتنا شفاف اور نازک بنادیا تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کے اندر سے باہر کے تمام مناظر دیکھ رہے تھے اور اللہ کی عجیب وغریب صناعی کا لطف اٹھا رہے تھے ۔ وہ واعظ جو اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کر رہا تھا نہ ہی وہ جنوں میں سے تھا نہ ہی انسانوں میں سے ۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مور تھا جس کا نام منذر تھا۔ اس نے وادی نمل کی چیونٹیوں سے کہا ''اے چیونٹیوں ! اپنی سوراخوں میں جا گھسو کیونکہ سلیمان کا لشکر گزرنے والا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں اپنے پیروں تلے روند ڈالے'' (سورہ النمل، آیت18) ۔ وہ جاندار جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور جو رحم مادر کے بغیر پیدا ہوئے ہیں وہ کل چھ ہیں حضرت آدم علیہ السلام، اماں حوا ، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھیڑ ، حضرت موسٰی علیہ السلام کا عصا ، اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی چڑیا ۔ وہ جگہ جہاں ایک بار سے زیادہ آفتاب نہ چمکا دریائے نیل کی نچلی سطح ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام کے معجزہ کے نتیجے میں بنی اسرائیل کی گزرگاہ بنی تھی ۔ اس وقت آفتاب کی شعائیں اس پر پڑی تھیں لیکن اس واقعہ کے بعد سورج کبھی بھی اس سطح زمین پر نہیں چمکا ۔ یہودیوں نے جب یہ جوابات سنے تو اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے ۔

(34) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دانشمندی

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو اہل قریش نے یہ طے کیا کہ ایک جماعت جو عقلمند اور ذی فہم لوگوں پر مشتمل ہو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور انھیں اس فعل سے روکے تاکہ وہ اپنے آباواجداد کے دین میں واپس آجائیں ۔

لہٰذا انھوں نے طلحہ بن عبداللہ کو اس کام کے لیے نامزد کیا اوران کی خدمت میں بھیجا۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا ''آؤ میرے ساتھ چلو''۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' مجھے کس کام کے لیے بلا رہے ہو؟'' طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' ہم اس لیے بلا رہے ہیں کہ تم لات وعزّیٰ کی عبادت کرسکو۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' لات وعزّیٰ کون ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں ؟'' طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا''ان کی ماں کون تھی؟'' طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے اور اپنے لوگوں سے کہا کہ اب وہ جواب دیں۔ چونکہ انھیں بھی اس کا علم نہیں تھا وہ بھی خاموش رہے اور حیرت میں پڑ گئے۔

طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا'' اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میں گواہی دیتاہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ واقعہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا سبب بنا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو جس شخص کی بھلائی مقصود ہوتی ہے اسے بہت ہی آسانی سے دین و دنیا کی سعادت بخش دیتا ہے۔

(35) اللہ کی وحدانیت

ابوثمامہ ابن اشرس رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں''ایک دن میں امیرالمومنین مامون کے دربار میں گذشتہ لوگوں کے حالات پر تقریر کر رہا تھا۔''مامون نے کہا'' پیغمبر علیہ اسلام نے فرمایا ہے کہ''میری امت میرے بعد بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اوران میں ایک ہی جماعت نجات پانے والی ہے۔ جانتے ہو وہ جماعت کون سی ہو گی ؟'' میں نے کہا'' وہ جماعت جو کلام الٰہی اور سنت رسول کی پابند ہو نجات پانے والی ہوگی۔''

مامون نے کہا'' ہماری شریعت میں اقوال بہت کثرت سے ہیں لیکن 'حق' ایک ہی ہے۔ میں نے جواب دیا'' تمام بنی نوع انسان''حق'' کے بندے ہیں۔حق ہمیشہ ایک رہا ہے لیکن راستے مختلف ہیں۔ چونکہ یہ درست ہے کہ خدائے تعالیٰ ایک ہے اوراس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اب یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے راستے مختلف ہوں تا کہ اس کی وحدانیت میں مشارکت کا کوئی شائبہ نہ ہو؟'' مامون نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور مجھے انعام واکرام سے نوازا۔

(36) شریعت کا علم

صحیح حدیث میں نقل ہے کہ ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ پشت محراب کی طرف تھی اور وعظ فرما رہے تھے۔ ایک حسین وجمیل اعرابی سفید لباس میں ملبوس مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر تکان کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ ہم میں سے کسی نے بھی اس شخص کو نہیں پہچانا۔

اس شخص نے سلام عرض کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ اس قدر نزدیک کہ اس کا زانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو پر تھا۔ اس نے سوال کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل پر ایمان لاؤ۔''

اعرابی نے کہا '' آپ کی بات بالکل صحیح ہے'' ۔ اب آپ بتائیں اسلام کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسلام یہ ہے کہ تم کلمہ شہادت کا اقرار کرو، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو۔''

اس شخص نے کہا '' آپ نے صحیح فرمایا۔ اب آپ بتائیں ''احسان کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو جیسا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ پاتے تو اس بات کا یقین رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے'' اس شخص نے کہا '' آپ نے درست فرمایا۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین سے کہا ''ان کا پیچھا کرو'' وہ دوڑ کر گئے لیکن اس شخص کا کوئی سراغ نہ ملا۔ تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ جبرئیل علیہ السلام تھے وہ اس لیے تشریف لائے تھے کہ تمھیں شریعت کا علم سکھائیں اور خدمت وطاعت کے آداب بتائیں۔''

(37) نیکی ضائع نہیں ہوتی

ایک یہودی ایک آتش پرست کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ یہودی مفلس و نادار تھا اور بغیر کسی زادراہ اور سواری کے پیدل چل رہا تھا۔ آتش پرست دولت مند تھا اور ایک تیز گام اونٹ پر تمام تر لوازمات کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ دونوں ہمراہ تھے۔

آتش پرست نے یہودی سے پوچھا ''تمھارا مذہب کیا ہے اور تم کیا عقیدہ رکھتے ہو؟'' یہودی نے کہا: ''میرا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ میرا ایک خالق ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ چاہتا ہوں اور اسی سے روزی روٹی کا طالب ہوں۔ اس مالک حقیقی سے میں اپنے اور ان تمام لوگوں کے لیے جو میرے دین پر گامزن ہیں خیر و عافیت طلب کرتا ہوں لیکن جو میرے دین کا مخالف ہے اس کا مال اور خون میرے لیے حلال ہے اور اس کی مدد و نصرت میرے لیے حرام۔''

جب یہودی اپنی بات کہہ چکا تو اس نے آتش پرست سے سوال کیا ''اب تم اپنا عقیدہ بیان کرو'' آتش پرست نے کہا ''میرا عقیدہ یہ ہے کہ اپنے لیے اور تمام لوگوں کے لیے خیر طلب کروں اور کسی کا برا نہ چاہوں۔ جہاں تک ممکن ہو دوست و دشمن دونوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کروں۔ اگر کوئی مجھ پر ظلم روا رکھے تو میں انتقام لینے کی کوشش نہ کروں اور اس کے ظلم کے عوض، فضل و کرم کا معاملہ کروں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ خالق کائنات پر خلائق کے اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے پوشیدہ نہیں۔ وہ نیکوکاروں کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اور بدکرداروں کو سزائیں دیتا ہے۔''

یہودی نے کہا ''بہت خوب یہ بڑا اچھا عقیدہ ہے۔ کاش کہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہوتے''۔ آتش پرست نے کہا ''تمھیں میری کون سی بات غلط اور جھوٹی لگی؟'' یہودی نے کہا ''میں تمھارے جیسا انسان ہوں، تمھاری طرح جان رکھتا ہوں۔ بھوکا پیاسا تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔ تم اونٹنی پر تمام اشیائے خوردنی اور دوسرے لوازمات کے ساتھ بیٹھے ہو لیکن اس میں سے مجھے کچھ نہیں دیتے اور نہ ہی پل بھر کے لیے اپنی سواری پر بٹھاتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ تم اپنے عقیدہ پر کاربند نہیں ہو۔''

آتش پرست نے کہا ''تم صحیح کہتے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ فوراً سواری سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنا دسترخوان بچھایا اور یہودی کو کھانے کی دعوت دی۔ دونوں نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا۔ جب یہودی سیر ہو چکا تو آتش پرست نے کہا ''اب تم تھوڑی دیر کے لیے اونٹ پر بیٹھو تا کہ عافیت نصیب ہو۔''

یہودی اونٹ پر بیٹھ گیا اور آتش پرست اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا رہا۔ دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ یہودی نے جب آتش پرست کو تھکا ہارا پایا تو اسے جنگل میں تنہا چھوڑ اونٹ کو تیز دوڑایا۔ اس نے ہر چند فریاد کی اور کہا ''تو نیکی کا بدلہ بدی سے نہ دے اور مجھے اس جنگل میں تنہا نہ چھوڑ۔ ایسا نہ ہو کہ میں جانوروں کی خوراک بن جاؤں یا پھر پیاس کی شدت سے مر جاؤں۔''

یہودی نے کہا ''میں نے پہلے ہی تم سے یہ کہا تھا کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو بھی میرے دین کا مخالف ہو اس کا خون اور مال میرے لیے حلال ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اونٹ کو تیز دوڑایا یہاں تک کہ وہ آتش پرست کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تلاش بسیار کے بعد جب وہ آتش پرست بالکل عاجز و ناامید ہو گیا تو اسے اپنے احوال کے آئینے میں اپنی ہلاکت صاف نظر آنے لگی۔ وہ چند منٹوں کے لیے زمین پر بیٹھ گیا۔ آسمان کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا ''یا الٰہی! میں نے جو کچھ کیا، تجھ پر مکمل اعتماد کے ساتھ کیا۔ تو سارے جہاں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو ہی پناہ دینے والا اور بہتر جزا دینے والا ہے۔ نیکوکاروں کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اور بدکاروں کو سزائیں دیتا ہے۔ میری نیک نیتی کو خطا سے تعبیر نہ کر اور اس ظالم کے ظلم سے نجات دلا۔''

اپنی مناجات ختم کرنے کے بعد وہ آگے کی طرف چلنے لگا۔ ایک دو فرسنگ چلنے کے بعد اچانک آتش پرست کی نگاہ اپنے اونٹ پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ یہودی زمین پر پڑا کراہ رہا ہے۔ اونٹ کی پیٹھ سے گرنے کے سبب اس کے تمام اعضا ٹوٹ کر بکھر چکے تھے۔ وہ لہو لہان اپنی موت کا منتظر تھا اور اونٹ ایک کونے میں ایسے کھڑا تھا گویا وہ اسی لمحے کا منتظر ہو۔ جب آتش پرست نے یہ منظر دیکھا تو فوراً سجدے میں گر پڑا اور خوشی سے پاگل ہو گیا۔ یہودی کو ہلاکت کے دروازے پر چھوڑ، وہ جھٹ اونٹ پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہودی نے آواز دی ''اے میرے بھائی ! اگر چہ میں نے برا کیا لیکن حقیقت میں یہ برائی میں نے اپنے ساتھ کی ہے۔ جس طرح میری بدی سے نیکی کا ظہور نہ ہو سکا اسی طرح تیری نیکی تیرے کام آئی۔ تیرے عقیدے کا پھل تجھے مل گیا اور میرے عقیدے کی خرابی میرے سامنے آ گئی۔ اب تو اپنے عقیدے پر خوش رہ لیکن مجھے اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر نہ جا۔''

وہ اتنا گڑ گڑایا کہ آتش پرست کو اس پر رحم آ گیا۔ اس کو اونٹ پر بٹھا کر شہر لے آیا اور اس کے رشتہ داروں کے حوالے کیا۔ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو کوئی بھی خدا کے لیے نیکی کرتا ہے اس کی نیکی ضائع نہیں جاتی۔

(38) انتقام خداوندی

ملک یونان میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام ژروس تھا۔ اس کے دور حکومت میں ایک مشہور و معروف عالم ابیقس کا ظہور ہوا جو تمام یونان میں ممتاز و منفرد تھا۔ بادشاہ نے اس عالم کو اپنے دربار میں دعوت دی۔ راستے میں ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے اسے گھیر لیا اور اس امید پہ کہ اس کے پاس کافی مال و دولت ہے اس کو ہلاک کرنے کی ٹھانی۔ اس عالم شخص نے ڈاکوؤں سے کہا ''اگر تمھاری غرض دولت ہے تو یہ دولت لے لو لیکن مجھے جانے دو۔'' ان لوگوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور ان کے قتل پر مصر ہوئے۔

اس عالم نے حیرانی کے عالم میں ہر طرف بڑی امید کی نظروں سے دیکھا لیکن کوئی بھی ناصر و مددگار نہ تھا۔ اسے آسمان پر اڑتے ہوئے سارسوں کا ایک غول نظر آیا۔ اس نے آواز دی ''اے سارسو! دیکھو میں اس بیابان میں ان ظالموں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہوں۔ میرا ناصر و مددگار کوئی نہیں۔ تم ان ظالموں سے میرا بدلہ لینا اور میرے خون کا قصاص ضرور طلب کرنا۔''

جب ڈاکوؤں کے گروہ نے یہ سب سنا تو ہنس پڑے اور کہنے لگے ''بیچارے کی عقل ماری گئی ہے۔ کسی بے وقوف کی موت کسی وبال کا سبب نہیں بن سکتی۔'' ان لوگوں نے اس عالم کو قتل کر ڈالا اور اس کا مال اپنے درمیان تقسیم کر لیا۔ جب اس کی موت کی خبر اہل شہر تک پہنچی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ وہ ہمیشہ ان قاتلوں کی تلاش میں سرگرداں رہے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔

آخر کار ایک عرصے کے بعد یونان میں تہوار کا موقع آیا اور لوگ عبادت گاہوں اور بت خانوں میں جمع ہوئے۔ دوراور قریب کے لوگ اس مجمع میں حاضر تھے۔ اس عالم کے قاتل بھی وہاں موجود تھے۔ اس دوران سارسوں کی ایک فوج آسمان پر نمودار ہوئی اور مجرموں کے سروں پر چکر کاٹنے لگی اور آواز دینے لگی۔ اس شور سے علما کو اپنی عبادت و ریاضت میں کافی زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

ان ڈاکوؤں میں سے ایک نے ہنستے ہوئے کہا'' لگتا ہے وہ ابیقس کے خون کا قصاص طلب کر رہے ہیں۔'' اس شہر کا ایک فرد ان کے نزدیک کھڑا تھا۔ اس نے جب یہ جملہ سنا تو دوسرے کو خبر دی۔ آناً فاناً یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس گروہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور سزا کے مستحق قرار دیے گئے۔ اس طرح سارسوں نے اس عالم کے خون کا بدلہ لیا۔ یہ نکتہ غور طلب ہے کہ اس عالم نے ظاہری طور پر سارسوں سے خطاب کیا تھا لیکن حقیقت میں اس نے پروردگار عالم سے نصرت چاہی تھی۔ اللہ پر اس کا یقین کامل تھا کہ وہ اس کے خون کو یوں رائیگاں نہ جانے دے گا۔ بفضل الٰہی اس کی امید بر آئی اور اللہ نے انھیں سارسوں کو مجرموں کی سزا کا سبب بنایا تا کہ دنیا کے دانشوروں کو پروردگار عالم کی قدرت وحکمت کا علم حاصل ہو سکے۔

***

حواشی

1- ایک قسم کا پھل ہے جسے چکوترا بھی کہتے ہیں۔

2- ایک قسم کا پھل ہے جو دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔

باب دوم

معجزات انبیا علیہم السلام کا بیان

مختصراً ہمیں جاننا چاہیے کہ عام متکلمین کے نزدیک خدائے عزوجل کا اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجنا عین ممکنات میں ہے۔ یہ بات عقل کو بھی لگتی ہے کہ اللہ نے مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجے ہیں۔بعضوں کے نزدیک یہ عین حکمت الٰہی ہے۔

برہمنوں اور بدھ مذہب کے ماننے والوں کے نزدیک پیغمبروں کے نزول کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ان کے نزدیک جو کچھ بھی پیغمبر عوام الناس کے لیے لاتے ہیں یا تو وہ عقل کے عین مطابق ہوتا ہے یا پھر عقل اسے رد کر دیتی ہے۔لہٰذا ان کو بھیجنے کا کیا فائدہ۔لیکن اہل حق اور مسلمانوں کی حجت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے امر و نہی کا نزول عین حکمت ہے۔

حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے تصرف میں رکھے اور جس طرح چاہے امر و نہی کا اعلان کرے۔اگر رسول کے بغیر، الہام کرنا چاہے تو لازمی علم و آگہی ان کے اندر پیدا کرے یا پھر ان میں سے ایک مخصوص شخص کو الہام عطا کرے تا کہ وہ لوگوں کو ان الہام سے آگاہ کر دے۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی نشانیاں بھی ظاہر کرے تا کہ لوگ سمجھیں کہ وہ شخص جو کہہ رہا ہے صحیح کہہ رہا ہے اور وہ خدا کا رسول ہے۔یہ نشانیاں دراصل ان کے معجزے ہیں۔

برہمن حضرات یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی پیغمبر عوام الناس کے لیے لاتے ہیں یا تو وہ عقل کے عین مطابق ہوتا ہے یا بالکل منافی۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ دراصل پیغمبر ایسی چیزیں لاتے ہیں جو لوگوں کی عقل و فراست کی پہنچ سے باہر ہوتی ہیں۔ اہل کفار ایسی چیزوں کی مخالفت کرتے ہیں نہ موافقت بلکہ یہ چیزیں انھیں سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔ پھر جب انھیں کوئی جواز پیش کیا جاتا ہے تو ان کی عقل ان چیزوں کی نفی نہیں کرتی بلکہ اسے مستحسن قرار دیتی اور قبول بھی کرتی ہے۔ ہم یہاں بعض انبیا علیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات کا ذکر کریں گے جن کے مطالعے سے پیغمبروں کی حقانیت واضح ہو جائے گی۔

(39) حضرت صالح علیہ السلام اور اونٹنی کا معجزہ

انبیا علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک زبردست معجزہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ہے۔ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے اپنے مواعظ حسنٰی کے ذریعہ اپنی قوم کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور شیطانی راستوں پر چلنے سے روکا۔ لوگوں نے ان کی باتیں نہیں مانیں۔ ان کے شب و روز بدکاری، دروغ گوئی، چغل خوری اور لواطت میں گذرنے لگے۔ نہ انھوں نے نیک کام کیے اور نہ ہی حضرت صالح علیہ السلام کی باتوں پہ کان دیا۔ اس طرح ایک عرصہ گذر گیا۔

اتفاق سے عید کا دن آ پہنچا۔ قوم ثمود کے تمام لوگ ایک پہاڑی کے دامن میں جمع ہو کر اپنے رسم و رواج کے مطابق جشن منانے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے اور انھیں ہوس پرستی کے بجائے خدا پرستی کی دعوت دی۔ قوم ثمود کے لوگوں نے کہا ''اے صالح علیہ السلام ہمیں اپنا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اگر تم معجزہ دکھاؤ گے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے''۔

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا ''تم کیا چاہتے ہو؟ کہو تا کہ میں تم پر ظاہر کروں۔'' لوگوں نے کہا'' ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے خدا سے یہ طلب کرو کہ ان پتھروں کے درمیان سے فوراً ایک اونٹنی ظاہر ہو جائے جو کالی رنگ کی ہو اور جس کا چہرہ سفید ہو، تیز گام بھی ہو اور خوش خرام بھی۔ اسی حال میں وہ ایک بچہ بھی جنے اور بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی طرح چرنے لگے۔''

حضرت صالح علیہ السلام بڑے حیران ہوئے ۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور کہا ''اے صالح علیہ السلام ! یہ معجزہ میری قدرت سے باہر ہے۔حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ عین اسی وقت پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی اور اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔ایک دراڑ میں سے ایک اونٹنی بالکل اسی ہیئت کی جیسا کہ قوم ثمود نے چاہا تھا نمودار ہوئی ۔اسی حال میں وہ زمین پر لیٹ گئی اور ایک بچہ جنا جو اس کے مقابلے میں چھوٹا لیکن دوسری اونٹنیوں کے بچوں کے مقابلے میں بڑا تھا۔ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی چرنے لگا ۔ اونٹنی کے پہاڑ کے درمیان سے نمودار ہونے کے باوجود ان کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور آخر کار اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھوڑسواروں کی ایک جماعت بلا کی شکل میں ظاہر ہوئی اور ان کو تہہ تیغ کر ڈالا۔

(40) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ

زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ دنیا میں اولین ظالم وجابر حکمراں نمرود تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک شام قحط کا شکار ہوا ۔ نمرود کی حکومت کافی خوشحال تھی اور غلے بھی وافر مقدار میں موجود تھے۔عراق اور شام کے لوگ غلہ حاصل کرنے کی غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ۔ جو بھی اس کے دربار میں آتا نمرود یہ سوال کرتا ''تمھارا خدا کون ہے؟'' جسے روٹی کی حاجت اور جان کا خوف غالب ہوتا کہتا ''ہمارا خدا،تو ہی ہے۔''

اتفاقاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی غلہ لینے کے لیے اس کے دربار میں پہنچے۔نمرود نے اپنی عادت کے مطابق سوال کیا ''تمھارا خدا کون ہے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''میرا خدا وہ ہے جو مارتا ہے اور جلاتا ہے۔''

نمرود اس جواب پر چراغ پا ہو گیا اور بحث کرنے لگا۔اس نے کہا ''میں بھی پیدا کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔'' اس نے ایک قیدی جس کی گردن زدنی کا پروانہ جاری ہو چکا تھا، رہا کر دیا اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا اور کہنے لگا ''دیکھا، میں زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ یہ مارنا اور اور جلانا نہیں ہے۔ چونکہ دربار میں خاص وعام اور جاہل و عاقل سبھی حاضر تھے اور عاقلوں کے نزدیک اس دعویٰ کا بطلان و کذب پوشیدہ نہ تھا۔ انھوں نے چاہا کہ اس کو ایسا لا جواب کر دیں کہ وہ حد درجہ پشیمان ہو اور حاضرین پر اس کے بے بنیاد اور جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھل جائے۔ انھوں نے ایسی بحث چھیڑی کہ نمرود کا سارا مکر وفریب دھرا کا دھرا رہ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ''میرا خدا تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ تم حکم دو کہ کل آفتاب مغرب سے طلوع ہو اور مشرق میں غروب ہو۔'' نمرود حیران رہ گیا اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر نمرود یہ کہتا کہ تم اپنے خدا سے کہو کہ آفتاب کو مغرب سے نکالے اور مشرق میں غروب کرے تو میرے جلال کی قسم میں نمرود کی فضیحت اور ابراہیم علیہ السلام کے معجزہ کی خاطر آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دیتا۔'' زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جب نمرود لا جواب ہو گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر غلہ کے واپس ہوئے۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شہر کے نزدیک پہنچے تو راستہ میں انھیں ریت کا تودہ نظر آیا۔ انھوں نے دل میں کہا ''جب میں اس حالت میں گھر کے اندر داخل ہوں گا تو میرے اہل خانہ اور بچے اونٹ کو خالی دیکھیں گے۔ انھیں بہت افسوس ہوگا۔ الغرض انھوں نے اپنے تھیلوں میں ریت بھر لیے تاکہ ان کی اولاد کو تسلی ہو جائے۔

جب وہ اپنے گھر آئے تو سامان اتارے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھوڑی دیر استراحت فرمائی۔ گھر کی خادمہ نے ان تھیلوں کو کھولا اور اس میں آٹا دیکھا، اس میں سے کچھ لیا اور روٹی تیار کی۔ کھانا ان کے سامنے حاضر تھا۔ انھوں نے دریافت کیا'' آٹا کہاں سے آیا؟'' اس نے کہا'' یہ وہی آٹا ہے جو آپ لائے ہیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً سجدے میں گر پڑے اور نہایت ہی عاجزی کے ساتھ اپنے خالق کی ثنا وشکر میں مشغول ہو گئے۔

(41) اللہ کے حکم سے پرندوں کا دوبارہ زندہ ہونا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام دریائے طبریہ کے ساحل پہ آ نکلے ۔ ایک مردار کو ساحل پہ پڑا پایا ۔ جب جب دریا کی موجیں آتیں مچھلیاں ان سے اپنی غذا حاصل کرتیں اور اس میں سے کچھ کھاتیں ۔ جب موجیں واپس چلی جاتیں تو پرندے اپنا پیٹ بھرتے ۔ جب رات آتی تو چوپائے اور وحشی جانور اس مردار کو اپنا لقمہ بناتے ۔ جو کچھ کہ مچھلیاں سمندر میں سے نہیں کھا سکتیں پانی میں چھوڑ دیتیں اور پرندے ہوا میں بکھیر دیتے ۔ ہوا ان چیزوں کو اڑا کر لے جاتی ۔ چوپائے اور وحشی جانور جن چیزوں کو نہیں کھا پاتے ، صحرا میں چھوڑ دیتے اور ماہ وسال کے گزرنے سے وہ چیزیں خاک میں تبدیل ہو جاتیں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو حیران رہ گئے اور خدا کو تہہ دل سے یاد کرنے لگے ۔ انھوں نے اللہ سے درخواست کی اور کہا ”اے خداوند قدوس ! مجھے دکھا کہ تو مردہ کو کیسے زندہ کرے گا ؟“ خدائے عزوجل کی طرف سے ندا آئی ”تم چار پرندے لو اور ان کے سروں کو تن سے جدا کر کے ان کا گوشت ، ہڈی ، چمڑی ، خون اور تمام اجزا کو آپس میں خلط ملط کر دو پھر ان کو چار حصوں میں تقسیم کرو اور ان حصوں کو چار پہاڑیوں پر رکھ دو ۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کیا ۔ ایک کبوتر ، ایک مرغا ، ایک کوّا اور ایک بطخ کو لے کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان کے چار حصے بنائے اور مختلف پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رکھ آئے ۔ ان کے سروں کو وہ اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہے اور ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو گئے ۔ اسی وقت آسمان سے ایک آواز آئی کہ اے شکستہ ہڈیو! اے گوشت کے ٹکڑو! اے بکھرے ہوئے اجزا! سب کے سب پہلی صورتوں میں آ جاؤ کیونکہ خدائے عزوجل تمھاری جانوں کو تمھارے قالب میں واپس بھیجنا چاہتا ہے ۔ اسی لمحہ خون خون سے جا ملا ، پر پر سے جا ملے ، ہڈی ہڈی سے جا ملی اور اس طرح ان کی پرانی صورتیں وجود میں آ گئیں ۔ ان کے جسم تیار ہو گئے لیکن ان کے سر اب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں تھے ۔

اب وہ پرندے بغیر سر کے ابراہیم علیہ السلام کی جانب پرواز کرنے لگے۔آن کی آن میں ان کے سران کے جسموں سے جڑ گئے۔

اللہ کی طرف سے وحی آئی۔''اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا میں مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہوں۔ میں نے اس زمین کو ایک گھر کی صورت میں پیدا کیا ہے اور اس کے چاروں کھمبوں کی طرف سے لوگوں کے فائدے کی خاطر چار ہوائیں چلائی ہیں۔ شمال وجنوب اور صبا و دبور۔ جب قیامت برپا ہوگی تو مردے ہر چہار جانب سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو، یہ چاروں پرندے جو مختلف اجزا میں بٹ چکے تھے چاروں پہاڑیوں سے آکر زندہ وجاوید ہوگئے۔''

یہ معجزہ بھی ان بڑے معجزوں میں سے ایک ہے اور اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ نص قرآنی اس معجزہ کی تصدیق کرتی ہے۔

(42) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

جیسا کہ روایت میں مذکور اور کلام ربانی میں مسطور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب طور تھے اور انھیں اللہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف بھی حاصل تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں فرماتا ہے: ولقد اتینا موسی تسع آیتٍ بینٰت میں نے موسیٰ علیہ السلام کو 9 نشانیاں بالکل صاف صاف دیں(سورہ بنی اسرائیل، آیت 101)۔ ان تمام معجزات میں سے ایک عصا تھا، دوسرا یدِ بیضا، تیسرا غلّوں کا ضائع ہونا، چوتھا پھلوں کا نقصان، پانچواں طوفان، چھٹا ہوائی ٹڈیاں، ساتواں کھٹمل، آٹھواں مینڈک اور نواں خون۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو حق کی دعوت دی تو فرعون نے ان سے ان کے دعوے کی حجت طلب کی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا''میرے پاس حجت کے طور پر میرے معجزے ہیں''۔فرعون نے کہا''پھر دکھاؤ''۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر پھینکا۔اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس عصا کو اژدہے میں تبدیل کردیا۔کہتے ہیں کہ اس عصا کی لکڑی کا تعلق بہشت سے تھا اور اس کی لمبائی موسیٰ علیہ السلام کے قد کے لحاظ سے دس گز تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو زمین پر پھینکا تو یہ اژدہا بن گیا اور پھنکارنے لگا۔ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر بیشتر لوگ جاں بحق ہو گئے ۔ ایک روایت کے مطابق تقریباً سات ہزار لوگ خوف و ہیبت سے مارے گئے ۔ فرعون تخت سے نیچے آ گیا اور اس کے کپڑے خراب ہو گئے ۔

کہتے ہیں کہ ہر چالیس روز میں ایک بار فرعون اپنے اہل خانہ کے ساتھ مجلس میں بیٹھتا تھا اور یہ وہی دن تھا جس دن یہ واقعہ ہوا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ اس اژدہا کو اس سے دور رکھیں تا کہ وہ ان کی دعوت پر غور کر سکے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اژدہے کے منھ میں ڈالا اور اس کی زبان پکڑ لی ۔ فوراً وہ اژدہا عصا بن گیا ۔ فرعون نے کہا ''جو نشانی تم لائے ہو وہ میں دیکھ چکا ۔ کیا تمھارے پاس کوئی دوسری نشانی بھی ہے؟'' انھوں نے فوراً اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں بازو کے بغل میں رکھا اور باہر نکالا۔ ان کا ہاتھ سورج کی طرح چمکنے لگا۔ فرعون نے یہ نشانیاں دیکھیں پھر بھی ایمان نہ لایا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم گناہوں میں ملوث ہو گئی اور ہدایت کی راہ سے بھٹک گئی تو اللہ نے انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ان کے باغات اور پھل تباہ ہو گئے ۔ یہی ان کی سزا تھی ۔ ایسی صورت میں وہ چاروناچار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے مدد طلب کی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی بدولت ان کی تنگی ، خوشحالی میں بدل گئی ۔ پھر بھی وہ راہ راست پر نہ آئے ۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک دنیا قائم ہے ایسا ہی ہوتا رہے گا کبھی تنگی تو کبھی خوشحالی کبھی خوف و فساد تو کبھی امن و سکون ۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ایمان نہ لائی تو اللہ نے دوسری بلا نازل کی اور وہ طوفان کی صورت میں نمودار ہوئی ۔ ایک ہفتہ تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ روز و شب میں امتیاز باقی نہ رہا۔ تمام مکانات اور راستے زیر آب ہو گئے ۔ ان کے سامنے موت کھڑی نظر آنے لگی ۔ تمام لوگ فرعون کے محل میں پہنچے۔ دیکھا کہ فرعون خود اس طوفان اور بارش سے عاجز ہے۔ اس کا محل بھی ڈھے جانے کے نزدیک ہے اور وہ بھی دیوار کے نیچے دب کر ہلاک ہونے والا ہے۔

فرعون نے لوگوں کوموسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔لہٰذاوہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا ''اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور بادل چھٹ گئے۔لیکن پھربھی وہ ایمان نہ لائے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔

جب ایک مہینے کا عرصہ گذر گیا تو اللہ نے دوبارہ عذاب نازل فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ آسمان کشادہ ہوگیا اور زمین سرسبز و شاداب۔لوگوں نے کہا کہ '' ہم تو اسے عذاب سمجھ بیٹھے تھے لیکن یہ تو خوشحالی کا سبب بنا۔''

جب غلوں اور پھلوں کو کاٹنے کا وقت آ پہنچا تو خداوند تعالیٰ نے ٹڈیاں بھیج دیں تا کہ ان فصلوں کو برباد کر دیں اور ایسا ہی ہوا۔عوام اس پریشانی کی حالت میں فرعون کے دربار میں جا پہنچے۔وہ بھی اس عذاب ناگہانی سے عاجز تھا۔ پھروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا وعدہ دہرایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اللہ نے تیز ہوائیں چلائیں اور ٹڈیاں دریا برد ہوگئیں۔انھوں نے اس معجزہ کو دیکھا لیکن پھر بھی ایمان نہ لائے اور اس طرح وہ پھر عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔

اللہ نے ایک مہینے کے بعد کھٹمل بھیجے تا کہ ٹڈی دل نے جن فصلوں کو برباد نہیں کیا ہے وہ اسے برباد کر ڈالیں اور جو فصلیں اب بھی باقی بچ رہیں ہوں،وہ سڑگل جائیں۔ جب ان کی فصلیں برباد ہونے لگیں تو وہ فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے پر مایوسی ان کے حصے میں آئی۔ اسی مایوسی کی حالت میں وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا وعدہ دہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے انھیں اس عذاب سے نجات دی۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مہینہ کے بعد ایک اور بلا بھیجی۔ایک روز لوگ صبح سویرے اٹھے تو تمام گھروں،گلیوں، گھڑوں اور کپڑوں پر مینڈک ہی مینڈک پائے گئے۔نہ کچھ کھانا ہی ممکن تھا اور نہ نیند ہی آرہی تھی۔انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی۔موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے یہ بلا بھی ان سے دور ہوئی لیکن وہ کافر کے کافر ہی رہے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔

ایک مہینے کے بعد ایک اور بلا نازل ہوئی ۔اللہ کے حکم سے ان کا سارا پانی خون میں تبدیل ہو گیا ۔ اگر بنی اسرائیل کا کوئی شخص پانی پینے کے لیے جاتا تو اسے پانی ہی نصیب نہ ہوتا لیکن اگر کوئی قبطی اس پانی کو پینے کی کوشش کرتا تو وہ خون بن جاتا ۔

جب ہیبت و مایوسی غالب ہوئی تو پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے حسب معمول دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور ان کی یہ مصیبت جاتی رہی ۔ ہر چند کہ انھیں راحت ملی ، وہ کفر و ضلالت کے شکار رہے اور آخر کار پانی کے راستے جہنم رسید ہوئے ۔

(43) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قارون کی سازش

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا ۔ وہ ابتدائی ایام میں درویشی کی زندگی بسر کرتا تھا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کیمیا گری کی تعلیم دی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے پاس بے حساب مال و دولت جمع ہو گئے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے خزانے کی چابی اٹھانے کے لیے چالیس قوی ہیکل جوان مقرر تھے ۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ہم نے اسے اس قدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے ۔'' (سورہ القصص ، آیت 76)

جب اسے تمام عیش و عشرت اور مال و دولت ہاتھ آ گئی تو وہ رحمت خداوندی کو فراموش کر بیٹھا ۔ وہ ضد اور بے راہ روی کا شکار ہو گیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس بے راہ روی سے باز آ جائے ۔ قارون نے حسد کے سبب ان کے خلاف شیطانی سازش کا جال بچھایا ۔ اس نے ایک عورت کو جو کہ سفاح نامی شخص سے حاملہ تھی اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ اس حمل کو موسیٰ علیہ السلام کے سر جڑ دے ۔ اس نے اس ناجائز کام کے لیے اس عورت کو خاطر خواہ پیسے بھی دیے ۔

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں اصول شریعت بیان فرما رہے تھے ۔ یہ وعظ کی محفل تھی ۔ وہ عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی '' اے موسیٰ ! تم تو لوگوں سے کہتے ہو کہ زنا نہ کرو اور اگر ایسا کرو گے تو سنگسار کر دیے جاؤ گے ۔ یہ جو بار گراں میرے پیٹ

میں ہے کیا تمھارا نہیں ہے؟ تم نے تو فلاں بیابان میں میرے ساتھ ہم بستری کی تھی ۔ میں نے بہت عاجزی کی لیکن تم نے میری بات نہ مانی۔ دیکھو اب یہ حمل تمھارا ہے۔''

یہ سنناتھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپے سے باہر ہو گئے۔اسی لمحہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا ''اے موسیٰ! آپ اس بچے سے جو کہ ماں کے پیٹ میں ہے سوال کریں تا کہ وہ ماں کی طرف سے صحیح جواب دے سکے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔عورت کے بائیں پہلو میں سوراخ ہو گیا اور بچے نے سوراخ سے سر باہر نکال کر کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام پیغمبر حق ہیں اور میں سفاح کا بیٹا ہوں اور فلاں حبشی میرا باپ ہے ۔اس شخص نے ہی فلاں بیابان میں میری ماں کے ساتھ اختلاط کیا اور میری پیدائش کا سبب بنا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''پھر تیری ماں کو کس نے اس بات کے لیے اکسایا کہ وہ مجھ پر بہتان باندھے''۔بچے نے کہا'' قارون نے اسے مال دیا تھا تا کہ آپ کو ذلیل کرے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کی طرف دیکھا اور کہا ''اے کتے! بڑی حیرت کی بات ہے کہ بچہ جو کہ اصلاً حرام زادہ ہے،حلال زدگی کرتا ہے اور تو حلال زدگی کا دعویٰ کرتا ہے اور حرام زدگی کا پیشہ اپناتا ہے''۔انھوں نے خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ قارون ذلیل وخوار ہو۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا'' میں زمین کو آپ کے تصرف میں دیتا ہوں اگر حکم دیں تو یہ اسے فوراً نگل جائے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''اے زمین اسے پکڑ لے۔'' فوراً زلزلہ آ گیا اور قارون گردن تک دھنسا دیا گیا ۔ یہ سارا ماجرا لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ہر چند قارون نے مدد مانگی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ دوسری بار موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو پھر وہی حکم دیا۔زمین نے اسے مکمل طور پر دھنسا دیا۔اب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو دراصل قارون کے مال کو ہڑپنے کی خاطر اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی اور اس کے سارے خزینے، دفینے اور محلات زیر زمین ہو گئے۔

(44) حضرت سلیمان علیہ السلام کے مدلل جواب

کعب بن احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اللہ نے خزانۂ غیب سے انھیں ایک صحیفہ بھیجا۔ اس صحیفہ میں اسرار غیب کے دس نکات مندرج تھے۔ داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام علما کو جمع کیا اور اس صحیفہ کو کھولا اور کہا ''اے سلیمان! اگر تم اس صحیفے میں مندرج تمام سوالوں کا صحیح جواب دے دیتے ہو تو میں اپنی سلطنت تمھارے حوالے کر دوں گا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا ''آپ سوال کریں تا کہ میں جواب دوں۔'' داؤد علیہ السلام نے کہا ''تم بتاؤ کہ (1) وہ کون سی چیز ہے جو کمیاب ہے؟ (2) وہ کون سی چیز ہے جس کی سب سے زیادہ بہتات ہے؟ (3) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ تلخ ہے؟ (4) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ شیریں ہے؟ (5) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ پیاری ہے؟ (6) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ ہیبت ناک ہے؟ (7) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ سخت ہے؟ (8) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ دور ہے؟ (9) وہ کون سی چیز ہے جو مقدار میں سب سے زیادہ ہے؟ (10) وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے؟

جب حضرت داؤد علیہ السلام یہ سارے سوالات کر چکے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے توفیق الٰہی کے توسط سے جواب دینا شروع کیا۔ انھوں نے کہا ''دنیا والوں میں سب سے زیادہ کم یاب یقین ہے۔ اولادِ آدم میں سب سے زیادہ پائی جانے والی چیز شک ہے۔ تلخ ترین چیز تونگری کے بعد مفلسی ہے۔ شیریں ترین چیز کفر کے بعد ایمان ہے۔ سب سے زیادہ پیاری چیز روح ہے جو جسم میں رواں دواں ہے۔ سب سے زیادہ ہیبت ناک چیز مردہ جسم ہے۔ سخت ترین چیز روح کا جسم سے نکلنا ہے۔ دور ترین چیز وہ دوست ہے جو خود کو ہلاک کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے کی بھی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔''

جب وہ ان سوالوں کے جواب دے چکے تو لوگوں میں شور برپا ہوا اور چاروں طرف سے آفرین آفرین کی صدا آنے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ''اب مصلحت اسی میں ہے کہ میں اپنی خلافت اس لڑکے کے سپرد کردوں۔''

اس مجلس میں تین ہزار سال کی عمر کا ایک بوڑھا موجود تھا۔ اس نے کہا ''میں اس لڑکے کی خلافت کے بارے میں اس وقت تک اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کرسکتا جب تک کہ یہ میرے دو سوالوں کا جواب نہ دے دے۔'' سلیمان علیہ السلام نے کہا ''آپ پوچھیں۔''

اس معمر شخص نے سوال کیا۔ پاکیزہ ترین چیز کون سی ہے؟ انھوں نے کہا ''دل۔'' پھر اس نے پوچھا پلید ترین چیز کون سی ہے؟ انھوں نے کہا ''دل''۔ اس نے کہا ''یہ کیا بات ہوئی ؟'' حضرت سلیمان نے کہا ''یہ دل ہی تو ہے جس کی پاکی کے سبب آدمی پاک ہوتا ہے اور اس کی کثافت کے سبب آدمی ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو جاتا ہے۔''

جب لوگوں نے یہ باتیں سنیں تو بہ یک زبان کہا ''ہم ان کی خلافت پر راضی ہیں اور ان کے حکم کے مطیع ہیں۔'' لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت وحکمرانی کی انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگلی میں پہنا دی۔

(45) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فراست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سارے معجزات نقل کیے گئے ہیں۔ روایت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی عمر سات سال کی ہوئی اور ان کے فیوض و برکات ظاہر ہونے لگے تو ان کی ماں انھیں بیت المقدس سے ربوہ نامی ایک گاؤں میں لے گئیں۔ رات ایک کسان کے گھر قیام کیا۔ درویشوں کی ایک جماعت وہاں پہلے سے مقیم تھی۔ صاحب خانہ کا ریشمی کپڑے کا ایک گٹھر گم ہو گیا اور ہر شخص مورد الزام ٹھہرا۔ ان کے درمیان ایک نابینا اور ایک لنگڑا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''تم لوگ جس چیز کی تلاش میں سرگرداں ہو، اسے اس لنگڑے نے چرایا ہے اور اس نابینا نے اس کے تعاون سے اسے کسی محفوظ مقام پر چھپا دیا ہے۔'' جب تفتیش کی گئی تو ایسا ہی پایا گیا۔

اتفاقاً اس رات مہمانوں کی کثرت کے سبب اس کسان کے گھر غذا کی قلت ہوگئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''دو گھڑوں میں پانی بھر دیا جائے۔ پھر انھوں نے دونوں گھڑوں پر اپنے ہاتھ پھیر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ایک گھڑے سے سفید آٹے کی روٹی

اور دوسرے سے صاف وشفاف خوشگوار شراب برآمد ہوئی جو اس جماعت کے لیے کافی ثابت ہوئی اور استعمال کے بعد بھی بچ رہی۔

(46) لالچ کا انجام

ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ایک یہودی ان کے ہمراہ ہوگیا۔ اچانک عیسیٰ علیہ السلام کی نگاہ ایک لنگڑے پر پڑی۔ یہودی نے کہا ''اگر آپ دعا کر دیں تو یہ لنگڑا صحت مند ہو جائے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور وہ مفلوج صحت یاب ہو گیا۔ جب تھوڑی دور آگے گئے تو ایک نابینا کو دیکھا کہ مایوسی کی حالت میں زاروقطار رو رہا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور اس نابینا کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ اب وہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ چلنے لگے یہاں تک کہ ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودی کا ہاتھ پکڑا اور پانی کی سطح پر چلتے ہوئے وہ تینوں دوسرے کنارے تک بخیر وعافیت پہنچ گئے۔

دریا پار کرنے کے بعد ان لوگوں نے کہا '' ہمیں بڑی بھوک لگی ہے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک ہرن پر پڑی جو صحرا میں گھوم رہا تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آواز دی اور وہ ہرن حاضر ہو گیا۔عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اسے ذبح کیا، کھال کو جدا کیا اور گوشت کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرن کی کھال میں باقی ماندہ ہڈیوں کو بھر دیا اور اس پر دم کیا۔اللہ عزوجل کے حکم سے ہرن دوبارہ زندہ ہوکر دوڑنے لگا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اسی صحرا میں چلتے چلتے ان کی نظر سونے کے ایک ڈھیلے پر پڑی یہودی نے چاہا کہ اٹھا لے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منع فرمایا اور کہا کہ اس میں ایک بلا پوشیدہ ہے۔ گھنٹے بھر کے بعد تین اشخاص اس مقام پر پہنچے اور اسے اٹھا کر ایک گوشے میں لے گئے۔ان میں سے ایک شخص شہر گیا تا کہ کھانے کا انتظام کرے۔اس شخص نے حرص و لالچ کے سبب کھانے میں زہر ملا دیا تا کہ اس کے دونوں ساتھی ہلاک ہو جائیں اور سونا صرف اس کے حصے میں آئے۔

جب وہ کھانا لے کر اپنے دوستوں کے پاس پہنچا تو ان دونوں نے یہ سوچ کر کہ سونے پر تیسرے کا کوئی حصہ نہ ہو فوراً اس پر حملہ کر دیا اور اسے ہلاک کر ڈالا ۔ تیسرے دوست کو ہلاک کرنے کے بعد ان دونوں نے کھانا کھایا اور دونوں ہی اس زہریلی غذا کے سبب ہلاک ہو گئے ۔نتیجہ کے طور پر سونے کی وہ اینٹ وہیں پڑی کی پڑی رہی ۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس یہودی سے کہا'' اگر اب بھی تو اس سونے کی خواہش رکھتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ یہ تیری ملکیت میں آجائے ۔'' اس یہودی نے اپنی خواہش ظاہر کی اور اسے اٹھالیا۔ اسی لمحہ زمین نے اسے نگل لیا اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

(47) عورت کی بے وفائی

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گذر رہے تھے۔انھوں نے ایک جوان کو دیکھا جو زاروقطار رو رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے اشکوں کے چشمے رواں تھے۔عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم آ گیا، پوچھا'' کیوں رو رہے ہو؟'' جوان نے کہا''اے پیغمبر خدا! میری ایک بیوی تھی جو مجھے بہت محبوب تھی اور میرے لیے راحت جاں تھی۔ چند روز قبل اس کا انتقال ہو گیا۔اب وہ اس قبرستان میں مدفون ہے ۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے ۔ نہ ہی مجھے موت آتی ہے کہ ہماری روحیں ایک دوسرے سے جا ملیں اور نہ ہی اس کا خیال دل سے جاتا ہے کہ صبر وقرار حاصل ہو۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا'' اس کی قبر کہاں ہے؟'' جوان نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا ۔ چونکہ اس نے ایک غلط قبر کی طرف اشارہ کیا تھا، فوراً ایک سیاہ چہرے والا شخص اس قبر سے برآمد ہوا ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا'' تم کون ہو اور کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟'' اس شخص نے اپنا نام بتایا۔اب یہ پتہ لگا کہ وہ کفر کی حالت میں مرا تھا اور اب تک عذاب میں مبتلا تھا ۔ اس شخص نے فوراً اسلام قبول کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔اس واقعہ کے بعد وہ شخص ایک مدت تک زندہ رہا۔

پھر اس جوان نے کہا'' اے پیغمبر خدا ! مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے غلط قبر کی نشاندہی کی ۔'' پھر اس نے صحیح قبر کی طرف اشارہ کیا ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور

اس قبر سے اس کی بیوی زندہ باہر آئی اوراس جوان کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چل پڑی ۔ راستے میں اس شہر کا شہزادہ ان سے دو چار ہوا ۔ وہ فوراً اس خوبصورت عورت پر عاشق ہو گیا اور کہنے لگا ''یہ تو میری کنیز تھی ۔'' عورت نے جب شہزادے کے حسن کو دیکھا تو وہ بھی شہوت رانی کی طرف مائل ہوئی ۔ اس کی اصل بے وفائی اس وقت ظاہر ہوئی جب اس نے بر ملا کہا کہ وہ اس کی کنیز ہے اور پہلے بھی وہ اس شہزادے کے ساتھ ہی رہتی تھی ۔

جوان نے سخت احتجاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی خبر ہوگئی ۔ وہ تشریف لائے اور کہا ''اے عورت ! تو اپنی بے وفائی اور بے شرمی سے باز آجا ۔ کیا تو مردہ نہیں تھی جب اس غمزدہ شخص نے مجھ سے دعا کی فریاد کی ؟'' اللہ نے میری دعا کی برکت سے تجھے دوبارہ زندہ کر دیا ۔'' عورت نے انکار کیا اور کہا '' آپ مجھے نہیں پہچانتے ۔آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے ۔'' وہ اپنی بات پر اصرار کرتی رہی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور وہ عورت فوراً زمین پر گری اور مر گئی ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا '' انسانی احوال کے عجائب پر غور کرو ۔ ایک کافر شخص جو میری دعاؤں کے طفیل زندہ ہو گیا حلقہ بگوش اسلام ہوا اور مسلمان کی حیثیت سے مرا لیکن وہ عورت جو کہ مومنہ تھی جب میری دعا کی برکت سے دوبارہ زندہ ہوگئی تو اپنے نفس کی خباثت کے سبب کافرہ ہوگئی اور کفر کی حالت میں مری ۔''

یہ حکایت ان ہوشمندوں کے لیے تنبیہ ہے جو اپنے خاتمہ پر غور نہیں کرتے اور حق تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کی طلب نہیں کرتے ۔ اس واقعہ میں جوانوں کے لیے بھی درس ہدایت ہے کہ وہ عورتوں کے عشق میں پاگل نہ بنیں کیونکہ ان کی فطرت میں بے وفائی ہے ۔

(48) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کا دعوت حق

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قلعۂ انطاکیہ کے جانب دو قاصد بھیجے ۔ ایک کا نام قاروص اور دوسرے کا نام کاروص تھا ۔ مقاتل بن سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ایک کا نام دومان اور دوسرے کا نام مالوص تھا ۔ جب وہ دونوں شہر انطاکیہ پہنچے تو ایک

بوڑھے کو دیکھا جو بھیڑ چرا رہا تھا۔ انھوں نے سلام کیا۔ بوڑھے نے دریافت کیا'' آپ کون ہیں اور یہاں کس کام سے آئے ہیں؟'' انھوں نے کہا'' ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں جو اللہ کے پیغمبر ہیں ۔ہم آپ کو دینِ حق کی دعوت دینے اور ان بتوں کی پرستش سے باز رکھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ بولتے ہیں۔''

بوڑھے نے پوچھا'' کیا تم لوگوں کے پاس کوئی حجت یا دلیل ہے؟'' انھوں نے کہا ''ہاں، اگر کوئی بیمار ہوتو ہمارے دم سے شفا پا جاتا ہے۔ اگر کوئی مادر زاد نابینا ہوتو ہماری دعا کی برکت سے بینا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی برص زدہ ہوتو ہماری دعا سے شفایاب ہو جاتا ہے۔'' بوڑھے نے کہا'' میرا ایک بیٹا ہے جو دو سال سے صاحبِ فراش ہے اور تمام حکما اس کے معالجہ سے عاجز آچکے ہیں۔ اگر وہ بیمار تم لوگوں کی دعاؤں کی برکت سے شفا پا جائے تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ تمھارا دین، دینِ حق ہے۔'' انھوں نے کہا'' آپ مجھے اپنے گھر لے چلیں تا کہ ہم مریض کو دیکھ سکیں۔''

وہ بوڑھا انھیں اپنے گھر لے گیا۔ جیسے ہی انھوں نے مریض کو دیکھا، دعا شروع کر دی اور اس پر دم کیا۔ مریض اٹھ کھڑا ہوا۔ اس واقعہ کی خبر شہر کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اللہ عزوجل نے ان کی دعاؤں کی برکت سے بہت سارے مریضوں کو شفایاب کیا۔ اس بوڑھے کا نام جو انھیں اپنے گھر لے گیا تھا'' حبیب نجّار'' تھا۔

اس شہر کے بادشاہ کا نام شلاحن تھا۔ جب اس کو یہ اطلاع ملی تو اس نے انھیں بلا بھیجا اور پوچھا'' تم لوگ کون ہو؟'' انھوں نے کہا'' ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں۔ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تمھیں من چاہی زندگی سے باز رکھیں اور خدا پرستی کی دعوت دیں۔ تمھیں بت پرستی سے دور رکھیں اور زمین و آسمان کے حقیقی رب کی طرف بلائیں۔''

بادشاہ نے پوچھا'' تمھاری رسالت کی نشانی کیا ہے؟'' انھوں نے کہا'' ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں، مادر زاد نابینا کو دیکھنے کی قوت عطا کرتے ہیں۔'' شلاحن نے کہا'' کیا تم یہ کہتے ہو کہ ہمارے ان خداؤں کے علاوہ بھی کوئی خدا ہے؟'' انھوں نے کہا'' ان خداؤں کی

حیثیت جنھیں تم پوجتے ہو،لکڑی اور پتھر سے زیادہ کچھ بھی نہیں ۔اللہ تو وہ ہے جو سارے عالم کا خالق و مالک ہے اور لوگوں کو رزق عطا کرتا ہے ۔'' شلاحن نے کہا'' آپ لوگ آج واپس جائیں تا کہ ہم آپ کے کاموں پر غور کریں ۔''

جیسے ہی وہ بادشاہ کے محل سے باہر آئے لوگوں کے ایک مجمع نے انھیں آ دبوچا اور خوب زدوکوب کیا۔دونوں ہی قید میں ڈال دیے گئے ۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنے دوسرے حواری جن کا نام شمعون تھا اس شہر کی طرف بھیجا۔شمعون شہر انطاکیہ پہنچے اور وہاں کے افسروں کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آئے یہاں تک کہ انھوں نے بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیا۔

ایک دن شمعون نے بادشاہ سے کہا'' میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو اشخاص کو قید میں ڈال دیا ہے ۔کیا کسی نے ان کے ساتھ کوئی مناظرہ کیا تھا یا کوئی معجزہ و دلیل طلب کی تھی۔ شلاحن نے کہا'' میں خود ان کی باتوں سے ناراض و کبیدہ خاطر ہو گیا تھا اور میرا غیض و غضب مانع ہوا کہ میں ان کی حجت سنوں ۔'' شمعون نے کہا'' اگر بادشاہ کو ناگوار نہ ہو تو ان کو دربار میں حاضر کیا جائے ۔'' بادشاہ نے حکم دیا کہ انھیں دربار میں پیش کیا جائے ۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ ان کو یہاں کس نے بھیجا ہے۔انھوں نے برجستہ کہا'' ہمیں پیغمبر خدا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھیجا ہے۔''

شمعون نے پوچھا'' عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کی صفت کیا ہے ۔مختصراً بیان کرو۔'' انھوں نے کہا ''اس نے جو چاہا کیا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔''شمعون نے دریافت کیا ''تمھاری رسالت کی علامت کیا ہے؟ انھوں نے کہا'' بادشاہ جو چاہے ہم اسے انجام دینے کے لیے تیار ہیں ۔''

بادشاہ نے ایک غلام کو حاضر ہونے کا حکم دیا جس کی دونوں آنکھیں نہیں تھیں اور آنکھوں کی جگہیں ہموار تھیں ۔شمعون نے کہا'' اگر تم رسالت کا دعویٰ رکھتے ہو تو اپنے خدا سے کہو کہ اسے آنکھیں عطا کر دے۔'' ان لوگوں نے دعا کرنی شروع کی اور شمعون بھی زیر لب دعا میں مشغول ہو گیا۔اچانک اس لڑکے کی دونوں آنکھوں کی جگہوں پر شگاف پڑ گئے ۔

ان لوگوں نے تھوڑی سی مٹی لے کر دو گولیاں بنائیں، پتلیوں کی جگہ نصب کیا اور اللہ نے اس لڑکے کو قوت بصارت سے نوازا۔ وہ دیکھنے لگا اور بادشاہ اس معجزہ پر ششدر رہ گیا۔

شمعون نے بادشاہ سے دریافت کیا ''جہاں پناہ! اگر آپ اپنے خداؤں سے یہ ساری چیزیں طلب کریں تو کیا اچھی بات ہوگی۔ اس طرح ان معبودوں کو بھی شہرت و مقبولیت حاصل ہوگی۔'' بادشاہ نے کہا ''تم سے کیا چھپانا! ہمارے معبود تو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ کھا سکتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں۔'' شمعون نے کہا ''اگر اس شہر میں کوئی دوسرا نابینا غلام ہے تو اسے حاضر کیا جائے۔'' دوسرا نابینا غلام حاضر کیا گیا شمعون نے وہی سب کچھ کیا جو ان دونوں نے کر دکھایا تھا اس لڑکے کی قوت بصارت لوٹ آئی۔

شمعون نے اپنے دین و مذہب کو اب تک چھپائے رکھا تھا۔ جب انھوں نے اس معجزہ کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ شمعون نے ان قاصدوں سے کہا ''میں آپ لوگوں سے ایک چیز کی طلب رکھتا ہوں۔'' انھوں نے کہا ''کہیے آپ کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے کہا ''تمھارا خدا اس بات پہ قادر ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کر دے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ایمان لے آئیں۔'' انھوں نے کہا ''ہمارا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔''

شلاحن نے کہا ''یہاں ایک جوان ہے جو ایک ہفتہ سے مردہ پڑا ہے۔ وہ ایک کسان کا بیٹا ہے اور اس کا باپ غائب ہے۔ جب تک اس کا باپ نہ آجائے میں اس کی تدفین کی اجازت نہیں دے سکتے۔'' اس مردہ کو لایا گیا۔ لاش بوسیدہ ہو چکی تھی۔ تعفن اور بدبو آرہی تھی۔ لوگوں کو بھی پریشانی لاحق تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ قاصدوں نے دعا کرنی شروع کر دی اور ادھر شمعون بھی زیر لب دعا میں مشغول ہو گئے۔

اچانک اس مردہ میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا ''میں ایک ہفتہ تک مردہ پڑا رہا۔ مجھے شرک وکفر کے سبب دوزخ کے ساتویں طبقہ پر رکھا گیا۔ میں تم لوگوں کو ڈراتا ہوں اور تنبیہ کرتا ہوں کہ عذاب دوزخ سے دور رہو اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ میں عذاب میں مبتلا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ تین حضرات میری شفاعت کر رہے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا وہ تین حضرات کون ہیں؟'' اس نے کہا ''شمعون اور ان کے دو دوست۔''

بادشاہ کو اس کی بات پر بہت تعجب ہوا ۔شمعون جب یہ سمجھ گیا کہ بادشاہ کو اس کی حقیقت کا پتہ چل چکا ہے تو انھوں نے اسے اللہ کی طرف بلایا۔ بادشاہ کے ساتھ عوام کی بڑی تعداد ایمان لے آئی ۔ ہنوز بیشتر اہل شہر کفر پر قائم رہے۔ اللہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا تا کہ وہ خوفناک آواز پیدا کریں ۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے خوفناک آوازیں پیدا کیں تو تمام کفار فنا ہو گئے اور جہنم رسید ہوئے ۔

(49) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

ہمیں جاننا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سارے معجزات منسوب ہیں اور ان تمام معجزات کی تین قسمیں ہیں ۔ اول مبشرات ، دوم معجزات اور سوم بینات ۔

مبشرات سے مراد وہ سارے واقعات ہیں جو ظہور رسالت سے قبل صادر ہوئے ۔ معجزات کا تعلق ان معجزوں سے ہے جو دوران تبلیغ رسالت صادر ہوئے۔ بینات وہ معجزات ہیں جو ان کے عہد مبارک میں ظہور میں آئے لیکن ان کا اثر تا قیامت باقی رہے گا۔

معجزوں کی تعداد کے سلسلے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے ۔ بعضوں نے معجزوں کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے اور بعضوں کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ بعضوں نے چار ہزار معجزے شمار کیے ہیں ۔اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزوں کو جمع کریں تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی لیکن میرا مقصد یہ نہیں ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو اختصار کے ساتھ قلمبند کروں تا کہ وہ خداوند خواجہ جہاں و دستور صاحب قران نظام الملک کی نظروں سے گذرے اور وہ ثواب و برکات سے مستفیض ہوں ۔

(50) سیف ذی یزن کی پیشنگوئی

آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے قبل ہی ان کی آمد کی خوشخبری عالم انسانیت تک پہنچ چکی تھی اور عرب کے علما و فضلا اور کاہن حضرات نے ان کی تشریف آوری کی پیشنگوئی

کر دی تھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے سلسلے میں بہت ساری حدیثیں نقل کی جاتی ہیں ۔ان میں سے ایک درج ذیل ہے :

جب سیف ذی یزن، ملک یمن پہنچا اور قبیلہ حمیر کی حکومت کو ترقی نصیب ہوئی تو ملک عرب کا ایک وفد اسے مبارک باد پیش کرنے کی غرض سے اس کے دربار میں پہنچا۔عبدالمطلب جو کہ مکہ کے جانے مانے رئیس اور قریش کے سردار تھے اس وفد کی سربراہی فرما رہے تھے ۔ انھوں نے سیف ذی یزن کو مبارک باد پیش کی اور واپسی کی اجازت طلب کی ۔سیف ذی یزن نے انھیں آواز دی اور کہا'' میں آپ کو ایک راز بتانا چاہتا ہوں آپ اس امانت کو سنبھال کر رکھیں ۔آپ کے درمیان ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور وہ یتیم ہوگا ۔ان کے دادا اور چچا ان کی پرورش کریں گے ۔''

اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہو چکی تھی اور لوگوں نے عجیب وغریب آثار کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ وہ رب کائنات کے سایہ عاطفت میں پرورش پا رہے تھے ۔حضرت عبدالمطلب نے چاہا کہ وہ اس راز کو مخفی رکھیں لیکن غایت انبساط کے سبب انھوں نے ظہور رسالت کا سارا واقعہ بیان کیا ۔سیف ذی یزن نے انھیں مبارک باد پیش کی اور کہا'' آپ ان کے سلسلے میں یہودیوں سے ہوشیار رہیں کیونکہ وہ ان کے دشمن ہیں ۔میری تو خواہش یہ ہے کہ میں ان کی دعوت کو ظاہر کروں لیکن ڈرتا ہوں کہ دشمن بیدار نہ ہو جائیں اور سازشیں شروع نہ کر دیں ۔ہوسکتا ہے کہ میری عمر وفا نہ کرے اور میں اس دور نبوت تک زندہ نہ رہوں۔ میں اس کام کو اللہ پر چھوڑتا ہوں کیونکہ یہ اسی کا کام ہے۔'' ان کلمات کے بعد اس نے عبدالمطلب کو انعام واکرام سے نوازا۔

جب وہ باہر آئے تو دوسرے لوگوں نے بھی انھیں مبارک باد دی ۔حضرت عبدالملک نے کہا '' تم کیا سمجھتے ہو یہ کام اتنا آسان ہے؟ ویسے تم خود دیکھو گے کہ یہ کام کیسے انجام پائے گا۔''

(51) ہرمز بن شاپور کا خانہ کعبہ کو ڈھانے کا منصوبہ

جب ہرمز بن شاپور بادشاہ ہوا تو اس نے عربوں کے ساتھ دشمنی شروع کر دی ۔ جب بھی وہ کسی عرب کو پاتا قتل کر دیتا اور جس پر غضب ناک ہوتا تو اس کے شانوں کو نکال لیتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اسے لوگ ذوالاکتاف کے نام سے پکارتے تھے۔ جب اس نے چاہا کہ وہ اپنے جذبہ انتقام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے تو اس نے خانہ کعبہ کا قصد کیا تاکہ اسے ڈھا دے۔ یہ خبر سنتے ہی قریش مکہ پہاڑوں کی طرف بھاگے لیکن قصّی ابن کلاب جو قریش کے رہبر، عرب کے سردار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد تھے وہاں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ شاپور حرم تک آ پہنچا۔ آپ اس کے قریب گئے اور اس کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئے اور کچھ کہنے کی اجازت طلب کی۔

اجازت پانے کے بعد وہ اپنے عصا کے سہارے کھڑے رہے۔ خالق کائنات کی حمد وثنا کی اور بادشاہ کی سیرت بیان کی جو زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ پھر آپ نے شاپور کے اسلاف کی تعریف کی اور اس کی شخصیت کو بھی سراہا۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ بوڑھا جاننا چاہتا ہے کہ یہ سزا جو وہ عربوں کو دے رہا ہے کسی جرم کی پاداش میں ہے یا پھر اس میں بادشاہ کی کوئی اور مصلحت پوشیدہ ہے۔

شاپور نے کہا ''عربوں نے ہمارے خلاف کوئی جرم نہیں کیا لیکن کتابوں میں درج ہے کہ ہمارے ملک کا زوال اسی نسل کے کسی شخص کے ہاتھوں ہوگا۔ قصی نے یہ سن کر کہا ''اللہ اکبر! اگر یہ سبب ہے تو بادشاہ کو شائستگی سے کام لینا چاہیے اور تیغ انتقام کو نیام میں رکھنا چاہیے۔ اگر بادشاہ کے خیال میں یہ حکم آسمانی ہے تو یہ اتنی آسانی سے دفع نہیں ہوسکتا۔ بے گناہوں کے قتل سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور اگر آپ کے گمان کے مطابق وہ شخص ظاہر ہوجائے اور سن لے کہ اس کے اسلاف جو بے گناہ تھے کیسے تہ تیغ کیے گئے، تو یہ ضروری ہے کہ وہ انتقام لے گا اور اپنے انتقام کی خاطر جو چاہے گا کر گزرے گا۔ اگر اس وقت بادشاہ کی طرف سے رحمت و بخشش کا معاملہ ہو تو عین ممکن ہے کہ اس زمانے میں وہ اسے مراعات عطا کرے اور اس کا حق ادا کردے۔'' شاپور نے جب یہ بات سنی تو اس نے انتقام سے توبہ کی اور واپس لوٹ گیا۔

اہل عرب کہتے تھے کہ ہمیں تین بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی بخشی۔ ایک مذکورہ واقعہ ہے، دوسرا فیل کا واقعہ ہے اور تیسرا قحط کا واقعہ ہے جس میں حضرت ابو طالب کے ایما پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کی دعا کی اور اللہ نے بارش بھیج دی۔

(52) چاہ زم زم کی کھدائی

برکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں سے ایک یہ تھا کہ ان کی بعثت کا اثر ان کے جدامجد حضرت عبدالمطلب پر ہوا۔ اور یہ اس موقع پر ظہور میں آیا جب انھیں اللہ کی طرف سے چاہ زم زم کو کھودنے کا حکم ہوا۔ یہ وہی چاہ زم زم ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور قبیلہ جرہمیان کے عہد میں گندہ اور ناپید ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔

ایک روز حضرت عبدالمطلب حرم کعبہ میں سو رہے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے ''اے عبدالمطلب ! اٹھو اور چاہ زم زم کو صاف کرو اور اسے عبادت سمجھو۔'' عبدالمطلب بیدار ہوئے اور اہل قریش کو اپنے خواب سے آگاہ کیا۔ انھوں نے دریافت کیا ''کیا تمھیں بتایا گیا ہے کہ یہ کنواں کہاں ہے؟'' ''نہیں'' انھوں نے جواب دیا۔

لوگوں نے کہا ''دوبارہ آپ وہاں جا کر سوئیں۔ اگر یہ روحانی خواب ہے تو آپ کو اس کی جائے وقوع کی نشاندہی کر دی جائے گی اور اگر یہ شیطانی خواب ہے تو آپ کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں پہنچے گی۔''

عبدالمطلب اسی مقام پر جا کر سو گئے۔ دوسری بار اسی شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا ''اٹھو اور چاہ زم زم کو پاک کرو کیونکہ یہ تمھارے آباواجداد کی میراث ہے اور مستقبل میں یہ تمھاری بزرگی کی دلیل ہوگی۔ اگر اس کنویں کو کھودنے میں دشواری پیش آئے تو پریشان نہ ہونا۔ یہ کنواں خون اور فضلہ کے درمیان ہے۔ اس کی جائے وقوع اساف اور نائلہ کے درمیان ہے جو اہل مکہ کی قربان گاہ ہے۔''

اساف اور نائلہ دراصل دو بت تھے۔ ایک صفا پر اور ایک مروہ پر اور اہل عرب ان کے درمیان قربانی کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قبیلہ جرہم کے دور میں ایک عورت اور ایک مرد نے حرم کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا۔ خدائے تبارک و تعالیٰ نے انھیں پتھر کا بنا دیا اور وہ ان دو پہاڑوں پر اب بھی نصب ہیں۔ عبدالمطلب نے کہا ''مجھے اس سے بہتر نشانی چاہیے۔'' کہنے والے نے کہا ''یہ وہ مقام ہے جہاں شہد کی مکھیوں نے چھتے بنا لیے ہیں اور کوے دانے چگتے ہیں۔ تم اس مقام پر کھدائی شروع کرو تاکہ مقصد برآئے۔''

جب حضرت عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے تو اسی مقام پر پہنچے۔ مطلوبہ نشانی ملی۔ انھوں نے کدال وغیرہ سے لیس اپنا کام شروع کر دیا۔ فوراً اہل مکہ وہاں جمع ہو گئے اور کہنے لگے ''ہم تمھیں اس مقام پر جو ہمارے بتوں کے درمیان واقع ہے اور ہماری قربان گاہ ہے ہر گز کھدائی کی اجازت نہیں دیں گے۔ اگر چاہ زم زم ظاہر ہو گیا تو ہم یہاں اپنے اونٹ قربان نہیں کر پائیں گے۔''

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث سے کہا ''انھیں یہاں سے دور کر دو اور ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر ساری دنیا کے لوگ بھی جمع ہو جائیں اور مجھے منع کریں تب بھی میں اس کام کو ترک نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے یہ حکم عالم غیب سے ملا ہے۔ جب اس جماعت نے حضرت عبدالمطلب کی اولوالعزی کو دیکھا تو اسے ایک بیہودہ اور بیکار کام سمجھ کر خاموش ہو گئے۔

ادھر حضرت عبدالمطلب مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ جب اس مقام سے گندگی اور مٹی ہٹائی گئی تو چاہ زم زم کے نشانات واضح ہونے لگے۔ حضرت عبدالمطلب نے یہ دیکھ کر نعرہ بلند کیا۔ عربوں کو اب یقین ہو گیا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب انھیں اپنی ضرورت کا احساس ہوا۔ وہ طرح طرح کی تاویلیں پیش کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا ''یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے اور اس پر ہمارا حق بنتا ہے۔ اگر تم اپنے اس کام میں ہمیں شریک کرتے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ورنہ ہم یہ قبول نہیں کریں گے کہ تم اور تمھاری اولاد اس دولت کے تنہا حقدار بنیں۔ عبدالمطلب نے کہا ''تم سب یہ جانتے ہو کہ یہ اعزاز مجھے حاصل ہوا ہے نہ کہ تمھیں! اگر مشیت ایزدی چاہتی تو تمھیں یہ شرف حاصل ہوتا اور تم اس بات کی نشاندہی کرتے۔ تم تو اس کنویں کو بھول چکے تھے اور اس کی ساری نشانیاں مٹ چکی تھیں۔''

اہل عرب نے کہا ''ہم یقیناً اس وقت تک تمھاری مخالفت کریں گے جب تک کہ تم ہمیں اس کام میں شریک نہ کر لو۔'' عبدالمطلب نے کہا ''بہتر یہ ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان ایک ثالث مقرر ہو تا کہ ہم اس کے فیصلہ پر عمل کریں اور اس کے مشوروں کو قبول کریں۔'' انھوں نے کہا ''ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔ ایک کاہنہ عورت ہے جو قبیلہ بنی سعد بن ہدیم

سے تعلق رکھتی ہے غیب کی خبر جانتی ہے اورروحوں کی مدد سے حق و باطل کا فیصلہ کرتی ہے ۔ وہ سرحد شام میں رہتی ہے ۔ ہم اس کے پاس جائیں اور یہ قضیہ رکھیں ۔ وہ جو کہے گی ہم مان لیں گے ۔'' اس قول وقرار کے بعد وہ منزل کی طرف روانہ ہو گئے ۔ چند روز کی صحرا نوردی کے بعد ان کے قافلہ میں پانی کی قلت ہوگئی ۔ تمام مشکیں خالی ہوگئیں اور پیاس کی شدت اس انتہا کو پہنچی کہ ان کے سامنے موت کا منظر گھومنے لگا ۔

قبیلہ قریش کے لوگ جو ساتھ تھے پانی کی مانگ کرنے لگے ۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا'' یہاں تو پانی بالکل میسر نہیں اور نہ ہم کسی سے پانی طلب کر سکتے ہیں ۔ میں بھی اس قلت سے محفوظ نہیں ہوں ۔'' جب اس جماعت نے شدت سے پانی کی مانگ کی تو عبدالمطلب نے دوستوں سے کہا'' بہتر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ایک گڑھا کھودے اور اس بات کا انتظار کرے کہ جو پہلے مرتا ہے اسے اس میں دفن کر دیا جائے ، یہاں تک کہ ایک آخری شخص بچ رہے ۔ ایک فرد کی موت کی صورت میں یہ صرف ایک شخص کا نقصان ہوگا نہ کہ جماعت کا ۔'' سبھوں نے کہا'' ہاں یہ بات صحیح ہے ۔''

حضرت عبدالمطلب کے مشورہ کے مطابق ہر شخص نے ایک گڑھا کھودلیا ۔ عبدالمطلب نے کہا'' ہم قطعی طور پر دل برداشتہ نہ ہوں اور نہ ہی خود کو دست اجل کے حوالے کریں ۔ بہتر یہ ہوگا کہ چند ساعت ہم پانی کے لیے دعا کریں ۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مقام پر پانی نمودار ہو جائے ۔''

حضرت عبدالمطلب اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے اور اسے دوڑانے کی کوشش کی ۔ جب اونٹنی کھڑی ہوئی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے سینہ سے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ۔ وہ پانی انتہائی صاف وشفاف اور میٹھا تھا ۔ حضرت عبدالمطلب نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اونٹنی سے نیچے آئے ۔ اس پانی سے اپنے ساتھیوں کو سیراب کیا اور اپنے مخالفین کو بھی دعوت دی ۔ جب اس جماعت نے یہ کرامت دیکھی تو کہنے لگے'' اب ہماری مخالفت ختم ہوگئی اور ہماری طرف سے چاہ زم زم پر کوئی دعویٰ نہ رہا ۔ جب خدائے تعالیٰ آپ کو اس بیابان میں کنواں کھودنے کی تکلیف کے بغیر پانی فراہم کرسکتا ہے تو پھر مکہ میں آپ کو چاہ زم زم کا اعزاز بخشنا کوئی حیرانی کی بات نہیں ۔'' لہٰذا تمام لوگ واپس چلے گئے اور اس اعزاز کو خاص ان کے لیے ہی مخصوص سمجھا گیا ۔

جب حضرت عبدالمطلب چاہ زم زم کی کھدائی مکمل کر چکے تو انھیں اس مقام سے دوسونے کے ہرن، چند شمشیر اور چند زرہ بکتر ملے۔ عربوں نے پھر مخالفت شروع کر دی اور ان چیزوں میں اپنا حصہ مانگنے لگے۔ حضرت عبد المطلب نے کہا ''اگر تم صحیح سمجھتے ہو تو میں قرعہ اندازی کروں۔ ایک کعبہ کے نام پر، دوسرا میرے نام پر اور تیسرا تمھارے نام پر۔''

اس بات پر انھوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور چھ تیر جنھیں وہ واقداح کہتے تھے تیار کر لیے۔ دو زرد تیر کعبہ کے نام، دو سیاہ تیر عبدالمطلب کے نام اور دو سفید تیر قریش کے نام مختص کیے گئے۔ جب انھوں نے ان تیروں کو پھینکا تو ان میں سے دو زرد تیر دوسونے کے ہرن پر لگے جو کہ خانہ کعبہ کا حصہ تھا۔ دو سیاہ تیر شمشیروں اور زرہ بکتروں پر لگے جو عبدالمطلب کا حصہ تھا لیکن قریش کے تیروں کے حصے میں کچھ نہ آیا۔ الغرض حضرت عبدالمطلب نے دوسونے کے ہرن کو پگھلایا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر صرف کیا۔ یہ خانہ کعبہ کے دروازے پر اولین زردوزی کا کام تھا۔ یہ عز وشرف جو انھیں نصیب ہوا صرف اس وجہ سے تھا کہ ان پر اختر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ فگن تھا۔

(53) حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی جاں بخشی

مغازی کے مولف محمد بن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے دوبارہ چاہ زم زم کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت ان کے پاس صرف ایک بیٹا حارث تھا۔ انھوں نے کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر یہ نذر مانگی کہ اگر خدا تعالیٰ انھیں دس بیٹے عطا کرے تو وہ ان میں سے کسی ایک کو اس کے سن بلوغت پر پہنچتے ہی خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اللہ نے انھیں دس اولاد نرینہ عطا کی اور سبھی سن بلوغت کو پہنچے۔ ان دس لڑکوں کے نام تھے حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوّم، حمزہ، عباس، ابو طالب، ابولہب اور عبداللہ۔ ان تمام بھائیوں میں عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔

ایک دن عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر کی بات بتائی۔ انھوں نے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ اپنی نذر پوری کروں۔ تم لوگ کیا کہتے ہو۔'' سبھوں نے کہا ''ہم آپ کے

فرمانبردار ہیں۔ جسے آپ حکم کریں گے وہ اپنا سر پیش کردے گا لیکن آپ یہ کام کیسے انجام دیں گے؟'' عبدالمطلب نے کہا ''میں ہر ایک کے نام پر قرعہ ڈالوں گا۔''

الغرض انھوں نے قرعہ اندازی کی تیاری کی اور خانہ کعبہ کے دروازے کے نزدیک قرعہ اندازی کے قواعد کے مطابق قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ کے نام آیا۔ وہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور عبدالمطلب انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ جب ان کے نام کا قرعہ آیا تو عبدالمطلب نے چھری اٹھائی اور عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اساف اور نائلہ کے درمیان لے آئے جو قریش کی قربان گاہ تھی۔

قبیلہ قریش اور بنی زہرہ کے سردار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اے عبدالمطلب!'' تم اس نہال چمن کو کیوں قربان کرنا چاہتے ہو؟'' عبدالمطلب نے کہا ''میں نے یہ عہد کیا ہے اور میں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ لوگ ابھی عبدالمطلب سے بحث ومباحثہ ہی کر رہے تھے کہ عباس نے بڑھ کر عبداللہ کو اپنے باپ کے قبضہ سے باہر کھینچا اور زخمی ہو گئے اور اس زخم کا اثر آخری عمر تک ان کے چہرے پر نمایاں رہا۔ اہل قریش نے کہا '' ہم یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اسے قتل کریں۔ اگر یہ سنت قائم ہو جائے گی تو ہر شخص اپنے بچے کو قربان کرے گا اور دنیا کی آبادی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اگر بہتر سمجھیں تو ہم اپنا سارا مال اس کی جان کے عوض قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

سبھوں نے ایک آواز ہو کر کہا '' ملک حجاز میں ایک فال نکالنے والا سجاح نامی شخص رہتا ہے۔ اگر آپ اس سے رجوع کریں تو مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔ اگر وہ کہے کہ آپ لڑکے کو قربان کریں تو مجبوری ہے۔ اگر وہ کہے کہ اس کی جگہ آپ مال قربان کریں تو آپ مال کی قربانی دیں تا کہ فرزند سلامت رہے۔''

حضرت عبدالمطلب نے یہ رائے پسند کی اور منزل کی طرف چل پڑے۔ بیٹوں اور رشتہ داروں کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ سجاح کے پاس پہنچ کر سارا معاملہ بیان کیا۔ سجاح نے کہا '' آج آپ واپس جائیں کیونکہ ایک خبر دینے والا آج رات میرے پاس آنے والا ہے۔ میں اس سے دریافت کروں گا۔ وہ جو کہے گا میں آپ کو کل بتا دوں گا۔''

اس رات وہ وہاں مقیم رہے۔صبح سویرے کاہن کے پاس گئے ۔سجاح نے کہا’’میں نے آپ کے مسئلہ کا حل دریافت کرلیا ہے ۔آپ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کے پاس خوں بہا کے لیے کیا ہے؟‘‘انھوں نے کہا’’دس اونٹ۔‘‘

اس وقت ان کے پاس صرف دس اونٹ ہی تھے ۔سجاح نے کہا’’جب آپ گھر واپس پہنچیں تو دس اونٹ یکجا کریں ۔اس کے بعد عبداللہ اور دس اونٹ پر قرعہ ڈالیں ۔اگر قرعہ اونٹ کا نکلے تو آپ دس اونٹ کی قربانی دیں ۔اس صورت میں عبداللہ زندہ بچ جائے گا ۔اگر قرعہ عبداللہ کے نام آتا ہے تو ایسی صورت میں آپ اونٹ کی تعداد بڑھادیں اور دوسری بار قرعہ ڈالیں۔اونٹ کی جس تعداد پر قرعہ نکلے آپ اتنے ہی اونٹ قربان کردیں ۔اس طرح آپ اپنی نذر کی بوجھ سے آزاد ہوجائیں گے۔‘‘

حضرت عبدالمطلب شاداں وفرحاں مکہ کی طرف لوٹے ۔اپنی اولاد اور اقربا کو حرم کعبہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔قرعہ ڈالا گیا ۔ایک طرف عبداللہ اور دوسری طرف دس اونٹ ۔قرعہ عبداللہ کے نام کا آیا۔اونٹ کی تعداد بیس کردی گئی ۔پھر قرعہ عبداللہ کے نام کا آیا۔اونٹ کی تعداد میں مزید دس کا اضافہ کیا گیا پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام کا نکلا ۔یہاں تک کہ یہ تعداد ایک سو تک جا پہنچی اور قرعہ اونٹ کا نکلا۔قریش کے سرداروں نے کہا’’اب خدا آپ سے راضی ہوگیا ہے ۔اس نے آپ کے بیٹے کی جگہ اونٹوں کی قربانی قبول کرلی ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ نے خوشی خوشی خدا کا شکریہ ادا کیا۔بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور وہب مخزومی کے گھر آئے ۔انھیں اس بات کی اطلاع دی کہ انھوں نے سو اونٹ قربان کردیے اور گوشت وغیرہ مستحقین کو پہنچادیے ہیں۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد رسالت میں بھی اس تعداد کو معتبر سمجھا اور ایک سو اونٹوں کو ہی مکمل خوں بہا قرار دیا ۔یہی وجہ تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’میں ’ابن الذبیحین‘ ہوں یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ایک اسماعیل علیہ السلام جنھیں قربان گاہ پر لے جایا گیا اور خدائے عزوجل نے ان کے عوض قربانی کا بکرا بھیج دیا ۔دوسرا میرے والد عبداللہ جن کے عوض ہمارے دادا نے ایک سو اونٹ کی قربانی پیش کی۔‘‘

(54) عیسائی راہب بحیرا کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت

جب حضرت عبدالمطلب کی موت کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے خواجہ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوطالب کے سپرد کیا تا کہ وہ ان کی پرورش و پرداخت کریں۔ حضرت ابوطالب انھیں جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور ان کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

اہل قریش کی یہ عادت تھی کہ وہ سال میں دو بار شام کا سفر کرتے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی اس بات کی خبر دیتا ہے۔ جب حضرت ابوطالب نے اپنے آبا واجداد کے رسم کی پیروی میں شام کے سفر کا ارادہ کیا تو اس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سات سال تھی۔ انھوں نے چاہا کہ انھیں مکہ ہی میں چھوڑ جائیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور ان کی اونٹنی کا مہار پکڑ کر کہنے لگے ''آپ مجھے بھی لے چلیں۔'' حضرت ابوطالب کو ان کی یہ ادا پیاری لگی اور انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ کر لیا۔

ان کا کارواں شام کے راستہ پر بصریٰ نامی مقام پر پہنچا۔ اس مقام میں بحیرا نامی ایک راہب نے پہاڑی کی بلندی پر ایک عبادت گاہ بنائی تھی۔ وہ آبادی سے دور عزلت کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے قدیم کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا اور دلائل و براہین کا بھی قائل تھا۔ اس نے کسی قدیم کتاب میں یہ پڑھ رکھا تھا کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بصریٰ سے ہو کر گزریں گے اور اس کی نشانی یہ ہوگی کہ ایک سفید بادل ان کے سر پر سایہ فگن ہوگا تا کہ وہ آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے عبادت خانہ تعمیر کی تھی اور دن رات اسی تاک میں بیٹھا رہتا تا کہ وہاں سے قریش کا کوئی قافلہ گزرے۔

گرمی کا زمانہ تھا اور بادل آ جا رہے تھے۔ بحیرا بلندی سے نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر بادل کے ایک ٹکڑے پر پڑی جو ایک کارواں پہ سایہ فگن تھا۔ اسی لمحہ وہ عبادت خانہ کی چھت سے نیچے آیا اور طعام کا فوری انتظام کیا۔ وہ کارواں کے قریب آیا اور اس نے درخواست کی'' میں چاہتا ہوں کہ میں اپنا فریضہ ادا کروں۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ

حضرات میرے عبادت خانے میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ میں آپ کی ضیافت کرسکوں۔'' یہ کہہ کر وہ لوگوں کو عبادت خانے کے اندر لے گیا۔

چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کم سن تھے اہل قافلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی کی پیٹھ پر بیٹھا ہی رہنے دیا۔سب کے سب بغرض ضیافت اندر چلے گئے۔جب وہ لوگ بیٹھ چکے تو بحیرا نے ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھا۔اس نے کسی ایک شخص کے چہرے پر بھی نبوت و رسالت کی نشانی نہیں دیکھی۔وہ عبادت خانے کے چھت پر گیا اور دیکھا کہ بادل کا وہ ٹکڑا اب بھی اپنی جگہ قائم ہے۔وہ نیچے آیا اور اس نے پوچھا'' کیا تم قافلے والوں میں کوئی ہے جو اس مجلس میں موجود نہیں؟'' لوگوں نے کہا'' جی ہاں! وہ ایک لڑکا ہے جو آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ہم اسے باہر ہی چھوڑ آئے ہیں۔'' راہب نے درخواست کی کہ اس لڑکے کو بھی مجلس میں لے آئیں۔

حارث بن عبدالمطلب جو سب سے بڑے چچا تھے باہر آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اندر لے گئے۔جیسے ہی وہ عبادت خانہ کے اندر داخل ہوئے بحیرا کی نظر ان پر پڑی۔وہ تمام نشانیاں جو اس نے توریت وانجیل میں پڑھ رکھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے عیاں تھیں۔جب وہ سارے لوگ طعام سے فارغ ہو چکے تو راہب نے امتحان کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا'' لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔مجھے جواب دیں۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' مجھے لات وعزیٰ کی قسم نہ دیں۔مجھے ان کے نام سے کراہیت آتی ہے۔میرے نزدیک ان کی کوئی وقعت نہیں بلکہ میں تو ان کو دشمن تصور کرتا ہوں۔'' بحیرا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا'' زمین وآسمان کے خدا کی قسم! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں،کیا آپ قبول کریں گے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' آپ نے بہت بڑی قسم دے دی ہے،آپ بتائیں میں قبول کروں گا۔''

بحیرا نے کہا'' آپ اپنی چادر اتار دیں میں آپ کو بہتر طور پر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اتار دی اور وہ مہر نبوت ظاہر ہو گیا جو آپ کے دونوں

کاندھوں کے درمیان تھا۔ایک دائرہ تھا جوتل کی شکل میں ابھرا ہوا تھا اوراس پر نبوت کی مہر تھی۔ جب بحیرا نے یہ دیکھا تو اس نے مہر نبوت کا بوسہ لیا اوراپنی آنکھوں سے لگایا۔

بحیرا نے حضرت ابو طالب سے پوچھا ''اس لڑکے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟'' حضرت ابوطالب نے کہا '' یہ میرا بیٹا ہے۔'' بحیرا نے کہا ''ایسا تو ہونہیں سکتا کہ اب تک اس لڑکے کا باپ بقید حیات ہو۔''

حضرت ابو طالب نے کہا '' جی ہاں ! ایسا ہی ہے ۔ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے لیکن مجھے یہ تمام اولاد سے زیادہ عزیز ہے'' ۔ بحیرا نے کہا '' آپ نے صحیح فرمایا ۔ اب آپ میری نصیحتوں پر غور کریں ۔ اس لڑکے کو شام نہ لے جائیں کیونکہ یہودیوں کی ایک جماعت ان کے جان کی دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ ان پر حملہ آور ہوں ۔ اس لڑکے کو ایک بہت ہی عظیم کارنامہ انجام دینا ہے۔''

(55) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''میرے والد ایک کسان تھے اور اصفہان کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ وہ زرتشتی مذہب کے پیروکار تھے۔ میرے علاوہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ایک پل کے لیے بھی ان کی نظروں سے دور رہوں۔

ایک روز انھوں نے کسی کام سے مجھے دور دراز کے سفر پر روانہ کیا۔ راستے میں مجھے ایک گرجا ملا جہاں عیسائیوں کی ایک جماعت ٹھہری ہوئی تھی ۔ جماعت میں شامل افراد ذکر و اذکار میں مشغول تھے اور انجیل پڑھ رہے تھے ۔ میں نے جب انھیں دیکھا تو مجھے ان کی یہ روش پسند آئی ۔ میں زرتشتی مذہب چھوڑ کر عیسائی مذہب کا پیروکار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ میری تربیت میں لگ گئے ۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جو دین تمھیں پسند ہوگا وہ ظاہر ہونے والا ہے اور جو پیغمبر وہ دین لے کر آئیں گے ان کے مبعوث ہونے کا وقت بھی قریب ہے ۔ اب تمھارے لیے یہ بہتر ہے کہ تم شام کی طرف رخ کرو۔ اگر تمھارے والد کو اس بات کا پتہ چل بھی گیا تو وہ تمھیں تلاش نہ کر پائیں گے اور نہ ہی اپنے مذہب میں واپس لا پائیں گے ۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ میری نگاہ اسی لمحہ ایک کارواں پر پڑی جو شام کی جانب رواں تھا۔ میں اس کارواں میں شامل ہو گیا۔ سفر کے دوران میں نے ان سے ایک ایسے عالم کا پتہ پوچھا جو انتہائی نیک اور متقی ہو۔ مجھے وہ ایک بزرگ کے پاس لے گئے۔ میں تقریباً تین مہینے ان کی خدمت میں رہا۔ ان کی وفات کے بعد ایک یگانۂ روزگار عالم ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ میں نے ان کی خدمت کو اپنا فرض عین سمجھا۔ ان کی آخری سانس تک ان کے ساتھ رہا۔ انھوں نے مجھے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی بشارت دی اور کہا ''اگر تم انھیں پاؤ تو ان پر ایمان لے آنا اور میرے لیے دعائے خیر کرنا۔ ان کے سامنے میری اس تصدیق کی بھی گواہی پیش کرنا اور ان سے میری شفاعت کی گذارش کرنا۔'' انھوں نے مزید فرمایا ''تم بیکار نہ بیٹھو اور شہر عموریہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہاں ایک شخص رہتا ہے جو ظاہراً میری سیرت رکھتا ہے اور باطن میں میری سیرت سے بھی بہتر سیرت کا حامل ہے۔ ان کی خدمت میں اس وقت تک رہنا جب تک کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہ ہو جائے۔''

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''اس عالم کے انتقال کے بعد میں عموریہ پہنچا اور متذکرہ راہب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے مرشد کا سلام عرض کیا۔ انھوں نے میری خاطر و مدارت کی اور ان کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے جب یہ کہا کہ وہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور پھر مجھے شرف قبولیت بخشی۔

میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہا۔ وہ ہمیشہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کرتے اور مجھے ان سے بیعت کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے ''اگر میری قسمت میرا ساتھ دے اور میں ان کے زمانۂ ظہور تک زندہ رہوں تو میں اول شخص ہوں گا جو ان کے ہاتھوں پر بیعت کرے گا اور ان کی نصرت کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کرے گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ قبل اس کے کہ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا وہ انتقال فرما گئے۔

انتقال سے قبل انھوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں مکہ چلا جاؤں لیکن مجھے اس سفر کی استطاعت نہیں تھی۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ ایک جماعت مکہ کی جانب رخت سفر باندھ رہی ہے۔ میں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی غلامی قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا

تا کہ وہ مجھے شہر مکہ تک پہنچا دیں ۔ میں وہاں پہنچنے کے لیے بے قرار تھا ۔مکہ پہنچنے کے بعد میں سیدھے مدینہ کی جانب چل پڑا۔ میں مدینے میں ہی مقیم تھا کہ مجھے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی سرگرمیوں کی خبر ملی ۔

ایک دن اچانک یہ اطلاع ملی کہ پیغمبر آخرالزماں صل اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لا چکے ہیں۔ میں اس وقت کھجور کے ایک باغ میں کام کر رہا تھا ۔ایک طبق کھجور لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ صدقہ ہے جو میں آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور تناول سے گریز فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا'' تم اسے درویش صفت صحابہ کرام کی خدمت میں پیش کرو۔''

میں نے وہ تمام نشانیاں ان میں پائیں جو میں نے ان عیسائی علما کی زبان سے سن رکھی تھیں ۔ دوسرے دن بھی ایک طبق کھجور لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اور یہ کہا کہ ''یہ ہدیہ ہے'' ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا تناول فرمایا اور صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کردیا ۔ میں ان کا عاشق ہو گیا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔اس وقت سے آج تک کوئی غزوہ ایسا نہیں آیا جس میں میری شرکت نہ ہوئی ہو۔

(56) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد نے ایک خواب دیکھا کہ چاند آسمان سے سیدھے ان کے پاس آ گرا اور ٹوٹ کر سات حصوں میں بکھر گیا ۔انھوں نے یہ خواب اپنے چچا ورقہ بن نوفل سے بیان کیا ۔ ورقہ نے کہا '' اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ پیغمبر آخرالزماں مبعوث ہونے والے ہیں ۔ تجھے ان کی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور ان کی مصاحبت نصیب ہوگی ۔ان سے تیری سات اولاد ہوگی ۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سعادت کی منتظر رہیں ۔حسن اتفاق ایسا ہوا کہ انھوں نے کچھ مال واسباب تیار کر رکھا تھا تا کہ شام کی جانب ارسال کریں ۔ان کا ایک غلام جس کا نام میسرہ تھا ہمیشہ سفر میں جاتا رہتا تھا اور خرید وفروخت کے سامان مہیا رکھتا تھا ۔ایک

آزاد شخص نے یہ درخواست کی کہ اسے میسرہ کے ساتھ اس سفر میں روانہ کیا جائے ۔ ایک جماعت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وکالت کی کیونکہ وہ عربوں کے درمیان امانت داری ، ایمانداری اور سچائی کے سبب مقبول تھے ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سفر کے لیے ان کے چچا حضرت ابو طالب کی بڑی منت سماجت کی ۔ آخر کار انھوں نے اجازت دے دی ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہو گئے اور میسرہ کے ساتھ شام کے لیے روانہ ہو گئے ۔ حضرت خدیجہ نے میسرہ سے ان کی خدمت و تعظیم کی وصیت کی ۔

میسرہ جب ان کے ہمراہ تھے تو راستے میں ان سے متعلق حیرت انگیز واقعات مثلاً ابر کا سایہ وغیرہ کا ظہور ہوا ۔ جب وہ شام کی سرحد پر پہنچے تو ایک ایسے مقام پر اترے جہاں راہ میں ایک عیسائی راہب کی عبادت گاہ تھی جو نسطوری راہب کے نام سے مشہور تھے ۔ اس عبادت گاہ کے سامنے ایک درخت تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے نیچے آرام فرمایا ۔ نسطوری راہب وہاں آیا اور میسرہ سے جسے وہ پہلے سے ہی جانتا تھا دریافت کیا '' یہ کون ہیں جو اس درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں ؟'' وہاں تو صرف ایک پیغمبر ہی ہوسکتا ہے ۔'' میسرہ نے کہا '' وہ ایک عرب رئیس زادے اور قریش خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔'' اس نے ان کے حوالے سے اور بھی باتیں بتائیں ۔ نسطوری راہب نے یہ خوشخبری دی کہ وہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ایک دن ان کا دین مستحکم ہوگا اور ان کی شریعت کا پرچم بلند ہوگا ۔

جب وہ شام پہنچے تو سارے عربی تجار اپنا مال واسباب فروخت کر چکے تھے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میسرہ سے کہا '' اپنے مال کو بیچنے میں ذرا توقف سے کام لو اور مزید چند روز یہاں قیام کرو ۔'' ان کے ساتھیوں نے اپنے سامان باندھ لیے ۔ میسرہ بھی یہ چاہتا تھا کہ اس کے سامان جلد فروخت ہو جائیں لیکن میسرہ کے لیے کوئی چارہ نہ تھا ۔

چند دنوں کے بعد مغرب کی جانب سے ایک کارواں آیا ۔ آپؐ نے اپنا سامان بھاری منافع کے ساتھ فروخت کیا جس کا گمان بھی ممکن نہ تھا ۔ یہ منافع رسول صل اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے سبب ممکن ہوا ۔

جب وہ شام سے واپس لوٹ کر مکہ کے نزدیک پہنچے تو انھوں نے بھی رواج کے مطابق اپنی اونٹنی کو سجایا سنوارا۔اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ لوگ اپنی اونٹنیوں کو سجاتے اور ان میں سے ایک کو آگے بھیجتے جو ان کی آمد کی بشارت دیتی تھی ۔اس اونٹنی کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی اور ہر شخص تکلف سے پیش آتا تھا۔میسرہ نے اونٹنی کو آراستہ کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ وہ آگے جائیں تا کہ لوگ ان کی طرف رجوع ہوں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے اور صحرا کی طرف چل پڑے۔ابلیس لعین اپنی قدیم عداوت کے سبب آگے آیا اور اونٹنی کی مہار تھام لی تا کہ انھیں غلط راستے پر لے جائے۔ حضرت جبرئیل امین سدرۃ المنتہیٰ سے پرواز کرتے ہوئے سیدھے اس مقام پر پہنچے ۔ابلیس کو اپنے پر سے دے مارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار کو تھاما اور صحیح راہ پر لے آئے ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو ہر شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔کارواں کی بخیر وعافیت واپسی پر میسرہ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نسطوری راہب سے سنا تھا سب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کر دیا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا وہ خواب یاد آ گیا۔انھیں ان کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور پھر ازدواج کی سعادت نصیب ہوئی ۔ خدائے عزوجل نے انھیں سات اولاد سے نوازا جن میں ان کے بیٹے قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ۔وہ تینوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت کر گئے ۔ چار صاحبزادیاں تھیں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ،کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنھیں ایمان کی سعادت نصیب ہوئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے کی جانب ہجرت کا اعزاز بھی نصیب ہوا۔

(57) نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم آمنہ میں منتقل ہونا

ایک بار جب حضرت عبدالمطلب سفر کی حالت میں تھے ایک کاہن ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ان کے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر کہنے لگا ''میں تو اس نوجوان میں ملک ونبوت کی علامت دیکھ رہا ہوں اور بنی زہرہ کے بغیر یہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔''

جب حضرت عبدالمطلب اس سفر سے واپس آئے تو انھوں نے وہب کی لڑکی جو بنی زہرہ کے بطن سے تھی اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے منتخب کیا۔ کہتے ہیں کہ عروسی کے بعد جس دن حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہ گھر واپس ہوکر شب زفاف گزارنے والے تھے ان کے خیمے کے سامنے سے ایک یہودی عورت کا گذر ہوا جس کا تعلق بنی خشعم سے تھا۔ وہ عورت کاہنہ تھی، ستارہ شناس اور تعلیم یافتہ بھی۔ اس نے حضرت عبداللہ کی پیشانی پر امارت و سعادت کی علامتیں دیکھیں اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ انھیں ایک سو اونٹ بطور ہدیہ پیش کرے گی۔ حضرت عبداللہ نے کہا ''میں حرام کی طرف رغبت نہیں رکھتا۔'' اس واقعہ کے بعد وہ حضرت آمنہ کے قریب گئے اور ان سے مجامعت کی۔

چند دنوں کے بعد جبکہ نور نبوت حضرت عبداللہ کی جبیں سے رحم آمنہ میں منتقل ہو چکا تھا ان کی ملاقات پھر اسی کاہنہ سے ہوئی۔ کاہنہ نے جیسے ہی ان کو دیکھا، کہنے لگی ''اللہ کی پناہ! ہائے افسوس! میری تو وہ چاہت ہی بیکار تھی۔ جب میں نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پیشانی پر چمکتا ہوا دیکھا تھا تو مجھ میں لالچ پیدا ہوئی اور میں نے یہ چاہا کہ میں نور کے اس ٹکڑے کے لیے صدف بن جاؤں۔ وہ نور اب آپ کی پیشانی میں موجود نہیں۔''

حضرت عبداللہ نے پوچھا ''وہ نور کیا تھا؟'' اس نے کہا ''وہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ میری یہ خواہش تھی کہ میں اس گوہر کے لیے کان بن جاؤں لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔''

(58) خانہ کعبہ کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار

کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی سے قبل خانہ کعبہ کی دیواریں عام آدمی کے قد سے نیچی تھیں اور چھت کا وجود ہی نہ تھا۔ اہل عرب چاہتے تھے کہ اس گھر کی تعمیر کریں لیکن تعمیر نو کے لیے اس کی دیواروں کو منہدم کرنا ضروری تھا۔ اسی دوران طوفان کے سبب ایک تجارتی کشتی جدہ کے ساحل پر آ لگی۔ کشتی ٹوٹ گئی اور کشتی کے مالک نے ان تختوں

کواہل مکہ کے سپرد کیا۔ جب انھیں یہ تختے مل گئے تو اکابر قریش اور اشراف مکہ نے یہ طے کیا کہ وہ اللہ کے گھر کی تعمیر نئے سرے سے کریں۔

جب جب وہ خانہ خدا کی دیواروں کے قریب آتے سیاہ رنگ کا ایک سانپ ان پر حملہ آور ہوتا اور پھنکارتا۔ سب کے سب ہار مان گئے اور کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائے۔ اچانک ایک روز وہ سانپ خانہ کعبہ کی دیوار پر آ گیا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک قوی ہیکل پرندہ بھیجا جو آسمان سے نیچے اترا اور اس سانپ کو اپنے پنجوں اور چونچ کے درمیان دبا کر ہوا میں پرواز کر گیا۔ اس طرح اہل عرب کو اس بلا سے نجات ملی۔

اب وہ دوبارہ تعمیر کعبہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب کے سب اس عمارت کو منہدم کرنے سے خائف تھے۔ انھیں یہ اندیشہ غالب تھا کہ کہیں آسمان سے کوئی بلا نازل نہ ہو جائے۔ ولید بن مغیرہ نے پہل کی اور کہنے لگے ''میں اس دیوار کو منہدم کرنے کی ابتدا کرتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی واقعہ پیش آ جائے تو تم لوگ تامل کرنا اور اگر میں سلامت رہوں تو ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جانا۔'' اس نے ایک کلہاڑی اٹھائی اور کہا '' خداوندا! تو جانتا ہے کہ یہ انہدام تعمیر کی غرض سے ہے اور ہمیں اس تخریب سے اس کی تعمیر مقصود ہے۔'' لہٰذا انھوں نے ہر دیوار کے گوشہ کو توڑ ڈالا۔ اس دن تمام لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ انھیں بلا کی آمد کا اندیشہ ستانے لگا۔

جب ولید بن مغیرہ پر کوئی آفت نہ آئی تو ان کی جان میں جان آئی۔ دوسرے دن وہ لوگ صبح سویرے اٹھے اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ کعبہ کی دیواروں کو منہدم کر ڈالا اور اس کی بنیاد تک پہنچ گئے۔ وہ بنیادیں پتھروں کی تھیں جو کافی سنگین تھیں اور دانتوں کی طرح ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ کہتے ہیں کہ قریش مکہ میں سے کسی نے 'رکن یمانی' کے دو پتھروں کے درمیان کدال چلائی اور پوری قوت لگائی تاکہ اسے اکھاڑ پھینکے۔ اس واقعہ سے تمام مکہ لرز اٹھا۔ پھر انھوں نے اس بنیاد کو وہیں رہنے دیا اور اس پر سے تعمیر شروع کی۔ یہاں تک کہ ان کی تعمیر کا سلسلہ رکن یمانی تک پہنچ گیا۔

انھوں نے چاہا کہ حجر اسود کو رکن یمانی پر رکھیں۔ اس سلسلے میں قریش کے رؤسا اور سادات میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ اس پتھر کو اٹھا کر رکن

یمانی پر رکھے ۔ وہ تعمیر کا کام چھوڑ کر جنگ و جدال پر اتر آئے اور اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں ۔

پانچ روز کی مسلسل قتل وخون کے بعد وہ خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور صلاح ومشورہ کا آغاز ہوا۔ ابوامیہ بن مغیرہ نے جو کہ ان میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے قریش کی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ تمھارے درمیان اس دشمنی کو ختم کردوں۔'' انھوں نے کہا'' کہوتم کیا کہتے ہو؟'' ابوامیہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا''اچھی بات یہ ہے کہ تم اس بات پر راضی ہو جاؤ کہ جوشخص اس مسجد کے دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ ثالث قرار پائے گا۔''

سب سے پہلا شخص جو خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی ۔ لوگوں نے ایک آواز ہوکر کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین اور صادق ہیں ۔ ہم سب ان کے مشورے کو قبول کریں گے ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موٹی چادر لانے کا حکم دیا اور اپنے ہاتھوں سے اس مبارک پتھر کو اس چادر پر رکھا ۔ قریش کے وہ چار افراد جو آپس میں لڑ رہے تھے آگے آئے ، چادر کے چاروں گوشوں کو پکڑ کر اٹھایا اور اس پتھر کو رکن یمانی پر رکھا ۔ اس طرح ان کے درمیان دشمنی کا خاتمہ ہوگیا ۔

(59) مالک بن عجلان کی بہادری

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مدینہ میں یہودیوں کی حکمرانی تھی ۔ ساری شان وشوکت اورعظمت و بزرگی یہودیوں کے لیے خاص تھی ۔ اوس اور خزرج قبیلے جو کہ غیر یہودی تھے بہت نحیف و ناتواں تھے ۔

یہودیوں کا ایک بادشاہ جس کا نام فطیون تھا ان قبیلوں پر مسلط تھا ۔ اہل مدینہ پر اس کی فرماں روائی قائم تھی اور وہ ظلم و جبر کرتا اور ان کو اذیت دیتا رہتا تھا ۔ اس کا ایک ظلم یہ تھا کہ جب بھی کوئی چاہتا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کرے تو وہ اسے سجا سنوار کر سب سے پہلے اس کے پاس لے جاتا ۔ وہ اس کے پردہ عصمت کو تار تار کر دیتا اور دوسری رات وہ اپنے شوہر کے گھر جاتی تھی ۔

شہر مدینہ میں مالک بن عجلان نامی ایک عرب رہتا تھا۔اس کی ایک بیٹی تھی۔اس نے اس کی نسبت طے کر دی تھی اور شادی کی تقریبات کی تیاری میں کافی مشغول تھا۔ وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔اتفاق سے اس کی بیٹی اس کے سامنے سے گذری اور اپنا لباس اتنا اوپر اٹھایا کہ لوگوں کی نظریں اس کی پنڈلیوں پر پڑیں۔ مالک بن عجلان کو اس کی اس حرکت سے کافی شرمندگی ہوئی اور وہ زور سے چلایا اور کہا''تو نے مجھے ذلیل کر دیا۔''

لڑکی نے کہا''ذلت کی بات تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔''اس نے کہا''وہ کیا؟'' لڑکی نے کہا''آپ بتائیں،کون سی بات زیادہ ذلت آمیز ہے۔میری یہ حرکت یا چوری چھپے مجھے ایک اجنبی مرد کے پاس بھیجنا جو میری عصمت سے کھیلتا ہو؟'' مالک اس بات سے بہت شرمندہ ہوا اور کہا''تم سردست اس بات کو راز میں رکھو تا کہ میں اس ذلت و رسوائی سے نجات کی کوئی راہ نکالوں''۔

مالک نے عورتوں کا لباس زیب تن کیا اور اس رات جب لوگ اس کی بیٹی کو فطیون کے پاس لے گئے، وہ عورتوں کے ساتھ فطیون کے محل میں داخل ہو گیا اور چپ چاپ ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ جب ساری عورتیں چلی گئیں تو فطیون نے مالک کی بیٹی کو خلوت میں طلب کیا۔ مالک نے آگے بڑھ کر فطیون کو انتہائی بربریت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔وہاں سے باہر آ کر اس نے اپنی بیٹی کو شوہر کے حوالے کیا اور اسی رات بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ سیدھے یمن پہنچا اور ابوکرک کو جو تبّع کے نام سے مشہور تھا ترغیب دی کہ وہ مدینہ پر حملہ کرے۔ابوکرک ایک لشکر جرار لے کر مدینہ آیا اور اس گاؤں کے ایک کنویں کے کنارے جو بیئر الملک کے نام سے جانا جاتا ہے اور آج بھی قائم ودائم ہے خیمہ زن ہوا۔اس رات مالک بن عجلان مدینہ آیا اور یہودیوں سے کہا''دیکھو یہ ایک عظیم بادشاہ ہے اور اس کے پاس ایک بڑی فوج بھی ہے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ اس کا استقبال کرو''۔ جب یہودی اس کے استقبال کی خاطر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے مالک بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا''اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ شہر مدینہ مکمل طور پر آپ کے قبضے میں آئے تو اس جماعت کو جو بغیر کسی امان کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہے تہ تیغ فرمائیں۔''

اسی دوران یہودیوں کا ایک بڑا عالم تبّع کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا'' یہ قطعی مناسب نہیں کہ آپ اس شہر کو جو پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا شہر ہونے والا ہے تاراج کر دیں۔ بادشاہ اس بات سے مطمئن ہوا اور ان لوگوں کو با عزت واپسی کی اجازت دے دی۔اس واقعہ کے بعد وہ شہر مکہ پر حملہ آور ہوا۔ بنی ہذیل کی ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا'' یہاں ایک گھر ہے جو خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے اوراس کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے۔'' اس بات کے پیچھے ان کا منشا یہ تھا کہ بادشاہ خزانہ کے لالچ میں کعبہ کو مسمار کردے۔

جب شاہ یمن نے یہ بات اس یہودی عالم کو بتلائی تو اس نے کہا'' یہ لوگ تیری جان کے دشمن ہیں اور وہ تیری بھلائی نہیں چاہتے۔ جو کوئی بھی اس گھر کو منہدم کرنے کی غرض سے آگے بڑھے گا وہ خود برباد ہو جائے گا کیونکہ یہ اللہ کا گھر ہے اور وہ خود اس کا محافظ ہے۔'' اس نے اس بات کی تصدیق کروائی اور متذکرہ جماعت کے لوگوں کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم صادر کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب یہودی علما نے مکہ کی عظمت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تو تبّع نے اہل مکہ کی عزت افزائی کی ، خانہ کعبہ کے غلاف کے لیے کپڑے ارسال کیے، رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار کہے اور ان پر ایمان لایا۔

(60) قرآن کریم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی دو قسمیں ہیں ۔ایک منقول اور دوسرا معقول ۔ جو معجزات منقول ہیں ان کی تکذیب کسی طور پر بھی ممکن نہیں ۔

احادیث نبوی میں جن باتوں کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے وہ علم قطعی میں داخل ہیں اور وہ باتیں جو صحیح طور پر منقول ہیں ان سے انکار ممکن نہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کیونکہ تمام علما قرآن کی فصاحت و بلاغت سے اچھی طرح آشنا ہیں ۔سب کے

سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ کلام، کلام انسانی سے مشابہ نہیں اور کسی بھی مخلوق کے کلام میں اس پایے کا ایجاز و اعجاز و شیرینی نہیں پائی جاسکتی۔

دوسری قسم کے معجزات میں چاند کے دو ٹکڑے ہونا، جانوروں کا کلام کرنا، بے عقل حیوانوں کا گواہی دینا، جمادات کا ہم کلام ہونا، ابوجہل کی ہتھیلی پر سنگریزوں کا گفتگو کرنا، ان کی موجودگی کے سبب لوگوں کی اشیائے خوردنی میں برکت کا نزول ہونا مثلاً بے آب کنویں سے پانی کا نکلنا اور ان کے ہاتھوں کے لمس سے تھوڑی سی غذا کا زیادہ ہو جانا، ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت حاصل ہونا، غیب کی باتوں کی خبر دینا اور ان کا صحیح ثابت ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات کے حوالے سے چند حکایتیں بیان کرتا ہوں۔

(61) ہرنی کا ایفائے عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا کے درمیان سے گذر رہے تھے۔ ایک اعرابی کو دیکھا جو ایک جال بچھائے بیٹھا تھا اور اس جال میں ایک ہرنی گرفتار تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جال کے نزدیک پہنچے تو اس ہرنی نے رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کی اور کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میرا ایک بچہ ہے اور وہ بھوکا ہے۔ آپ میری سفارش فرمائیں تا کہ یہ شکاری مجھے آزاد کردے۔ میں باہر آکر اپنے بچے کے پاس جاؤں گی اور اسے دودھ پلا کر اسی جال میں واپس آجاؤں گی۔ اگر میں اس عہد کو پورا نہیں کرتی تو پھر میرا حشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ گار امتیوں میں ہوگا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے سفارش کی۔ اعرابی نے کہا ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ضمانت لیتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''ہاں''۔ اس اعرابی نے آپ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے اس ہرنی کو اس خیال سے آزاد کردیا کہ وہ دوبارہ تو آئے گی نہیں۔ برخلاف امید ایک گھنٹے بعد وہ ہرنی حاضر ہوئی اور سیدھے جال کے اندر داخل ہوگئی۔ اعرابی کو اس پر رحم آیا اور اسے آزاد کردیا۔

یہ واقعہ اس اعرابی کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا۔ دوسرے دن وہ ہرنی اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں کلمۂ شہادت پڑھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم کا ذکر کیا اور واپس چلی گئی۔

(62) ایک چھپکلی کا کلمہ شہادت پڑھنا

ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی اپنی آستین میں ایک چھپکلی چھپائے حضور اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "اگر آپ یہ بتا دیں کہ میری آستین میں کیا ہے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی مدد سے یہ کہا "یہ تو چھپکلی ہے۔" اعرابی نے کہا "اگر یہ چھپکلی آپ کی نبوت کے سلسلے میں گواہی دے دے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کی طرف اشارہ کیا۔ چھپکلی نے فصیح و صریح انداز میں کلمۂ شہادت پڑھ کر سنایا۔

(63) میانہ روی کی تعلیم

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے احاطہ سے گذر رہے تھے۔ ایک ضعیف و ناتواں اونٹ پہ نظر پڑی۔ اس اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو زمیں پر سر رکھ کر گڑگڑانے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گریہ وزاری پر ترس آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو آواز دی اور کہا "تمھارا اونٹ کم خوراک اور زیادہ بوجھ کی وجہ سے رو رہا ہے۔ اس پر رحم کرو تا کہ میں قیامت کے دن تمھاری شفاعت کروں۔" اونٹ کے مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ وہ ویسا ہی کرے گا۔

چند دنوں کے بعد راستے میں پھر وہی اونٹ دکھائی دیا۔ اس اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کو طلب کیا، اس کی تعریف کی اور کہا "اونٹ تو یہ کہہ رہا ہے کہ میری وجہ سے میرے مالک کو بڑی زحمت ہو رہی ہے۔ وہ اب میری پیٹھ

پر بوجھ نہیں رکھتا اور میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' خداوند تعالیٰ میانہ روی کو پسند فرماتا ہے ۔تمھیں اونٹ کو خوراک پوری دینی چاہیے اور ایک اندازے کے مطابق اس کی پیٹھ پر بوجھ بھی رکھنا چاہیے۔''

(64) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر درخت کا چلنا

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ سے ایک فرسنگ کی دوری پر تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے ۔ حضرت ابو طالب نے انھیں آواز دی لیکن نہیں پایا ۔ وہ کافی پریشان ہو گئے اور ہر طرف دوڑے یہاں تک کہ وہ نماز کی حالت میں نظر آئے ۔انھیں دیکھ کر وہ خوش ہوئے اور نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے ۔

جب نماز ختم ہوگئی تو انھوں نے پوچھا ''اے فرزند! تم یہ کیا کر رہے ہو؟'' ان کی خوب سرزنش فرمائی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر جھکائے زمین کو تکتے رہے ۔ جب حضرت ابوطالب خاموش ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میں وہی کر رہا ہوں جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے اور اس کے عوض جنت کا وعدہ ہے ۔اگر آپ میرے دین میں آجائیں تو آپ کو بھی جنت ملے گی۔'' ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو سمجھایا اور دین کی دعوت دی ۔ حضرت ابوطالب نے کہا'' مجھے کوئی معجزہ دکھاؤ تا کہ میں تم پر ایمان لے آؤں ۔''

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نظریں اٹھائیں اور ایک درخت کی طرف دیکھا جو ان کے سیدھ میں کھڑا تھا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا ۔درخت نے حکم کی تعمیل کی اور زمین کو پھاڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اپنی جگہ واپس جانے کا حکم دیا اور وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس ہوا ۔

(65) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت

سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر کفار مکہ کی ایک جماعت مدینہ کی طرف روانہ ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ سے باہر

تشریف لائے۔سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ پرآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کفار مکہ اور ان کے لشکر گاہ کے درمیان ایک خندق کھودی جائے اور زمین کا ایک حصہ بعض صحابہ کرام کے لیے مختص کردیا۔ ہر دس اصحاب کو چالیس ارشی زمین دے دی گئی تا کہ وہ اس حصہ میں خندق کھودیں۔ دس گز کی زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اہل بیت کے حصے میں آئی اورسلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔خندق کے درمیان ایک بڑا پتھر نکل آیا جس پر کوئی بھی اوزار کارگر ثابت نہیں ہورہا تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کواس بات کی خبر کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں اترے اوراپنے کپڑے کو چست کیا تا کہ پتھر کوتوڑیں۔ میں نے فاقہ کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نمایاں دیکھا۔ وہ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ میں فوراً اپنے گھر گیا۔گھر کے انبان میں چار من جو تھا۔ میں نے اہل خانہ سے کہا کہ وہ آٹا تیارکریں اور گوندھیں۔میرے پاس ایک بکری تھی جسے میں نے قربان کیا اوراس کی کھال اتاری۔ میں نے اہل خانہ سے کہا کہ اس کے گوشت سے شوربہ تیارکریں اور جو کے آٹے سے روٹی بنائیں۔

میں نے گھر سے واپس آکررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا''یارسول اللہ! میں نے اہل خانہ سے تھوڑی مقدار میں کھانا تیارکرنے کو کہا ہے۔اگرآپ صلی اللہ علیہ وسلم زحمت فرما کر دوچار بزرگ اصحاب کے ساتھ میری دعوت میں شرکت فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر دعوت قبول فرمائی۔ اس کے بعد مجھ سے کہا ''جاؤاوراہل خانہ سے کہوکہ روٹیاں تنور میں نہ ڈالیں اور دیگ سے کھانا نہ نکالیں جب تک کہ میں نہ آؤں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا''تمام صحابہ کو یہ اطلاع دوکہ آج جابر بن عبداللہ کے گھر ہماری دعوت کا اہتمام ہے۔سب کے سب وہاں جائیں۔'' میں حیران تھا۔ میں نے جاکراپنی اہلیہ سے سارا حال سنایا۔ اہلیہ نے کہا''آپ بےفکر رہیں، جوبھی ضرورت ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بندوبست فرمائیں گے۔''

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے ، آٹے کی خمیر میں اپنا ہاتھ ملا اور تھوڑا سا لعاب دہن دیگ کے اندر ڈالا۔ اس کے بعد میں روٹیاں تنور کے اندر رکھتا گیا اور آپ نکالتے رہے۔ آپ شوربہ کو بھی دیگ سے نکالتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس دس کی تعداد میں صحابہ کرام کو گھر کے اندر بلایا۔ وہ سیر ہو کر واپس ہوتے گئے یہاں تک کہ تقریباً ہزار صحابہ کرام نے اس کھانے کو سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی کھانا باقی بچ رہا اور باقی ماندہ کھانا میرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لیے بھی کافی ثابت ہوا۔

(66) ایک ہزار سے زیادہ افراد کی کفالت

غزوۂ خندق کے حوالے سے بشر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی جو کہ نعمان بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ تھیں یہ حکایت بیان کرتی ہیں کہ میری ماں نے مجھے کھجوروں سے بھرا ایک پیالہ دیا اور کہا ''اے بیٹی! اسے تو اپنے والد اور خالو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا دے۔'' وہ کہتی ہیں کہ ''میں کھجوریں لے کر روانہ ہوگئی۔ راستے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گذری جو خندق کے کنارے تشریف فرما تھے۔ تمام صحابہ کرام اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔''

میں نے ہر صحابی سے دریافت کیا ''عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بشر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟'' آخرکار میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''تمھارے پاس کیا ہے؟'' میں نے کہا ''چند کھجوریں ہیں۔ امی نے ابو جان اور ماموں جان کی خدمت میں بھیجا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا ''تم وہ کھجوریں میری ہتھیلی پر رکھ دو۔'' میں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ان کی دونوں ہتھیلیاں پر ہو گئیں۔ پھر انھوں نے چادر بچھانے کا حکم فرمایا۔ چادر بچھائی گئی۔ انھوں نے ساری کھجوریں اس پر پھیلا دیں اور اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ وہ اہل خندق کو بلائیں تا کہ وہ ناشتہ تناول کرلیں۔ ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام حاضر ہوئے اور سبھوں نے کھجوریں تناول فرمائیں۔ میں نے دیکھا کہ کھجوریں

چادر کے کناروں سے گرتی جاتی تھیں پھر بھی کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ جب تمام صحابہ کرام سیر ہو چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جتنی مقدار میں کھجوریں لائی تھیں اتنی ہی واپس لے جاؤ۔'' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہیر معجزات میں سے ایک تھا۔

(67) بانجھ بکری کے تھن سے دودھ کا جاری ہونا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکریاں چراتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ریوڑ کے قریب سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''کیا تمھارے پاس دودھ ہے؟۔'' انھوں نے کہا ''دودھ تو ہے پر وہ میری ملکیت نہیں ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''کیا تمھارے پاس کوئی بانجھ بکری ہے؟'' انھوں نے کہا ''جی ہاں ہے''۔ انھوں نے ایک بکری حاضر کی جو اس قدر نحیف تھی کہ چل بھی نہیں پا رہی تھی اور اپنے ریوڑ سے بھی الگ تھلگ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھن کو چھوا اور دیکھتے ہی دیکھتے دودھ جاری ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت لے لیا اور باقی رہنے دیا۔

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے خیمہ میں تشریف لائے۔ اس وقت ان کے پاس ایک بکری کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا جو کمزوری کے سبب اپنے ریوڑ سے دور تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو پاس بلایا اور اس کے تھن کو چھوا۔ اس قدر دودھ حاصل ہوا کہ تمام حاضرین کے لیے کافی ہو گیا اور دودھ کی اچھی خاصی مقدار بچ رہی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چھوڑ دیا۔

جب رات کے وقت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چراگاہ سے واپس آئے تو گھر میں دودھ کی فراوانی دیکھی۔ انھیں حیرانی ہوئی، پوچھا ''یہ دودھ کہاں سے آیا؟'' ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم آج ہمارے گھر آئے تھے اور یہ سب ان کے قدموں کی برکت کے طفیل ہے''۔ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''ان کا حلیہ بیان کرو۔'' ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی فصاحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات بیان کیے جو آج بھی کتابوں میں درج ہیں۔

(68) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف وکرم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک غزوہ کے لیے روانہ ہوئے اور راستے میں پانی ختم ہوگیا۔ جب پیاس کی شدت بڑھی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا ''فلاں جگہ جاؤ۔ تمھیں ایک خاتون نظر آئے گی۔ اس کے محمل کے دونوں جانب دو مشک بندھے ہوں گے۔ اس خاتون کو میرے نزدیک لے آؤ۔''

ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اس خاتون کو خدمت اقدس میں حاضر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رضا و رغبت سے پانی کا ایک مشک لے کر ایک پیپے میں انڈیل دیا۔ اس کا مشک اسے واپس دے دیا اور زاد راہ کے لیے کچھ ہدیہ عنایت فرمایا۔ تمام صحابہ کرام نے اس کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور اس سے معذرت طلب کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے مخاطب ہوکر کہا کہ وہ بقدر ضرورت پانی نکال لیں۔ انھوں نے اپنے اپنے مشکیزے بھر لیے اور اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کیا، پھر بھی پیپے میں پانی بچ رہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو ایک محافظ مہیا کیا تا کہ وہ اسے اس مقام تک چھوڑ آئے جہاں سے وہ لائی گئی تھی۔ وہ خاتون جب اپنے گھر گئی تو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ گھر کے سارے افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(69) سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھسنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینے کی جانب ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ کو اس کی بھنک مل گئی۔ سراقہ بن مالک نے جس کا شمار قریش کے

پہلوانوں اورعرب کے شر پسندوں میں ہوتا تھا ابوجہل سے سرخ بال اور اونچی کوہان والے چالیس اونٹ قبول کیے تا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا مردہ پکڑ لائے ۔وہ ابرنما گھوڑے پر سوار ہوا۔ نیزہ خطی ہاتھ میں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تیزی سے دوڑا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ پڑی اس نے آواز لگائی۔ ابھی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیزے سے وار کرنے کا نشانہ باندھ ہی رہا تھا کہ اس کے گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

جب سراقہ نے یہ حال دیکھا تو گھوڑے سے زمین پر آیا اور پیدل چلنے لگا۔ اس نے چاہا کہ وہ حرکت کرے لیکن زمین نے اسے پکڑ لیا اور اب وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہا۔ اس نے گریہ وزاری شروع کی اور قسمیں کھانے لگا'' اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں اور میں آزاد ہو جاؤں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند نہ پہنچاؤں گا۔ اسی لمحہ واپس چلا جاؤں گا اور کسی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ نہ بتاؤں گا''۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور زمین نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ وہ بخیر و عافیت واپس ہو گیا۔

جب وہ مکہ پہنچا تو ابوجہل نے اس کی بڑی لعنت و ملامت کی اور کہا'' تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔'' سراقہ نے جواب دیا'' تو مجھے ملامت کیوں کرتا ہے؟ اگر تو وہاں ہوتا تو خود دیکھ لیتا کہ زمین نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔''

(70) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ قبول کرنے سے انکار

عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک عورت آئی جس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس بچہ کو لے لیا اور اسے اپنے سامنے زمین پر بٹھا دیا۔ معوذتین تلاوت کی اور اس کے چہرے پہ دم کیا اور کہا'' اے دشمن خدا! اس بچے سے دور رہ اور یہ جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔'' پھر بچے کو اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی پر اس مقام پر پہنچے وہ عورت دو بھیڑوں کا ہدیہ لے کر حاضر ہوئی اور کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے میرا بچہ صحت یاب ہو گیا۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ بھیڑ آپ کی نذر کروں۔'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھیڑ قبول فرمایا اور اس کے عوض ایک تلوار تحفہ میں عنایت فرمائی۔ جب صحابہ کرام نے اس بھیڑ کے گوشت سے کھانا تیار کیا اور حاضر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول نہ فرمایا اور زبان مبارک سے یہ ارشاد فرمایا ''میں نیکی اور احسان کے عوض کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔''

(71) عتبہ بن ابولہب کا بھیانک انجام

عتبہ بن ابولہب، اللہ اس پر لعنت کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد ایک روز عتبہ کی نگاہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو ان کے سامنے طلاق دے ڈالی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کھری کھوٹی سنائی۔ اس کی باتوں سے ان کے دل کو بڑی ٹھیس لگی اور قوت برداشت جواب دے گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا ''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس کے پیچھے چھوڑ دے۔'' لوگوں کی ایک جماعت نے عتبہ کی بڑی ملامت کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام کی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔

اس واقعہ کے چند روز بعد عتبہ کو شام کا سفر درپیش ہوا۔ سفر کے دوران اس نے شیر کی دہاڑ سنی اور وہ کافی گھبرا گیا۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ملامت کی تھی اور یہ بتا دیا تھا کہ وہ تنہا نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے خوفزدہ ہے۔ وہ کہنے لگا ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے بددعا کی تھی اور میں جانتا ہوں کہ ان کی بددعا کی قبولیت کا وقت آ چکا ہے۔''

اس نے اس رات کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی کسی سے گفتگو کی۔ جب سونے کا وقت آیا تو اس نے کہا کہ اس کے چاروں طرف کپڑے رکھ دیے جائیں۔ سارے اونٹ اس کے کپڑوں کے اردگرد سلا دیے گئے اور وہ خود بیچ میں سویا۔ جب رات ہوئی تو ایک شیر آیا اور اونٹوں کے درمیان سے ایسے گزرا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ دائرہ کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ یکے بعد دیگرے

اس نے سبھوں کو سونگھا یہاں تک کہ وہ عتبہ تک پہنچ گیا۔ اس کو سونگھا اور اپنا پنجہ اس کے سینے پر رکھ کر اس کے تن کو سر سے جدا کر دیا۔ اس نے اس کے کسی حصہ کو نہیں کھایا بلکہ بغیر کسی کو کوئی نقصان پہنچائے باہر آ گیا۔ اس طرح اللہ کا دشمن ذلیل و خوار ہوا۔

(72) ابومعیط کا جہنم رسید ہونا

کہتے ہیں کہ قریش مکہ کا ایک مشرک ابومعیط پیغمبر علیہ السلام سے پرخاش رکھتا تھا۔ وہ اپنی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد رنجیدہ کرتا۔ اہل قریش نے اسے اس کام سے روکنے کی کوشش کی، اپنے تعلقات منقطع کر لیے اور اس کے سلام کا جواب بھی دینا بند کر دیا۔ ایک روز وہ جھگڑے کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہوا اور الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی تبسم فرمایا اور کہا ''بہت جلد میں تجھے مکہ کے باہر پاؤں گا تب میں یہ حکم دوں گا کہ تجھے باندھ کر میرے سامنے لائیں۔ پھر تیرا سر تیرے دھڑ سے الگ ہو جائے گا۔''

چند دنوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور پھر بدر کا واقعہ پیش آیا۔ مشرکین مکہ جمع ہوئے تاکہ مدینہ کی طرف رخ کریں۔ ابومعیط نے جنگ میں شرکت سے احتراز کیا اور کہنے لگا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں اور انھوں نے میری سرزنش کرتے ہوئے یہ کہا تھا ''تو میرے سامنے قتل کیا جائے گا۔'' میں انتہائی خوف زدہ ہوں۔ لوگوں نے اس کی ایک نہ مانی اور کہنے لگے ''یہ بیہودہ باتیں ہیں۔ اگر ہم کامیاب ہوئے تو، تو بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور اگر اتفاقاً ہماری شکست ہوئی تو سرخ بالوں والا یہ تیرا اونٹ جو ہوا کے ساتھ باتیں کرتا ہے حاضر ہوگا۔ تو اس پر سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو جانا۔''

ابومعیط مصلحتاً راضی ہو گیا اور جنگ میں شریک ہوا۔ اس جنگ میں کافروں کو شکست ہوئی اور اسلامی پرچم بلند ہوا۔ ابومعیط گرفتار کر لیا گیا۔ وہ دست بستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ جب اس کے قتل کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا ''تمام قیدیوں میں سے صرف مجھے ہی کیوں ایسی سزا دی جا رہی ہے۔ اگر فدیہ ادا کرنے کی بات ہو تو میں دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ دینے کو تیار ہوں اور اگر احسان اٹھانے کی بات ہے تو میں کسی سے پیچھے نہ رہوں گا۔‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’ میں اپنی بات کی تصدیق کروں گا اور جو عہد میں نے کیا ہے ایفا کروں گا۔‘‘ پھر اسے جہنم رسید کر دیا گیا۔لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا وہ ہو کر رہا۔

(73) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام

غزوۂ بدر کی تیاری کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے یہ فرمایا کہ کوئی بنی ہاشم کے کسی شخص کو قتل نہ کرے اور خصوصی طور پر ابوالعباس اور ابوالبختر ی کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ کفاران مکہ ابوالعباس کو جبراً میدان جنگ میں کھینچ لائے ہیں اور ابولبختری ایک ایسا شخص ہے جو مکہ میں میرا محسن رہا ہے۔ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ’’میرے بیٹے اور بھائی مجھ سے کہتے ہیں کہ ان کے چچا کو قتل نہ کروں۔خدا کی قسم اگر میں ابوالعباس کو میدان جنگ میں پاؤں تو ان کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھاؤں۔‘‘

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابوحفص کہہ کر بلایا اور وہ پہلا دن تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت سے مجھے آواز دی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’ اللہ کے پیغمبر کے چچا کو تلوار کے وار سے محفوظ رکھنا‘‘ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا’’ یا رسول اللہ آپ حکم فرمائیں۔‘‘

جب میدان جنگ میں فوجیں برسر پیکار ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جو مجذر بن زیادالعلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جانے جاتے تھے اور گروہ انصار میں سے تھے، ابوالبختر ی کے نزدیک پہنچ گئے اور آواز دی’’ آپ جنگ سے دور رہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ آپ کو قتل نہ کیا جائے۔بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور ان کی خدمت میں حاضری دیں۔‘‘

ابوالبختر ی کے ساتھ ان کا ایک دوست تھا جو مکہ سے ان کے ساتھ چلا تھا۔اس کا نام حادہ تھا۔اس نے کہا’’ اے رفیق ! مجھے بھی امان دے تاکہ میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کروں۔‘‘

مجذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے امان کی بات نہیں فرمائی ہے، ہاں میں تجھے کوئی گزند نہیں پہنچاتا۔'' ابوالبختری نے کہا'' میں اپنے دوست کو ہر گز نہ چھوڑوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ مکہ کی عورتیں یہ کہیں کہ اپنی جان بچانے کی خاطر اس نے اپنے دوست کو تنہا چھوڑ دیا۔'' اس بات پر مجذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبرد آزما ہوئے اور ابوالبختری مارا گیا۔ مجذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے اپنا عذر پیش کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس شخص نے گرفتار کیا اس کا نام ابن کعب بن عمرو تھا۔ وہ میانہ قد کا دبلا پتلا شخص تھا۔ عباس کافی تندرست وتوانا تھے۔ جب وہ شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم نے عباس کو اکیلے ہی کیسے بس میں کر لیا؟'' اس نے کہا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک ایسے شخص نے اس کام میں میری مدد کی جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اب بھی وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' عباس کو گرفتار کرنے میں مہربان فرشتہ نے تیری مدد کی ہے۔''

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آٹھ اوقیہ سونا تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد ان پیسوں سے لشکر قریش کو خوراک بہم پہنچانا تھا اور اس وقت تک ان کی باری نہیں آئی تھی۔ ان سے وہ سونا لے لیا گیا۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس سونے کو آپ میری جان کا فدیہ سمجھیں تو بڑا کرم ہوگا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ سونا جو آپ ان کفار کی مدد کے لیے لائیں ہیں فدیہ کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' عقیل بن ابی طالب جو کہ آپ کے بھتیجے ہیں وہ بھی فدیہ ادا کر سکتے ہیں''۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' آپ نے جتنی رقم معین کی ہے اگر میں وہ دے دوں تو قلاش ہو جاؤں گا اور میرے بچے ہلاک ہو جائیں گے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ سونا جو آپ نے اس جنگ میں روانگی کے وقت فضل کی ماں کے ہاتھوں میں رکھے تھے کہاں گئے؟ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اس سے یہ کہا تھا کہ میں تم کو مالدار بنائے جا رہا ہوں۔ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو تم کسی کی محتاج نہ رہو گی۔''

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''خدا کی قسم! یہ بات تو سوائے ام فضل کے کسی نے بھی نہ سنی تھی اور آپ کو یہ بات صرف وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتی ہے۔'' انھوں نے اس سونے کو فدیہ کے طور پر ادا کرنے کا وعدہ کیا اور مشرف بہ اسلام ہونے کی سعادت حاصل کی۔

(74) عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشرف بہ اسلام ہونا

عمیر بن وہب الجحر غزوۂ بدر میں زخمی ہو گئے تھے اور مردوں کے درمیان پڑے تھے۔ جب صبح کی ٹھنڈی ہوا چلی تو ان کو قوت ملی اور وہ بھاگ کر مکہ آ گئے۔

ایک روز صفوان بن امیہ حرم کعبہ میں بیٹھے جنگ بدر میں مارے جانے والوں کو یاد کر رہے تھے۔ عمیر بن وہب الجحر نے کہا ''اگر مجھے اپنے دیے ہوئے قرض اور اہل وعیال کی فکر دامن گیر نہ ہوتی تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیتا (نعوذ باللہ) اور اپنے غم اور اپنے یاروں کے غم کا بدلہ ضرور لے لیتا۔''

صفوان نے کہا ''تم یہ کام کیسے کر سکتے ہو؟'' اس نے کہا ''میں بہت تیز دوڑنے والا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی محافظ نہیں ہوتا۔ وہاں جاؤں گا اور گھات میں رہوں گا۔ موقع دیکھ کر تلوار سے حملہ کروں گا اور تیزی سے بھاگ جاؤں گا''۔ صفوان نے کہا ''تیرے دیے ہوئے قرضوں کی وصولیابی اور تیرے اہل وعیال کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری میری ہے۔ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہوگا میں تیرے اہل خانہ کو دے دوں گا۔''

عمیر نے بھی اپنی تلوار تیز کر لی اور کوچ کا ارادہ کیا۔ صفوان نے کہا ''تم کیسے جاؤ گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا انھیں خبر نہ کر دے گا؟'' عمیر نے کہا ''میں ایسے جاؤں گا کہ ان کا خدا مجھے نہ دیکھ سکے۔ کفارانِ مکہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا صرف ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور مخفی چیزوں کو نہیں دیکھتا۔ یہی وجہ تھی کہ عمیر دن کے وقت چھپا رہتا اور رات میں سفر کرتا۔ یہاں تک کہ وہ مدینہ پہنچ گیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھتے ہی دوسرے صحابیوں سے کہا ''میں نے عمیر بن وہب کو مدینے میں دیکھا ہے۔ وہ شخص

بڑا ہی مکار وفریبی ہے اوراس کی آمد مکر وفریب سے خالی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھیں اور انھیں تنہا نہ چھوڑیں۔''

دوسرے ہی دن عمیر بن وہب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا'' تم کس لیے آئے ہو؟'' اس نے کہا'' میں اس لیے آیا ہوں کہ قیدیوں کا فدیہ ادا کردوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم کو صحیح بات کہنی چاہیے۔'' عمیر نے کہا'' اور دوسری کوئی بات نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اگر تم قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے آئے ہو تو پھر یہ تلوار کس لیے؟'' اس نے جواب دیا'' جنگ بدر کے موقع پر اس تلوار سے بہتر تلواریں میرے پاس تھیں۔ اس سے کیا فائدہ ہوا جواب ہوگا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کیا تم نے صفوان سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ مجھے تو دیے ہوئے قرضوں اور اپنے اہل وعیال کی فکر دامن گیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کردیتا'' عمیر نے کہا'' آپ نے کیا فرمایا دوبارہ فرمائیں۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! جب میں نے یہ جملہ کہا تھا اس وقت میرے اور صفوان کے علاوہ کوئی تیسرا نہ تھا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔''

عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لے آئے اور کہا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے مکہ میں مسلمانوں کو بڑی اذیت پہنچائی ہے۔ اب مجھے اجازت دیں کہ میں مکہ پہنچ کر کافروں کو اذیت پہنچاؤں اور آپ کے دین کی مدد کروں۔'' پھر وہ مکہ واپس آئے اور ساری زندگی دین اسلام کے لیے وقف کردی۔

(75) خسرو پرویز کی بدسلوکی اور اس کا انجام

یہ اس زمانے کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملکوں کی جانب اپنے سفیر بھیج رہے تھے اور وہاں کے حکمرانوں کو دین کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنا ایک سفیر ایران کے بادشاہ پرویز کی خدمت میں بھیجا۔ جب پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھا تو حد درجہ ناراض ہوا۔ اس نے غصہ میں آ کر کہا'' دنیا میں یہ محمد کون ہے جو اپنا نام میرے نام کے اوپر لکھتا ہے اور مجھے اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے؟'' پھر اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ مَنْ مَزَّ ق کِتابِی مَزَّ ق اللّٰہ (جس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اللہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے)۔

خسرو پرویز نے صنعا کے گورنر کو دھمکی بھرا خط لکھا اور کہا'' کیا تیرے لیے جائز ہے کہ تیرے صوبے میں کوئی اجنبی ظاہر ہو اور وہ مجھے اپنی اتباع کی دعوت دے؟ اس کی اتنی مجال کہ وہ مجھ سے اپنی کبریت کا طالب ہو اور تو اس سے غافل رہے۔ اگر ہو سکے تو اس کا کام تمام کر اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر میرا انتظار کرتا کہ میں تیرے عجز اور اس اجنبی کے شر کا خاتمہ کر دوں۔''

جب صنعا کے گورنر بادان نے اس خط کو پڑھا تو کافی حیران و پریشان ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعرض کرے۔ دوسری طرف حکم عدولی کے سبب نقصان اٹھانا بھی گوارا نہ تھا۔ لہٰذا اس نے بادشاہ ایران کے اس خط کو اپنے قاصد اور معتمد خاص کے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ خط کے ساتھ اس نے اپنا پیام عقیدت ارسال کیا اور اپنی مجبوری بھی بیان کی۔ اس نے یہ مشورہ بھی طلب کیا کہ آخر وہ اس خط کا کیا جواب لکھے۔

وہ قاصد مدینہ پہنچ کر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دنوں تک اسے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ایک دن علی الصبح اس کو بلا کر کہا ''صنعا کے گورنر سے کہہ دو کہ میرے خدا نے تمھارے خدا کو اس کے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل کر وادیا ہے۔'' وہ قاصد جب صنعا پہنچا تو اس نے شہر کے گورنر بادان کو یہ اطلاع فراہم کی۔ چند ہی دنوں کے بعد شیرویہ کا ایک خط موصول ہوا۔ لکھا تھا ''اس شخص سے جو مدینہ میں ظاہر ہوئے ہیں کوئی تعرض نہ کیا جائے جب تک کہ میرا دوسرا خط تم تک نہ پہنچے۔''

لہٰذا بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بادان پر ظاہر ہو گئی۔ اس نے برجستہ یہ اعلان کیا'' یہ عجمیوں کی آخری حکومت اور عربوں کی پہلی حکومت ہو گی اور میں ان دونوں سے

محروم رہوں گا۔'' وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کے ہاتھوں مارا گیا جس نے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔

(76) ایک قیمتی خزانے کی بازیافت

قلعہ خیبر پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ بن الربیع سے جس کے نکاح میں صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، ایک بے مثال اور قیمتی خزانہ طلب کیا لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' اگر میں تیرے پاس آیا اور تیرا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو پھر میں تجھے نہیں بخشوں گا۔'' اس نے کہا'' آپ ایسا ہی کریں۔''

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنانہ کو اس ویرانہ میں لے گئے جہاں سے وہ روزانہ گزرتا تھا اور اس خزانے کی مانگ کی۔ خزانہ کا ایک حصہ تو دفینہ سے باہر نکال لیا گیا تھا لیکن پھر بھی وہ باقی خزانے کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کرتا رہا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کیا اور کہا ''اسے اتنی اذیت دو کہ وہ اقرار کرلے۔'' زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ کے ایک فتیلے سے اس کے چہرے اور سینہ کو جلا دیا یہاں تک کہ وہ موت کے قریب ہو گیا۔ اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کیا اور کہا'' یہ تیرا قصاص ہے۔'' وجہ یہ تھی کہ کنانہ ان کے بھائی کا قاتل تھا۔

کنانہ بن الربیع کے مارے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی خزانے کی بازیافت فرمائی اور اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس خزانے کے سلسلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انکشاف دراصل ان کے معجزات میں سے ایک تھا۔

(77) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی کھوئی ہوئی اونٹنی کا پتہ بتانا

غزوۂ مریسیع کے موقع پر ایک دن سخت آندھی چلی۔ لوگ گھبرائے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !

آخراس آندھی کا سبب کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک منافق اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔'' مدینہ واپس آنے کے بعد یہ خبر ملی کہ ٹھیک اسی روز منافقوں کا سردار رفاعہ بن زید مر چکا تھا۔

اسی غزوہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی غائب ہوگئی۔ تلاش بسیار کے بعد بھی نہ ملی۔ منافقوں میں سے ایک نے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو آسمان کی خبر دیتے ہیں اور انھیں یہ نہیں معلوم کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اس کا مہار ایک درخت کی شاخ میں پھنس گیا ہے۔'' جب لوگ وہاں پہنچے تو اسے وہیں پایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی صداقت ظاہر ہوئی۔

(78) غیبی آندھی سے اہل کفار میں افراتفری

محمد بن کعب القرضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ایک جوان نے حذیفہ بن الیمان کو کوفہ کی مسجد میں دیکھا۔ ان سے کہنے لگا ''آپ لوگ کتنے خوش قسمت ہیں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی اور ان کی صحبت سے مستفیض بھی ہوئے۔ اگر آپ کی جگہ ہم ہوتے تو ہم ان کے راستے کی گرد بن جاتے تاکہ وہ ہماری آنکھوں پر اپنا قدم مبارک رکھتے۔'' حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آ گیا اور ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انھوں نے کہا ''تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ تم سے بہتر تھے اور جو تم کہتے ہو وہ ان سے بھی ممکن نہ ہو سکا۔''

پھر حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمانے کا ایک واقعہ سنایا جب غزوۂ احزاب کے دوران مسلمان بے حد رنجیدہ و پریشان تھے۔ ایک رات زوروں کی آندھی چلی۔ یہاں تک کہ سردی سے ہماری زبان سکڑنے لگی۔ ایسی سردی کسی نے اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آواز دے رہے تھے۔ ''تم میں سے وہ کون ہے جو آج کی رات میرے نزدیک رہے تاکہ خدائے تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دے۔'' کسی نے بھی

کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار کہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کے نام سے آواز دی اور کہا ''اے فلاں! آج تو میری رفاقت کر، کل قیامت کے دن میں تیری رفاقت کروں گا۔''

خدا نے مجھے توفیق بخشی اور میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ میں نے کہا ''یا رسول اللہ! میری جان آپ پر قربان۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قریب بلایا۔ جب میں نزدیک گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے تمام اعضا پر ملا، دائیں بائیں، آگے پیچھے اور کہا ''ابوسفیان ہمارے نزدیک ہے۔ چھپ چھپا کر جاؤ اور اپنا خیال رکھو۔ یہ دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے۔ جب تک تم میرے پاس نہ آجاؤ، کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔''

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ''میں گیا اور میری حالت ایسی تھی کہ گویا حمام میں کھڑا ہوں اور پسینہ بہہ رہا ہے۔ سردی کا کوئی اثر نہ تھا یہاں تک کہ میں دشمن کے خیمہ کے قریب پہنچ گیا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ میں ان کی حالت کا مشاہدہ کرتا رہا۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے کھول کر آگ کے سامنے کھڑے تھے۔ کبھی جسم کے سامنے کا حصہ آگ کے آگے لاتے اور کبھی پیچھے کا حصہ تاکہ ان کا سارا جسم گرم ہوجائے۔ میں نے چاہا کہ اپنے ایک تیر سے ان کا کام تمام کردوں۔ میں تیر چلانے ہی والا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد آئی۔ لہٰذا میں نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ اسی وقت علقمہ علاثہ کی آواز سنائی دی جو بنی عامر کا سردار تھا۔ وہ آواز لگا رہا تھا ''اے بنی عامر! یہ آندھی مجھے مار ڈالے گی۔ پھر ایک زور کی آندھی آئی اور اہل کفار میں افراتفری مچ گئی۔ ابوسفیان نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے اونٹ پر سوار ہوکر اپنی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ان کا یہ حال دیکھا تو واپس آنے لگا۔ راستے میں چند سوار دکھائی دیے۔ ان میں سے دو میرے نزدیک آئے۔ انھوں نے کہا ''جب تم واپس جاؤ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ خدائے تعالیٰ نے آندھی کے ذریعہ آپ کے دشمنوں کا کام تمام کردیا ہے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں: فارسلنا علیھم

ریحاً وّ جنوداً لم تروھا ارشاد باری تعالیٰ ہے: پھر ہم نے ان پر تیز وتند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں (سورہ الاحزاب، آیت 9)۔

جب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل زیب تن کیے نماز میں مشغول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ کیا اور میں ان کے نزدیک آکر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کمبل مجھ پر ڈال دیا۔ میرے جسم میں تھوڑی گرمی آئی اور میں محوخواب ہوگیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ کر کہا ''اے سونے والے! خواب سے بیدار ہو'' لہٰذا میں بیدار ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا حال بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''اب ہرگز قریش جنگ کے لیے نہیں آئیں گے اور نہ ہی تمھیں ان کی جانب جنگ کے لیے جانا پڑے گا۔'' بعینہ ایسا ہوا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس واقعہ کے بعد فتح مکہ پیش آیا اور پرچم اسلام سربلند ہوا۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں۔ ان کا ایک اہم معجزہ یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ میری امت کا سورج مشرق ومغرب دونوں جانب چمکے گا۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق ہندوستان میں شمس الدین التمش کی حکومت کے قیام کی صورت میں کی تاکہ اہل ہند اسلام کے دائرے میں آجائیں۔

***

باب سوم

کرامات اولیا کا بیان

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اولیااللہ کے کرامات حق ہیں۔اس سے وہ عمل مراد ہے جو خلاف عادت واقع ہو۔معتزلہ کے نزدیک یہ درست نہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ولی کی کرامات اور نبی کے معجزات کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ان کی نظر میں جو شخص خلاف عادت عمل انجام دے وہ یا تو نبی ہے یا ولی اور یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ کوئی ایسا عمل سرزد ہو جو ولی اور نبی کے درمیان حد امتیاز کو ہی مٹادے۔یہی وجہ ہے کہ وہ جادوٹونے کے بھی خلاف ہیں۔

اہل سنت کی دلیل نقل اور عقل دونوں سے ہے۔نقل سے مراداللہ تعالیٰ کی وہ خبر جو اس نے سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے تخت کے تعلق سے دی۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا ''وہی اس تخت کو میرے سامنے حاضر کرسکتا ہے جو اسم اعظم سے واقف ہو۔''ان کے دربار میں موجود ایک شخص نے کہا ''میں پلک جھپکتے ہی وہ تخت آپ کے سامنے حاضر کروں گا۔''

مفسرین کرام اس بات پہ متفق ہیں کہ اس بزرگ کا نام آصف بن برخیا سمعیا تھا اور وہ نبی نہیں ولی تھے۔وہ اسم اعظم سے واقف تھے۔جب ان کی دعا کی برکت سے بلقیس کا تخت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے'' هٰذا من فضل ربی یعنی یہ میرے رب کے فضل سے ہے(سورہ النمل،آیت 40)۔

(79) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیش بینی

ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ اچانک خطبے کے دوران کہنے لگے"یا ساریۃالجبل، یا ساریۃالجبل یعنی اے ساریہ! پہاڑ سے ہوشیار۔ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ساریہ اس روز نہاوند میں برسر پیکار تھے اور اہل کفار پہاڑ کے پیچھے چھپ کر بیٹھے تھے۔امیر المؤمنین کی یہ کرامت تھی کہ انھوں نے یہ منظر وہیں سے دیکھ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے آواز دی۔اس آواز کو اللہ تعالیٰ نے ساریہ تک پہنچادیا اور انھوں نے اس پہاڑی کی طرف جانے سے پرہیز کیا۔اس بروقت انتباہ کے سبب کافروں کو شکست ہوئی۔

مدینہ سے نہاوند کی دوری پانچ سوفرسنگ سے بھی زیادہ ہے اور یہ واقعہ کچھ اس قدر مشہور ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

(80) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط دریائے نیل کے نام

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں دریائے نیل خشک ہوگیا۔ لوگوں کو کافی پریشانیاں پیش آئیں۔

زمانۂ جاہلیت میں اس قوم میں یہ رواج تھا کہ ہر سال جب دریائے نیل خشک ہوجاتا تو وہ ایک کنواری لڑکی کو زیوروں سے آراستہ کر کے نیل میں پھینک دیتے اور دریائے نیل پہلے کی طرح رواں دواں ہو جاتا۔ اہل مصر نے اپنے قدیم رسم و رواج کے مطابق اس فعل کو انجام دینے کی خواہش ظاہر کی لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت مصر کے گورنر تھے انھیں اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا" آپ لوگ ذرا صبر سے کام لیں تاکہ میں اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہم پہنچاؤں۔الغرض انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ایک خط لکھا اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مٹی کے برتن پر لکھا ''عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام: ''اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو خواہ تو بہے یا رک جائے اس سے مجھے کوئی غرض نہیں اور اگر تو اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو پھر تمام تر مجبوری اور ذلت وخواری کے ساتھ بہہ۔'' جب یہ مٹی کا برتن مصر لے جایا گیا اور دریائے نیل میں ڈالا گیا، دریائے نیل بہنے لگا۔

(81) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر روم کے دربار میں

حضرت محمد مصطفیٰ صل اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیصر روم کے دربار میں بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر روم کے محل کے دروازے پر پہنچے اور بادشاہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ پہرہ داروں نے پوچھا ''تم کہاں سے آئے ہو؟'' انھوں نے کہا ''میں رسول خدا کا قاصد ہوں اور مدینہ سے آیا ہوں۔ میرے پاس ان کی طرف سے قیصر روم کے لیے ایک پیغام ہے۔

پہرے داروں نے کہا ''تم اتنی جلدی بادشاہ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔'' خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے یہاں قیام کی اجازت نہیں۔لہٰذا انھوں نے اسی لمحہ قیصر روم کو یہ اطلاع پہنچائی کہ ایک سوار آیا ہے اور خود کو رسول خدا کا قاصد بتارہا ہے لیکن پھٹے پرانے لباس میں ملبوس مریل گھوڑے پر سوار ہے۔

قیصر نے انھیں دربار میں حاضر کرنے کا حکم کیا۔ جب خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر کے قریب آئے اور سلام کیا تو چوکیدار نے کہا ''بادشاہ کو سجدہ کرو''۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے سامنے سجدہ کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم سوائے خدائے عز وجل کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ قیصر روم ان کی صاف گوئی اور بیباکی سے کافی متاثر ہوا۔ قیصر نے دریافت کیا ''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ انھوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں آپ کو ان کا پیغام پہنچاؤں۔''

قیصر روم نے کہا ''کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملا جو انھوں نے تمھیں میرے پاس بھیجا ہے۔'' انھوں نے کہا ''اگر آپ علم و فضل کی بات کرتے ہیں تو پھر مجھ سے بہتر بہت سارے لوگ تھے اور اگر لباس اور ساز و سامان کی بات کرتے ہیں تو ایسا کوئی بھی نہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت زیادہ دولت نہیں اور وہ شان و شوکت کی نمائش پسند نہیں کرتے۔ اگر چہ میں پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس ہوں، آپ میرے ہنر کو آزما سکتے ہیں۔ آپ جس شخص کو چاہیں میرے مقابلے میں بھیج سکتے ہیں۔''

قیصر روم نے کہا ''میں اپنے لوگوں کو تباہ و ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ میں تمھیں زہر کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہوں۔ اگر تم اسے پی لو اور تمھیں کوئی گزند نہ پہنچے تو میں یہ سمجھ جاؤں گا کہ تمھارا دین سچا ہے۔''

لہٰذا قیصر روم کے فرمان کے مطابق ایک درم وزن کے برابر زہر پیالے میں ڈالا گیا اور اس میں پانی ملا کر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے پیالہ کو ہاتھوں میں لے لیا اور مضبوط ارادے کے ساتھ یہ کلمات پڑھے بسم اللّٰه الذی لا یضرمع اسمه شی فی الارض ولا فی السمأ وهوالسمیع العلیم (شروع اللہ کے نام سے، اس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی، نہ آسمان میں نہ زمین میں اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے) اور جو کچھ پیالے میں تھا پی گئے۔ ان کے جسم سے فوراً پسینہ خارج ہونے لگا اور سارا زہر ان کے مسام سے باہر آ گیا۔ وہ بالکل صحیح سالم کھڑے رہے۔

قیصر روم نے جب یہ دیکھا تو ان کی تعظیم و تکریم کی اور ایک خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لکھ کر ان کے حوالے کیا۔ اس خط میں اس نے اصحاب رسول کے جذبہ اخلاص و اطاعت کی تعریف کی۔

جب خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا ''تم خوفزدہ نہیں ہوئے اور زہر پی گئے۔'' انھوں نے کہا ''اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد نہ ہوتا تو زہر کو چکھنا بھی میرے لیے دشوار ہوتا۔ چونکہ میں آپ کی رسالت پر یقین کامل رکھتا ہوں میں نے اس وقت

دل میں کہا ''میں خدا کے رسول کا قاصد ہوں ۔ ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن رسول کے قاصد کوکوئی گزند نہیں پہنچا سکتا ۔''

(82) حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ کے کرامات

ابواسحٰق ابراہیم بن ادھم بن منصور جن کا شمار مشاہیر اولیا میں ہوتا تھا بلخ کے رہنے والے تھے ۔استاد ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ انھیں اپنی مجلس میں ان تمام مشائخ پر جو بلخ کے شاہی گھرانوں کے چشم و چراغ تھے مقدم رکھتے تھے ۔

ایک روز وہ جنگل کی طرف شکار کی غرض سے نکل پڑے ۔ اچانک ایک ہرن ان کے سامنے سے دوڑا ۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑے اور کافی دور تک پیچھا کرتے رہے ۔ اچانک غیب سے آواز آئی ۔ کیا میں نے تمھیں اس کام کے لیے پیدا کیا ہے؟ ابراہیم ہوشیار ہوگئے اور کہا ''نہیں، مجھے اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے ۔'' فوراً گھوڑے سے اتر گئے اور پیدل چلنے لگے ۔ راستے میں ایک چرواہے کو دیکھا جو ان کے والد کے چرواہوں میں سے تھا ۔ انھوں نے اپنا لباس اور گھوڑا اس کے حوالے کیا اور اس کی گدڑی لے کر جنگل کی راہ لی ۔

ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ مکہ آئے اور وہاں سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے تابعین کی ایک جماعت کی صحبت اختیار کی ۔ انھیں ان کی صحبت میں دین کو سمجھنے کا بہتر موقع ملا ۔ جنگل کے قیام کے دوران ان کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی ۔ اس مرد خدا نے انھیں اسمائے اعظم سکھائے ۔ وہ مستجاب الدعا قرار پائے ۔ ان کی ایک کرامت عبداللہ صوری رحمتہ اللہ علیہ سے یوں منقول ہے ۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک بار ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ ملک شام کے لیے روانہ ہوئے ۔ ایک دن وہاں کی فضا شدید گرم ہوگئی اور آگے جانا ممکن نہ رہا ۔ ابراہیم نے اپنی راہ بدل لی اور ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے لگے ۔ وہ درخت انار کا تھا ۔ چونکہ انار کافی ترش تھا ابرہیم ادھم نے کوئی التفات نہ کیا اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا ۔ اچانک اس درخت سے آواز آئی ۔ ''از راہ کرم، آپ میرے پھلوں کو چکھیں ۔'' انھوں نے اس درخت سے دو انار توڑ لیے ۔

ایک مجھے دیا اور دوسرا خود کھایا۔ میں ان کے ہمراہ ملک شام گیا اور انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے بیشتر تبرکات کی زیارت کی۔

جب ہم اس سفر سے واپس آئے تو ہم اسی درخت کے پاس پہنچے۔ اس درخت کو دیکھا کہ وہ دوسرے درختوں کے مقابلے میں بلند تر اور بہتر دکھائی دیا۔ اس کی شاخیں بلند تھیں سایہ بھی گھنا ہو چکا تھا اور پھل بھی کافی شیریں اور مزے دار تھے۔ یہ درخت سال میں دو بار پھل دیتا اور اللہ کے نیک بندے وہیں استراحت فرماتے۔

(83) خدائے کریم کا لطف و کرم

ابوالفضل ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا شمار بھی اجل مشائخ طریقت میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم تھا۔ ابوالفضل بن ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ان کے والد کا نام ثوبی تھا جو 245ھ میں انتقال فرما چکے تھے۔ ان سے بہت سارے کرامات وابستہ ہیں۔

قشیری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک بار سالم مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا ''کیا وجہ تھی کہ آپ نے توبہ فرمائی؟'' انھوں نے جواب دیا ''کسی میں اتنی قوت نہیں جو اس واقعہ کو سن سکے۔'' ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''جب میں دوسرے علاقوں کے سفر کے ارادے سے مصر سے باہر آیا تو میں راستے میں ہی ایک مقام پر استراحت کی غرض سے رک گیا۔ مجھے نیند آ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلے سے زمین پر گر پڑی ہے۔ پھر زمین پھٹ گئی۔ زمین سے دو پیالے برآمد ہوئے۔ ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا۔ ایک میں تل اور دوسرے میں پانی بھرا تھا۔ لہٰذا اس نحیف و ناتواں پرندے نے تل سے اپنی بھوک مٹائی اور پانی سے اپنی پیاس کا ازالہ کیا۔

اچانک وہ پیالے غائب ہوگئے۔ میں نے کہا ''یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ زیادہ آمدنی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ کسی کو ضائع نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں جبکہ اس کا مالک اسے تباہ نہیں کرے گا، روٹی کے لیے اتنی زحمت نہیں اٹھانی چاہیے۔''

(84) حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ اور یہودی

ابوعلی فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ ایک مشہور و معروف شیخ طریقت شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا تعلق مرو سے تھا۔ بعضوں کے نزدیک وہ سمرقند میں پیدا ہوئے اور ان کی پرورش ابیورد میں ہوئی۔ ان کا انتقال 287ھ میں ہوا۔

اوائل عمری میں وہ نسا اور ابیورد کے علاقے میں لوٹ مار کرتے تھے۔ اسی زمانے میں وہ ایک خاتون کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ ایک رات انھوں نے چاہا کہ وہ اپنے معشوق کے پاس جائیں اور دو ایک گھنٹے اس کی صحبت میں رہیں۔ معشوقہ تک رسائی کی غرض سے ایک دیوار پر چڑھے۔ ''اسی اثنا میں ایک آواز کانوں سے ٹکرائی اَلَمْ یأنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوآاَن تَخْشَعَ قُلُوبُہُمْ لِذِکْرِاللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَق ''کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہوں۔'' (سورہ الحدید، آیت 16)۔

جب یہ آواز آئی تو انھوں نے دل ہی دل میں کہا ''وقت آ گیا ہے کہ میں توبہ کرلوں۔'' اس خیال کا آنا تھا کہ وہ کافی شرمندہ ہوئے۔ اسی رات وہ ایک ویران سرائے میں استراحت کی غرض سے داخل ہوئے۔ قافلہ کی ایک جماعت وہاں پہلے ہی سے موجود تھی جو رات میں ہی اپنا سفر طے کرتی تھی۔

فضیل نے کہا ''چلو اٹھو ہم لوگ چلتے ہیں۔'' ان میں سے بعضوں کی رائے یہ تھی کہ وہ صبح تک آرام کریں کیونکہ رات کے وقت فضیل راستے میں ہوتا ہے۔'' فضیل یہ سن کر رونے لگے اور کہا ''اے بھائیو! فضیل تو تمھارے ساتھ ہے۔ اب تم سلامتی کے ساتھ سفر کر سکتے ہو۔''

فضیل کی عادت یہ تھی کہ وہ جب بھی کسی کارواں کو لوٹتا اور جس کسی کا بھی مال ضبط کرتا اس شخص کا نام اور پتہ اپنے روزنامچے میں ضرور درج کر لیتا۔ لہٰذا اس نے تمام ایسے لوگوں کو بلایا جس کا مال اس نے لوٹا تھا۔ ان کے مال و دولت انھیں لوٹا دیے اور ان سے معذرت طلب کی۔ اسی اثنا میں انھیں ایک یہودی کی یاد آئی جو ملک شام کا باشندہ تھا۔ اس سے ایک

خطیر رقم اس نے لوٹی تھی۔ لہٰذا ملک شام کا سفر کیا اور یہودی کے گھر کا پتہ ڈھونڈ نکالا۔ اس سے اپنے توبہ کا حال بیان کیا اور اسے ہر ممکن طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی۔

یہودی نے کہا ''یہ تو اچھی بات ہے کہ تم نے توبہ کر لی ہے لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک میری رقم واپس نہیں مل جاتی، میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' اس وقت نہ تمھارے پاس مال ہے نہ ثروت۔ اب بہتر یہی ہوگا کہ تم میرے گھر کے اندر جاؤ۔ وہاں چٹائی کے نیچے تھوڑا سونا ملے گا۔ اس میں سے اس قدر لے لو جو تمھارے ذمہ ہمیں واپس کرنا ہے۔ تم وہ مجھے دے دو تا کہ میرا حق ادا ہو جائے اور تمھارا وعدہ بھی پورا ہو جائے۔''

فضیل رحمتہ اللہ علیہ یہودی کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہاں سے سونا ملا۔ وہ سونا لے کر اس یہودی کے پاس آئے۔ جب یہودی نے سونا دیکھا تو اس کا انکار، اقرار میں بدل گیا۔ اس نے کہا ''آپ کلمہ پڑھیں۔'' میں نے توریت میں امت محمدیہ کے صفات پڑھے ہیں۔ ان صفات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی صدق دل سے توبہ کرے تو مٹی بھی سونا ہو جائے۔ میرے قالین کے نیچے مٹی کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ میرا مقصد تو آپ کا امتحان لینا تھا۔ جب مجھ پر آپ کے توبہ کی صداقت اور آپ کے دین کی حقیقت واضح ہو گئی تو انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔'' لہٰذا وہ دین اسلام میں داخل ہو گیا اور ایمان کے اعلیٰ درجہ تک رسائی حاصل کر لی۔

(85) حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام

حضرت معروف بن فیروز کرخی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار بھی مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ وہ مستجاب الدعا تھے۔ ان کا مزار بغداد میں ہے۔ اہل بغداد کہتے ہیں کہ معروف کرخی کی قبر کی خاک میں زہر کا علاج ہے۔

معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے والدین عیسائی تھے۔ بچپن میں انھیں مدرسہ بھیجا گیا تا کہ وہ انجیل کا درس حاصل کریں۔ معلم نے ان سے کہا ''کہو، خدا تین ہیں۔'' انھوں نے کہا ''نہیں، خدا ایک ہے۔'' معلم نے انھیں خوب پیٹا یہاں تک کہ جان جانے کی نوبت آ گئی۔ معروف اس

مدرسے سے بھاگ کھڑے ہوئے ،علی بن موسیٰ رضارحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ والدین کو ان سے بڑی محبت تھی ۔ وہ ان کی یاد میں دن رات روتے تھے اور کہتے تھے'' کاش ہمارا فرزند واپس آجائے۔اس کا جو بھی دین ہوگا ہم اسے قبول کرلیں گے۔''

الغرض ایک دن معروف اپنے والدین کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔اندر سے آواز آئی ''کون؟'' انھوں نے جواب دیا''معروف۔'' انھوں نے پوچھا تم کس دین پر ہو؟'' انھوں نے جواب دیا'' دین محمدی پر۔'' پھر انھوں نے دروازہ کھولا ۔معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کے والدین کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی بزرگی کا حال یہ تھا کہ وہ قطب اولیا کے درجہ تک پہنچے۔ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے معرف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ غالبًا معروف رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے کھڑے ہیں۔اچانک غیب سے آواز آئی۔''یہ معروف کرخی ہے، یہ میری محبت کے نشے میں چور ہے اور میرے دیدار کے بغیر ہوش میں نہیں آئے گا۔'' اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)۔

(86) حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی کسر نفسی

ابوالحسن سری بن مغلس سقطی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار نامور مشائخ طریقت اور علمائے حقیقت میں ہوتا تھا۔ وہ جنید رحمتہ اللہ علیہ کے خالو اور استاد تھے ۔انھیں معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔عبادت وریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ ابتدائی ایام میں بازار میں خرید وفروخت کیا کرتے تھے اور ہمیشہ دکان میں بیٹھے رہتے تھے۔

ایک دن معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ ان کی دکان پر تشریف لائے۔ان کے ساتھ ایک یتیم لڑکا تھا۔انھوں نے کہا''سرّی! اس لڑکے کو کپڑے پہنادو۔'' سری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے فوراً اس لڑکے کو کپڑے پہنادیے۔معروف رحمتہ اللہ علیہ اس عمل سے بہت خوش ہوئے اور میرے لیے دعا کی۔انھوں نے کہا'' خداوندا! اس کے دل کو دنیا سے پھیر دے اور اسے اس بیہودہ اور فضول کام سے فراغت نصیب فرما۔''

وہ کہتے ہیں کہ جب میں دکان سے اٹھا تو میرے نزدیک کوئی چیز دنیا اور متاع دنیا سے زیادہ بدتر دشمن نظر نہیں آئی۔ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہوا حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت کے سبب تھا۔

جنید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابوالحسن سری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ انھیں روتا ہوا پایا۔ میں نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ کل میری بیٹی میرے پاس آئی اور کہنے لگی ''ابوجان! موسم گرما کی رات ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں پانی کے کوزے کو چھت پر لٹکا دوں تا کہ پانی ٹھنڈا ہو جائے اور جب آپ اسے نوش فرمائیں تو لذت و فرحت محسوس کریں۔''

میں نے اسے اس بات کی اجازت دے دی۔ اس نے کوزے کو چھت پر لٹکا دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب تھکن کے سبب میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں جنت کی ایک حور کو دیکھا جو نہایت ہی حسین و جمیل تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم کس شخص کے لیے ہو؟'' اس نے کہا ''میں اس شخص کے لیے ہوں جس نے پانی کو ٹھنڈا کر کے پینے سے اجتناب کیا۔'' جب ان کی آنکھ کھلی تو اس گھڑے کو زمین پر دے مارا اور توڑ دیا۔

جنید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کوزے کے ٹکڑوں کو زمین پر بکھرا ہوا پایا۔ سری رحمتہ اللہ علیہ نے ان ٹکڑوں کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ ان پر دھول جم گئی۔ حضرت سری ؒ نے 98 سال کی عمر پائی۔ ان کا سال وفات 257ھ ہے۔

(87) تقویٰ کا انعام

حضرت ابونصر بشر بن الحارث الحافی رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے مشائخ کبار میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے 227ھ میں بغداد میں اس دار فانی کو الوداع کہا۔ ان کے توبہ کا معاملہ یہ ہے ایک دن راستہ سے گذر رہے تھے۔ ایک کاغذ کے ٹکڑے کو راستہ میں گرا ہوا پایا۔ اس پہ بسم اللہ لکھا تھا۔ اس ٹکڑے کو انھوں نے اٹھایا اس کے گرد وغبار کو جھاڑا، اور ایک درم دے کر عطر خریدا اور اس کاغذ کے ٹکڑے کو معطر کیا۔ پھر اس

کاغذ کو ایک دیوار کے سوراخ میں رکھ دیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا تھا، تم نے خدائے عزوجل کے نام کو معطر کیا ہے۔ خدا نے تمھیں دنیا اور آخرت میں معطر کر دیا۔''

وہ ہمیشہ ننگے پاؤں چلتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انھیں بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ بلاتے۔ وہ کہتے تھے کہ زمین اللہ کی ہے۔ لہٰذا بے ادبی نہیں ہونی چاہیے۔'' کہتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ رہے بغداد کے کسی جانور نے بھی راستے میں غلاظت نہیں پھیلائی کیونکہ ایسی صورت میں ان کے پاؤں آلودہ ہوجاتے۔

بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ ایک لمبی مدت تک باقلی (ایک طرح کی سبزی) کے خواہش مند رہے لیکن اسے کبھی نہیں چکھا۔ وفات کے بعد لوگوں نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا ''اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔'' انھوں نے کہا ''اللہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔ ''اے میرے بندے! تو نے اپنی خواہش کے مطابق نہیں کھایا۔'' اب تیرے لیے بے حساب کھانا حاضر ہے۔ اے بندے! تو نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اب تیرے لیے شراب حاضر ہے۔ تو جتنا چاہے پی، تجھ پر کوئی عتاب نہیں۔'' خداوند سبحانہٗ تعالیٰ ہمیں ان برکات سے محروم نہ کرے (آمین)۔

(88) لقمہ حلال کی تاثیر

حضرت ابوعبداللہ حارث المحاسبی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار اپنے عہد کے مشائخ طریقت میں ہوتا ہے۔ علم وفضل، زہد و ورع اور اخلاق و کردار میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کے آباواجداد بصرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے 243ھ میں بغداد کی سرزمین پہ ہی وفات پائی۔

کہتے ہیں کہ ان کے والد نے ستر ہزار درم کی میراث چھوڑی تھی۔ انھوں نے اس میراث سے کچھ بھی نہ لیا کیونکہ ان کے والد قدریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زہد و ورع کے سبب وہ والد کی میراث کے لیے جھگڑنا نہیں چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ'' لا یتوارث اهل ملتين شئيا'' دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔''

راوی کے مطابق موت کے وقت ابوعبداللہ رحمتہ اللہ علیہ ایک ایک درم کومحتاج تھے۔ جب جب وہ کھانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتے ان کی انگلی کی رگ چڑھ جاتی اور وہ یہ سمجھ لیتے کہ وہ کھانا ان کے لیے مشکوک ہے۔ وہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے اور نہ کھاتے۔

حضرت جنیدرحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ان کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے۔ میں نے انھیں گھر پر دعوت دی۔ انھوں نے میری دعوت قبول فرمائی۔ گھر پر جو طعام تھا وہ کسی کی شادی کے موقع پر تیار کیا گیا تھا اور میرے گھر بھیج دیا گیا تھا۔ میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے اس کھانے کا ایک لقمہ اٹھایا اور اپنے منہ میں رکھا۔ یہ لقمہ ان کے منہ میں گھومتا رہا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، باہر نکلے، لقمہ کو پھینک دیا اور چلے گئے۔

چندروز بعد جب ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہونے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا ''میں بھوکا تھا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ تمھاری خواہش کا احترام کروں تاکہ تم خوش ہوجاؤ۔ لیکن میرے لیے خدائے تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو مجھے ان کھانوں سے روک دیتی ہیں جس میں شک وشبہ کی گنجائش ہو۔ وہ کھانا میرے حلق کے نیچے نہیں اترتا۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا۔''

میں نے کہا ''وہ کھانا میرے ایک رشتہ دار کے یہاں سے آیا تھا جس نے میری دعوت کی تھی''۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا ''آج آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے ساتھ تناول فرمائیں۔'' انھوں نے حامی بھر لی اور میں انھیں اپنے گھر لے گیا۔ چند خشک روٹیاں جو حاضر تھیں پیش کردیں۔ انھوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ میرے ساتھ طعام فرمایا اور کہا۔ ''جب تم کسی درویش کو کھانا کھلاؤ تو اس بات کا خیال رکھو کہ روٹیاں خشک ہوں اور چہرہ ہشاش بشاش۔''

(89) دنیا: مومن کے لیے قید خانہ

حضرت ابوسلیمان بن داؤد بن نصیر الطائی رحمتہ اللہ علیہ یگانہ روزگار تھے اور ان کا شمار اپنے عہد کے جید پیران طریقت میں ہوتا تھا۔ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں

میں تھے۔ زہدوتقویٰ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس تقویٰ کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز ان کے استاد نعمان رحمتہ اللہ علیہ نے ان کو چشم بصیرت سے دیکھا اور اندازہ لگا لیا کہ یہ کام کا آدمی ہے۔

انھوں نے فرمایا ''اے داؤد! تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور علم کے سارے مدارج طے کر لیے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے علم کو عمل کا جامہ پہناؤ۔ یہ بات داؤد کے دل میں گھر کر گئی۔ انھوں نے فوراً تمام امور دنیوی سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔

کہتے ہیں کہ ان کے پاس سونے کے بیس دینار موجود تھے جو ان کے والد سے انھیں ملے تھے۔ انھوں نے وہ بیس دینار بیس سال کی مدت میں خرچ کر دیے۔ ان کے ایک مرید کا کہنا ہے کہ ایک رات میں نے انھیں خواب میں دیکھا جبکہ وہ ابھی زندہ تھے۔ وہ دوڑے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا ''آپ اس قدر تیز کیوں دوڑ رہے ہیں۔'' کہنے لگے ''مجھے اب قید سے نجات مل گئی ہے۔''

جب میں بیدار ہوا تو میں نے حضرت داؤد رحمتہ اللہ علیہ کی موت کی خبر سنی جو اسی اثنا میں انتقال فرما چکے تھے۔ مجھے اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ دنیا قید خانہ ہے۔ مومن موت کے وقت اس قید خانے سے رہائی پاتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتا ہے۔

(90) حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ اور معرفت الٰہی

حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ خراسان کے مشائخ کبار میں شمار کیے جاتے تھے۔ حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ انھوں نے اپنی توبہ کا واقعہ یوں بیان فرمایا کہ وہ ایک بار تجارت کی غرض سے ترکستان گئے۔ جوانی کا زمانہ تھا۔ تجارت کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ ایک دن وہ ایک بت خانہ کے اندر داخل ہوئے۔ ایک بت پرست کو دیکھا کہ خطای زبان میں وہ اپنے بت کو 'توپن' کے نام سے خطاب کر رہا ہے جبکہ ہندوستان میں اسے لوگ 'سیبور' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس بت پرست کے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے اور سرخ رنگ کا لباس زیب تن تھا۔ انھوں نے اس پجاری سے کہا ''تمھارا ایک خدا ہے جو زندہ و پائندہ ہے، اس کی عبادت کرو اور ان بتوں کی پرستش سے دور رہو۔ نہ تو یہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچانے پر قادر ہیں۔''

پجاری نے جواب دیا ”تم جو کچھ کہہ رہے ہو صحیح ہے۔ اگر وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمھیں شہر میں رزق فراہم کرے تو پھر سفر کی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہو۔ روزی حاصل کرنے کی خاطر خراسان سے ترکستان کی طرف کیوں جا رہے ہو؟“ شقیق رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ”اس اجنبی کے اس جملہ نے میرے لیے معرفت کا دروازہ کھول دیا اور میرا سینہ روشن ہو گیا۔“ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی توبہ کا سبب غالباً یہ واقعہ تھا۔

ایک سال خراسان میں زبردست قحط پڑا۔ بارش کی قلت ہوئی اور اشیائے خوردنی ناپید ہو گئیں۔ لوگ بھوک کے سبب باہر نکل آئے اور رو رو کر خداوند تعالیٰ سے بارش کی بھیک مانگنے لگے۔ شقیق رحمتہ اللہ علیہ نے اسی اثنا میں یہ دیکھا کہ ایک زنگی غلام خوشیاں منا رہا ہے اور ہنس رہا ہے۔ شقیق رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا ”تو کس بات پہ خوش ہے؟ کیا تو لوگوں کی تکلیف نہیں دیکھتا ؟“ اس غلام نے کہا ”میں قحط کی خبر کیوں رکھوں اور مجھے کیا ڈر، میرا آقا تو دو انبار غلے کا مالک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے یوں بھوکا نہیں رکھے گا۔“

اس کی باتوں سے مجھ پر ایک زبردست حقیقت منکشف ہوئی۔ میں سوچنے لگا ”یہ بیچارہ غلام جس کا مالک دو انبار غلے رکھتا ہے، اس قدر خوش وخرم اور بے خوف ہے۔ مجھے شرم نہیں آتی، میں روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں جبکہ میرا خدا وہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان کے تمام خزانے ہیں۔“

(91) حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا توکل

حضرت شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ اوائل عمری میں بڑے ہی ثروت مند وخوشحال تھے۔ شب و روز نشاط کی محفلیں جمتی تھیں اور عیش وعشرت کے سارے اسباب مہیا تھے۔ دوست واحباب کی اچھی خاصی تعداد ان کے گرد جمع رہتی۔ ہمیشہ شکار کا منصوبہ بناتے اور مست رہتے۔

ایک بار شہر کے امیر کا کتا گم ہو گیا۔ اس کے کسی افسر نے ایک شخص پر چوری کا الزام لگایا اور کہا کہ کتا اسی شخص کے گھر میں ہے۔ وہ شخص جس پہ الزام لگایا گیا تھا شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا پڑوسی تھا۔ شہر کے حاکم امیر علی بن عیسیٰ نے لوگوں کو اس شخص کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ اس شخص نے شقیق رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں پناہ لی۔

شقیق رحمتہ اللہ علیہ شہر کے امیر کے دربار میں پہنچے۔ اس کی رہائی کی سفارش کی اور کہا۔ ''میں ضمانت دیتا ہوں کہ اگر تین دنوں کے اندر میں اس شکاری کتے کو حاضر نہ کر پاؤں تو امیر جو سزا چاہیں تجویز فرمائیں، مجھے قبول ہوگی۔'' لہٰذا اس شخص کو اس الزام سے بری کر دیا گیا۔ شقیق رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے کیے پر اندیشہ لاحق ہوا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کتا نہ ملے اور امیر انھیں سزا دے۔

تیسرے دن جب مہلت کی مدت ختم ہوگئی تو شقیق رحمتہ اللہ علیہ سزا کے لیے آمادہ ہوگئے۔ اچانک ان کی نظر ایک دوست پر پڑی جو کتے کا پٹہ ہاتھوں میں تھامے ان کی طرف آ رہا تھا۔ شقیق رحمتہ اللہ علیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا ''اس کتے کو تم کہاں سے لا رہے ہو؟'' اس نے کہا ''میں نے راستے میں اس کتے کو پٹہ کے ساتھ دیکھا جو چلا جا رہا تھا۔ اس کا کوئی محافظ بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی شکاری کتا ہے۔ میں نے سوچا، کیوں نہ میں اس کتے کو شقیق رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کروں۔ لہٰذا میں اس کتے کو آپ کے پاس لے آیا۔'' شقیق رحمتہ اللہ علیہ فوراً اس کتے کو امیر کے پاس لے گئے اور اس کے حوالے کیا۔ یہی واقعہ ان کے تقویٰ کا سبب بنا کیونکہ اس واقعہ کے بعد وہ دنیا سے کنارہ کش ہوگئے اور ساری زندگی اللہ کی عبادت میں گذار دی۔ ان کو یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی نقصان نہیں اٹھاتا۔

(92) حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا روحانی سفر

حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ایک ایسے شیخ طریقت تھے جو قطب عالم کے مقام پر فائز تھے۔ ان کے جد امجد اصلاً آتش پرست تھے لیکن مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ابو یزید تین بھائیوں میں سے ایک تھے۔ دو کا نام آدم اور علی تھا۔ تینوں ہی زہد وورع کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے لیکن ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ نے میدان طریقت میں وہ مقام حاصل کیا تھا جو ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ بے شمار کرامات ان سے وابستہ ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے عالم معرفت میں ایسی بلندی حاصل کی کہ وہ عارفوں کے صدر نشین کہلائے۔ ایک روز وہ اپنے خانقاہ سے باہر آئے اور مریدوں سے کہا ''کل

جب میں مناجات الٰہی میں مشغول تھا تو مجھے بوستان قرآن کی سیر کا شرف حاصل ہوا۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو علم دین اور آخرت کا طالب ہے اسے چاہیے کہ قرآن پر غور کرے۔ مجھے خوش آمدید کہا گیا اور خیر مقدم کرنے والوں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا میں وقت کا خضر ہوں اور اپنے دل کی تاریکیوں میں گم ہوں۔ معرفت کے آب حیات تک پہنچنا چاہتا ہوں۔''

ان لوگوں نے پوچھا کیا تم خود آئے ہو یا بلوائے گئے ہو؟ میں نے کہا میں اللہ کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔''

ان لوگوں نے کہا۔'' یہ راستہ بہت طولانی ہے'' میں نے کہا'' یہ اہل مجاز کے لیے طولانی ہے لیکن اہل باطن کے لیے نہیں۔''

ان لوگوں نے کہا'' راستے میں راہزن ہیں۔'' میں نے کہا'' یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس راستے میں عورتوں کی طرح چلتے ہیں، مردوں کو ان سے کوئی ڈر نہیں۔''

ان لوگوں نے کہا'' یہ ایک ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارا نہیں اور ایک ایسا صحرا ہے جو لامتناہی ہے۔ یہاں عمر دراز اور صبر واستقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا'' مجھ سے کہا گیا ہے کہ یہ دو قدم سے زیادہ نہیں۔''

ان لوگوں نے کہا'' اگر صفات قدیمی کا دریا تمھارے سامنے ہو تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے کہا'' میں دریا کی صورت اختیار کروں گا تا کہ دریا جب بے اختیار ہو جائے تو سفینہ بن جاؤں کیونکہ جب کوئی اپنے مقصود تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے کوئی کام نہیں رہتا۔''

میں نے پوچھا'' اس راستے پر کیسے چلوں؟'' ان لوگوں نے کہا'' نفسانی خواہشات اور خودغرضی سے اجتناب کرو۔'' یہ سننا تھا کہ میں نے نفس کو ترک کیا اور چلنے لگا۔ اپنے محبوب کی گلی کی طرف مڑ گیا۔ پرسکون سفینہ میں بیٹھ گیا۔ لطف وکرم کے ملاح نے آواز لگائی'' بسم اللہ مجرھا ومرسھا یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے (سورہ ہود، آیت 41)۔

پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا'' تمھیں راستے میں بہت ساری چیزیں ملیں گی، صرف انھیں دیکھو اور گذر جاؤ۔ اگر تم ان کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے تو پھر دوست سے دور ہو جاؤ گے۔'' میں روانہ ہو گیا اور ایک جزیرے میں پہنچا۔ دیکھا کہ بہت ساری لاشیں پڑی

تھیں اور کتے ان پر جھپٹ رہے تھے۔ وحشی جانوروں کو دیکھا جن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ میں نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' ان لوگوں نے کہا ''دنیا اور دنیا داروں کی حقیقت ہے۔'' میں اس مقام سے گذر کر ایک ایسے مرغزار میں پہنچا جس میں انواع واقسام کے پھول کھلے تھے اور پرندے گیت گا رہے تھے۔ میں نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' ان لوگوں نے کہا ''یہ جنت اور اہل جنت ہیں''۔

میں وہاں سے گذرتا ہوا آگے بڑھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ تھم گئی۔ بادنسیم کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں کا احساس ہوا۔ یک گونہ فرحت وانبساط نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ ایسی خوشی تھی جس کا تعلق دنیوی نعمات کے سماع سے نہ تھا۔ یہ ایسی فرحت تھی جس کی نسبت مخلوقات کی خوشیوں سے نہ تھی۔ میری عقل اور میری روح ان حالات کے ادراک سے قاصر تھیں۔

میں کہنے لگا ''خداوندا! یہ کیسا نقش ہے جو بغیر کسی قرطاس کے وجود میں آ گیا ہے اور یہ کیسی آواز ہے جو بغیر کسی تار کے کانوں میں رس گھول رہی ہے؟ قیاس کے سارے رشتے ٹوٹ چکے اور پردۂ حواس بھی تار تار ہو چکے ہیں۔ عقل معزول کر دی گئی ہے اور وہم وگمان بھی معدوم ہو چکا ہے۔'' ان لوگوں نے کہا ''دیکھو اور مت پوچھو کہ تم نے یہ سب کیسے دیکھا؛ سنو اور مت کہو تم نے کیا سنا۔ سورہ انعام میں اللہ فرماتا ہے۔ لا تدركه الابصار وهويدرك الابصار وهوالطيف الخبير اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے (سورہ انعام، آیت 103)۔

جن لوگوں نے ان اسرار کی معرفت حاصل کی انھیں بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مقام کا ادراک ہو گیا۔

(93) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کا زہد وتقویٰ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ وہ علم وفضل میں یگانۂ روزگار اور زہد وورع میں بے مثال تھے۔ انھوں نے ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کو مکہ میں دیکھا تھا۔ ان کی ولادت 283ھ میں ہوئی تھی۔

حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میں تین سال کا تھا تو ہر رات جاگ جاتا اور اپنے ماموں محمد سوار رحمتہ اللہ علیہ کی حالت کا مشاہدہ کرتا جو کہ زہد کے گھوڑے پر سوار رہتے۔ تمام رات وہ نماز میں گزارتے اور قیام کرتے۔ میرے ماموں مجھ سے کہتے ''اے سہل! تم سویا نہ کرو کیونکہ مجھے تمھاری فکر ہوتی ہے۔''

جب میں چار سال کا ہوا تو ماموں نے مجھ سے کہا ''تم اپنے اس پروردگار کو یاد کرو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' میں نے پوچھا ''کیسے یاد کروں؟'' انھوں نے کہا ''ہر رات جب بھی تمھاری آنکھ کھلے یا تم کروٹ بدلو، تین بار خدا کو یاد کرلو۔ زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں صرف دل میں یہ کہو کہ خدا میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔''

لہٰذا ہر رات میں یہ عمل کرنے لگا۔ میرے ماموں نے مجھ سے کہا کہ میں ہر رات اس ورد کو سات بار دل ہی دل میں دہراؤں۔ ایک مدت تک میں اس وظیفہ میں مشغول رہا۔ ماموں نے کہا کہ اب اس کلمہ کا ورد گیارہ بار کرو اور ایک مدت تک میں اس پر عمل پیرا رہا۔ یہاں تک کہ ایک سال کے بعد مجھے اس ذکر کی حلاوت نصیب ہوئی۔

ماموں نے مجھ سے کہا ''میں نے جو کچھ تمھیں بتایا ہے اس پر کار بند رہو یہاں تک کہ جب تم دنیا سے جانے لگو تو تمھیں دین و دنیا کی نعمت نصیب ہو۔'' ایک عرصے کے بعد اس ذکر کی حلاوت میں اور اضافہ ہوگیا۔ میرے دل پر یہ بات نقش کر گئی کہ جب خدا مجھے دیکھتا ہے، جانتا ہے اور میرے ساتھ رہتا ہے تو میں ایسے خدا کو اپنے گناہوں سے کیسے آزردہ خاطر کروں۔ لہٰذا میں گوشہ نشیں ہوگیا اور اپنے دل کی طمانیت پر نظر رکھنے لگا۔

جب مجھے مکتب بھیجا گیا تو میں نے سوچا کہ اگر تمام دن میں مکتب میں رہوں گا تو میری طمانیت قلب جاتی رہے گی۔ اپنے ماموں سے کہا'' آپ معلم سے کہیں کہ میں دن بھر میں صرف ایک بار ان کے پاس جایا کروں گا اور ان سے درس لے کر واپس آ جاؤں گا۔ میرا یہی معمول رہا اور میں نے چھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔

میری عادت یہ تھی کہ میں ہمیشہ بزرگوں سے ملتا رہتا تھا۔ میں ایک معمر شخص کی خدمت میں جایا کرتا تھا جن کا نام حمزہ بن عبداللہ بن العبادانی تھا۔ میں ان سے اپنے مسائل کا حل جو راہ طریقت میں درپیش ہوتا معلوم کرتا۔

جب میں تستر واپس آیا تو ہر صبح میں چار درہم وزن کی مقدار کا آٹا تیار کرتا جس کی روٹی بنائی جاتی۔ اس میں نمک بھی نہ ہوتا۔ میں اسے کھا کر گزارا کرتا۔ لہٰذا میرے لیے صرف ایک درہم سال بھر کے لیے کافی ہوتا۔ پھر میں ہر تین دن کے بعد کھانا کھانے لگا اور چند روز بعد ہر بیس روز میں ایک بار طعام کا معمول رہنے لگا۔'' جو کوئی بھی ان کی اس ریاضت شاقہ پر غور کرے گا اسے ان کی بزرگی کا درک ہو پائے گا۔ ان کے کرامات بے شمار ہیں۔ اگر ان کو یکجا کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔

(94) حضرت شیخ ابوسلیمان رحمتہ اللہ علیہ کی دین داری

شیخ ابوسلیمان بن عبدالرحمٰن عطیہ دارانی رحمتہ اللہ علیہ اجل مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کا آبائی وطن داران تھا جو دمشق میں واقع تھا۔ وہ 215 ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ بہت سارے کرامات ان سے منسوب ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے سفر کے دوران ایک صحرا سے گذر رہا تھا۔ اتفاقاً میرا قافلہ آگے بڑھ گیا اور میں تنہا رہ گیا۔ اب میں تنہا چلنے لگا۔ اچانک میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مجھے ایک شخص نظر آیا جو قافلہ سے بچھڑ گیا تھا۔ وہ میرے پاس آیا۔ چونکہ وہ آتش پرست تھا مجھے اس کے ساتھ چلنے میں کراہیت محسوس ہوئی لیکن ضرورت کے تحت ساتھ ہو گیا۔

چند روز ہم یونہی چلتے رہے اور زاد راہ ختم ہو گیا۔ ضعف نے آگھیرا۔ اس آتش پرست نے مجھ سے کہا ''اے سلیمان! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو دعا کرو کہ اللہ ہمارے لیے کھانا بھیج دے۔'' میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ میں فوراً ایک گوشے میں گیا اور دعا کرنے لگا ''اے خدا میں نے ہمیشہ دشمنوں کے سامنے تیرے لطف و کرم کا مذاق اڑایا ہے آج مجھے اس دشمن کے نزدیک شرمندہ نہ کر۔'' میں ابھی دعا مانگ ہی رہا تھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا۔ اس کے درمیان ایک سینی تھی جس پر غذا کے علاوہ پانی کا پیالہ بھی موجود تھا۔ ہم دونوں نے اسے اپنے ہاتھوں میں لیا اور تناول کیا۔

میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کہیں یہ آتش پرست دوبارہ اس طرح کی فرمائش نہ کر بیٹھے۔ میں نے اس سے کہا تم بھی اپنے خدا سے کہو ہمارے کھانے کا بندوبست کرے۔ آتش پرست سربسجود ہوگیا۔ اور رونے گڑگڑانے لگا۔ میں نے دیکھا کہ پھر بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور کھانے کی دو سینیاں اور پانی کے دو پیالے حاضر تھے۔ میں حیران رہ گیا اور شرمندہ بھی ہوا۔ بہت زیادہ غیرت اور حیرت کے سبب میں نے کچھ نہ کھانے کی ٹھانی۔

آتش پرست نے کہا ''تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔'' میں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آخر اس سے احتراز کا سبب کیا ہے۔ وہ کہنے لگا ''اے یگانہ روزگار! یہ طعام آپ ہی کے زہد وتقویٰ کا نتیجہ ہے۔ میں تو صرف ایک بہانہ ہوں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جب آپ نے یہ کہا کہ اب تیری باری ہے تو میں اپنی فضیحت پر گھبرایا۔ میں ایک کونے میں گیا اور سربسجود ہوکر دعا کی ''اے خدا یہ شخص تیرے دربار میں عزت ومقام رکھتا ہے۔ مجھے اس کے نزدیک شرمندہ نہ کر۔ میں نے وعدہ کیا کہ اگر تو اس کی خاطر طعام مہیا کردیتا ہے تو میں اس کے دین پر آجاؤں گا اور اپنا زنار اتار پھینکوں گا۔ لہٰذا یہ غذا آپ ہی کے طفیل حاصل ہوئی ہے۔'' میں یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ اس نے فوراً اسلام قبول کیا اور دوزخ کی آگ سے خلاصی حاصل کی۔ وہ کھانا میرے لیے راحت اور خوشی کا سبب بنا کیونکہ اس کھانے کی برکت سے دین سے بیگانہ ایک بندہ دین پر آگیا تھا۔

(95) عیب پوشیدہ رکھنے پر خدا کا انعام

ابوعبدالرحمٰن حاتم بن یوسف الاصم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے زمانے کے مشائخ کبار میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ خراسان میں رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ بہرے نہیں تھے بلکہ خود کو بہرا بنالیا تھا۔

ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی بات پوچھے، ایک سخت آواز کے ساتھ اس کی ریاح خارج ہوگئی۔ عورت بہت شرمندہ ہوئی۔ امام نے اس کی شرمندگی کو دیکھ کر کہا'' تم جو پوچھنا چاہتی ہو ذرا بلند آواز میں کہو کیونکہ میں کانوں سے کم سنتا ہوں۔'' عورت کا دل اب مضبوط ہوگیا۔ اس نے کہا کہ

اللہ کا شکر ہے کہ امام بہرا ہے۔ شاید اس نے میری وہ آواز نہ سنی ہوگی۔ پھر انھوں نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

جب حاتم رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو ایک بزرگ نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا ''اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔'' انھوں نے جواب دیا ''ایک سنی ہوئی بات کو میں نے نہ سننے کا بہانہ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے میری زندگی کے تمام بولنے اور سننے کو معاف کر دیا۔''

(96) حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کی کرم فرمائی

حضرت سعید محمد رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی سال حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گذارے اور ان کے کردار کا قریب سے مطالعہ کیا۔ میں نے کبھی انھیں رنجیدہ نہیں دیکھا لیکن صرف ایک بار۔

ایک تاجر ان کے کسی مرید کو پکڑ کر اس سے چند دینار طلب کرنے لگا۔ اس نے لعنت وملامت کی اور طعنے دیے۔ وہ اس کے ہاتھوں کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ شیخ نے اس سے کہا ''بھائی نرمی اختیار کرو اور مہلت دو تا کہ وہ اس مدت میں تمھارا قرض ادا کر دے۔'' وہ شخص بدعقل تھا۔ اس نے شیخ کی باتوں کی پروا نہ کی اور کہا ''میں کچھ نہیں جانتا مجھے مطلوبہ رقم چاہیے۔''

جب اس نے حاتم رحمتہ اللہ علیہ کی سفارش قبول نہیں کی تو ان کو غصہ آ گیا۔ اپنی گردن سے چادر کھینچ کر زمین پر دے مارا اور ان کی اس چادر کے کنارے سے سونے کے سکّے زمین پر گرنے لگے۔ حاتم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔ ''بھائی اب جو تمھارا حق ہے وہ لے لو۔ زیادہ نہ لینا۔ اگر زیادہ لوگے تو تمھارے ہاتھ شل ہو جائیں گے۔'' وہ شخص سونے کے سکوں کو چننے میں مشغول ہوگیا۔ اس نے اپنی مطلوبہ رقم وصول کر لی لیکن حرص ولالچ کے سبب اپنے حق سے زیادہ رقم اٹھا لیے۔ اسی لمحہ ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کے ہاتھ بیکار ہو گئے۔

(97) حضرت احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کی فاتحہ خوانی

خراسان کے دوسرے بزرگوں میں حضرت احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ بہت مشہور تھے۔

وہ ابوسلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور شیخ ابوحفص حدّاد رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ انھوں نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔

ایک دن وہ ایک کنوئیں پر پہنچے تاکہ طہارت کے لیے پانی نکالیں۔ جب ڈول کنوئیں میں ڈالا تو شیخ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں نے انھیں پانی دینے سے انکار کیا۔ وہ سیدھے اپنے پیرومرشد شیخ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "اے شیخ! آپ ایک بار فاتحہ پڑھیں تاکہ وہ ڈول کنوئیں سے باہر آجائے۔" شیخ کو اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی پر وہ خاموش رہے۔

شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا "اگر آپ نہیں پڑھتے تو پھر مجھے اجازت دیں تاکہ فاتحہ خوانی کروں۔" شیخ نے فاتحہ خوانی کی اجازت دے دی۔ شیخ احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ نے یکسو ہوکر فاتحہ خوانی کی۔ جیسے ہی وہ خاتمہ پر پہنچے، ڈول کنویں سے باہر آگیا۔ شیخ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہوگئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور کہا "یقیناً تو احمد خضرویہ ہے۔"

آپ نے کہا "جی ہاں! میں وہی ہوں لیکن آپ اپنے مریدوں سے کہیں کہ وہ اپنے دلوں کو پاک رکھیں اور کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔"

کہتے ہیں کہ انھوں نے 95 سال کی عمر پائی۔ ان کے انتقال کے وقت ان پر 70 دینار قرض واجب الادا تھا۔ قرض خواہ حضرات ان کے گرد بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا "خداوندا! میں نے اپنی جان کو اس جماعت کے مال کے عوض گروی رکھی ہے۔ جب تک ان لوگوں کا حق ان تک پہنچ نہیں جاتا، میری روح قبض نہ کر۔"

اسی لمحہ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "اے قرض خواہو! آؤ اپنا حق لے لو۔" قرض خواہ حضرات گئے اور اپنے حقوق لے لیے۔ اس کے بعد شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کیا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

(98) تبلیغ اسلام کا طریقہ

شیخ ابوحفص عمر بن مسلم الحدّاد رحمتہ اللہ علیہ خراسان کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ وہ نیشاپور کے نواح میں ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ ایک بار اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ شیخ عثمان خیری رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کو گئے جو یگانۂ روزگار تھے۔ انھوں نے پوچھا ''خانقاہ میں چراغ روشن کرنے کے لیے کتنا تیل ہے؟'' خادم نے جواب دیا ''ایک من یا اس سے بھی کچھ کم۔'' شیخ نے کہا ''تم جتنے چراغ روشن کر سکتے ہو کرو۔'' خادم نے حکم کی تعمیل کی اور انیس چراغ روشن کر دیے۔ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں نے کہا ''یہ تو فضول خرچی ہے۔'' شیخ نے فرمایا ''آپ لوگوں کو میری ملکیت میں کوئی دخل نہیں۔ آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ میں نے ان چراغوں کو اللہ کی خاطر روشن کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو انھیں بجھا دیں''۔ مریدوں نے بڑی کوشش کی لیکن بجھا نہ پائے۔اس رات ان بزرگوں کے درمیان ایک جماعت بھی موجود تھی۔

دوسرے دن وہ جماعت سیر وتفریح کی غرض سے صحرا کی طرف گئی۔صحرا کے قریب ہی ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں ایک امرود کا درخت تھا۔سبھوں نے اس درخت کے ایک پھل کو دیکھا جس میں خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا حسن نمایاں تھا۔اسے دیکھتے ہی ان میں ایک عجیب سی رقت پیدا ہوئی ۔انھوں نے تلاوت کا حکم کیا۔ایک قاری نے یہ آیت تلاوت کی فانظُر الی اثر رحمة اللهِ کیف یحی ا لارض بعد موتها پس آپ رحمت الٰہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے''(سورہ روم، آیت 50)

اس آیت کا سننا تھا کہ ان کے حال و جمال کا پرتو اس جماعت پر پڑنے لگا۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔سبھوں نے نعرے بلند کیے۔ان کی صدائیں ہمسایوں کے گھروں میں گونجنے لگیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ کہ قوالوں کی کوئی جماعت روزی روٹی حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئی ہے۔گاؤں کے لوگ نظارہ کی خاطر جمع ہوئے۔ ان کے درمیان ایک کبڑا بوڑھا بھی تھا جو نہایت ذی فہم تھا۔اس نے کہا ''مجھ سے غلطی ہوئی۔ یہ قوال تو عشق کا نغمہ الاپ رہے ہیں۔ یہ ہرگز سونے کے سکّوں پر قناعت نہیں کریں گے۔''

الغرض اس بوڑھے نے انھیں ضیافت کی غرض سے اپنے کمرے میں بلایا۔ ان لوگوں کو بھی زور کی بھوک لگی تھی۔ سب کے سب اٹھے اور کمرے کے اندر داخل ہو گئے ۔ بوڑھا ایک

پیالہ لے کر آیا جس میں چند درم تھے۔ وہ کہنے لگا ''میں ایک آتش پرست ہوں اور عرصہ دراز سے آگ کی پرستش کرتا آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میری کمائی سے کھانا پسند نہیں کرو گے۔ میں نے یہ سکے پیش کر دیے ہیں، تم جس کام کے لیے خرچ کرنا چاہو کرو۔''

دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ مریدوں کو تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''بھائیو! اگر ہم بیمار کے قریب جائیں اور اس سے اس کا حال دریافت نہ کریں اور گذر جائیں تو یہ مروت کے خلاف ہے۔ تمام رات اس نے اضطراب میں گزاری ہے۔ آج ہم ایک بہانے سے اس کے پاس آئے ہیں۔ اب ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس کا علاج ڈھونڈیں۔''

ابوعثمان رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''پہلے تو ہم اس کا نبض دیکھیں اور غور کریں کہ کیا واقعی وہ اضطراب قلب میں مبتلا ہے۔ پھر اس کے علاج کا سوچیں گے۔ لہٰذا اس بوڑھے کو طلب کیا اور کہا ''تم نے تو ساری عمر آتش پرستی میں گزاری۔ آخر اس عمل سے تمھیں کیا فائدہ ہوا؟۔ دنیا ہی میں تمھارا رنگ پیلا پڑ گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آگ کی پرستش آخرت میں تمھارے چہرے کو سیاہ کر دے گی۔ اگر تم آخرت میں نجات پانا چاہتے ہو تو ایمان لے آؤ۔''

بوڑھے شخص نے کہا ''حقیقت یہ ہے کہ کل رات ہی میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں اس ضلالت و گمراہی سے باز آ جاؤں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں۔ کاش کوئی اللہ کا بندہ میری رہبری کرتا۔ آپ تو جانتے ہیں میرے دل پر ایک مضبوط قفل ہے اور میرے سر پر ایک عظیم موکل حاوی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ اللہ کے نیک بندے سربسجود ہو کر فریاد کرنے لگے ''اے خدا! شکاری جال میں آ گیا ہے۔ اب ایسی چابی کی ضرورت ہے جس کی مدد سے دروازہ کھولا جا سکے۔'' ابھی وہ دعائیں کر ہی رہے تھے کہ اس بوڑھے نے آواز دی ''اے میرے عزیز مہمانو! آپ نے ادھر اپنے سروں کو جھکایا اور ادھر مجھے سات جہنموں سے نجات بخش دی گئی۔ آپ سجدے سے سر اٹھائیں اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں۔ میری بیگانگی آشنائی میں بدل گئی ہے۔''

وہ کمرے سے باہر آیا، زنار توڑ ڈالا، کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی۔ علاوہ ازیں اس کے رشتہ داروں میں سے سولہ افراد نے بھی اسلام قبول کیا۔

شیخ ابوعثمان خیری رحمتہ اللہ علیہ نے ابوحفص حدّاد رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں کومخاطب کر کے کہا ''کل رات انیس چراغ روشن کیے گئے تھے۔ایک چراغ تمھارے شیخ کے لیے تھا اوراٹھارہ خداوند تعالیٰ کے لیے۔آخر کارتم نے دیکھا کہ اٹھارہ چراغوں کی روشنی کی برکت سے اٹھارہ افرادظلمت کفر سے نکل کرنور اسلام کی ضیا پاشیوں میں ڈوب گئے تا کہ عاقلوں کو معلوم ہوکہ من کان للّٰہ کان اللہ لہٗیعنی جواللہ کا ہوجاتا ہےاللہ اس کا ہوجاتا ہے۔

(99) حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں کا اثر

ایک بار کاواقعہ ہے کہ یعقوب بن لیث بہت بیمار پڑ گیا۔سارے طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔اس پرکوئی بھی دوا کارگرثابت نہ ہوئی۔طبیبوں نے مشورہ دیا کہ اب بزرگوں کی دعائیں ہی کام آسکتی ہیں۔

لوگوں نے ایک شخص کوسہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ ان سے دعا کی درخواست کرے اور یعقوب بن لیث کواس مرض سے نجات مل جائے۔سہل رحمتہ اللہ علیہ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور کہا ''اے اللہ! تو اس کے گناہوں کی ذلت کواس کے سامنے پیش کر چکا ہے، اب میری بندگی کی عظمت بھی اس پر ظاہر کردے۔'' اسی لمحہ یعقوب بن لیث شفایاب ہوگیا۔

لوگ مال ودولت لے کرسہل رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انھوں نے اس کی طرف نگاہ نہ کی اورفرمایا ''میں نے یہ عظمت اس وجہ سے حاصل کی ہے کہ میں کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔اگر میں دنیا کی طرف رغبت کرتا تو میری دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔''

(100) حضرت عامر بن عبید قیس رحمتہ اللہ علیہ کا خشوع وخضوع

حضرت علقمہ مرثد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کواس قدرخشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے نہیں دیکھا جتنا کہ عامر بن عبید قیس رحمتہ اللہ علیہ کو۔وہ ایک ایسے شخص تھے جو نماز پڑھتے وقت دنیا و مافیہا سے بالکل بےخبر ہوجاتے۔نماز میں ان کی حضوریٔ قلب کا یہ

عالم تھا کہ جب بھی وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ابلیس سانپ کی صورت میں آتا اور ان کے مصلے پر بیٹھ جاتا۔ اکثر ان کی قمیض کے نچلے حصے سے داخل ہوکر گریبان سے اپنا سر نکال لیتا اور اپنی جگہ سے نہ ہلتا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنی نماز نہیں توڑتے اور نہ ہی ان کا دھیان بٹتا۔

لوگوں نے ان سے پوچھا'' آپ کے دل کو ایسی طاقت کہاں سے ملتی ہے کہ آپ ایسے سانپ سے نہیں ڈرتے۔'' انھوں نے کہا'' مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز کی حالت میں مالک حقیقی کے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔''

کہتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت آیا تو حضرت عامر بن عبید قیس رحمتہ اللہ علیہ کو شہر بدر کر دیا گیا۔ وہ شہر سے باہر نکلے اور سیدھے ایک پہاڑ پر پہنچ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں آفتاب غروب ہوگیا اور تاریکی کا غلبہ ہوا۔ اسی مقام پر ایک راہب اپنے گرجا گھر میں رہتا تھا۔ اس نے جب گرجا کے باہر ایک شخص کو تنہا پایا تو پوچھا۔'' تم کون ہو اور وہاں کیا کر رہے ہو؟ جہاں تم بیٹھے ہو وہ عافیت کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں شیروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں پھاڑ ڈالیں۔ تم میرے عبادت خانہ میں داخل ہو جاؤ تا کہ محفوظ ہو جاؤ۔''

عامر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا'' تم میرے دین کے مخالف ہو۔ تم عیسائی ہو اور میں مسلمان ہوں؛ ہرگز میں تمھاری بات نہیں مانتا۔ خدائے عزوجل کے سامنے شرم آتی ہے کہ میں اپنی جان کی خاطر اپنی دوستی کو دشمنی سے مبدل کروں۔ مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں۔''

راہب نے بڑی منت سماجت کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ راہب نے گرجا گھر کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

جب رات کا ایک پہر گذر گیا تو عیسائی راہب اس اجنبی کے سلسلے میں پریشان ہوا اٹھا اور گرجا کی چھت پر گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ عامر رحمتہ اللہ علیہ نماز میں مشغول ہیں۔ ایک شیر وہاں لیٹا ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ جب عامر رحمتہ اللہ علیہ نے سلام پھیرا تو شیر سے مخاطب ہوکر کہا'' اگر تو میری دشمنی کے لیے بھیجا گیا ہے تو اپنے کام میں لگ جا اور اگر میری

حفاظت کی غرض سے آیا ہے تو مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔تو واپس چلا جا اور اس وقت مجھے پریشان نہ کر۔''

جب انھوں نے یہ بات کہی تو شیر اپنا دم ہلاتا ہوا چلا گیا۔عیسائی راہب نے جب یہ حال دیکھا تو وہ اپنے گرجے کی چھت سے نیچے آیا،فوراًان کے قدموں پر گر گیا اور پوچھا''آپ کون ہیں؟'' آپ نے فرمایا''میں بدترین مسلمان ہوں۔میری برائی کے سبب مجھے شہر بدر کیا گیا ہے۔'' راہب نے کہا''اگر اس دین میں ایک بدترین شخص کی یہ قدر ومنزلت ہے تو پھر ایک بہترین شخص کی عظمت وبزرگی کا حال کیا ہوگا۔'' راہب فوراً مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

(101) حضرت عمرو بن مالک رحمتہ اللہ علیہ کے قرض کی ادائیگی

حضرت عمرو بن مالک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں کافی تنگ دست ہوگیا اور جان کے لالے پڑنے لگے۔میں نے تین سو درم قرض لے لیے۔چند دنوں بعد قرض خواہ تقاضا کرنے لگے اور وقتاً فوقتاً پریشان بھی کرنے لگے۔ مجھے کوئی راہ نہ سوجھی سوائے اس کے کہ میں شیخ ابوالحسین نوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی پریشانی کا حال بیان کروں اور قرض کے بوجھ سے نجات پاؤں۔

لہٰذا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ اس وقت صحرا کی طرف گئے ہیں۔میں بھی صحرا کی جانب چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے وہ درختوں کے درمیان لیٹے ہوئے ہیں۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا'' اے جوان! وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی ۔پھر مجھ سے کیوں مانگتا ہے؟'' انھوں نے اپنا ہاتھ بغل میں دبایا اور ایک تھیلی میرے سامنے رکھ دی۔پھر کہنے لگے''جو لینا ہے لے لے اور یہاں سے چلا جا اور مجھے پریشان نہ کر۔'' میں نے دیکھا اس تھیلی میں تین سو درم ہیں۔ میں نے لے لیے اور اپنا قرض ادا کر دیا۔

اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سمنون مجنون رحمتہ اللہ علیہ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔ ''تمھیں کوئی خوف نہیں جو تم اللہ کے دوستوں کو پریشان کرتے ہو۔'' اس واقعہ کے بعد میں نے

حضرت ابوالحسین نوری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کبھی اس طرح کی گستاخی نہیں کی جس سے انھیں زحمت ہو اور مجھے کوئی فائدہ نہ ہو۔

(102) حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ کا توکل

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ میدان طریقت کے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی جو تین سال کی تھی۔ جب بھی اسے بھوک لگتی ماں اور باپ اسے اشارہ کرتے اور کہتے ''محراب کے پاس جاؤ اور سربسجود ہو کر اللہ سے طلب کرو۔'' جب وہ بچی محراب میں سجدہ ریز ہوتی تو ماں اسی اثنا میں محراب میں کھانا رکھ دیتی اور اسے پتہ بھی نہ چلتا۔

ایک دن ماں اپنے کام کاج میں کافی مشغول تھی۔ بچی کو بھوک لگی۔ وہ محراب کے نزدیک آئی اور سربسجود ہو کر خدائے عزوجل سے کھانا طلب کیا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کے سامنے ایسے کھانوں کی سینی رکھی تھی جسے اس نے کبھی دیکھا نہ تھا۔

جب اس کی ماں اپنے کام سے فارغ ہوگئی تو دیکھا کہ بچی کھانا کھا رہی ہے۔ ماں نے پوچھا ''یہ کھانا کہاں سے آیا؟ بچی نے کہا ''یہ کھانا وہیں سے آیا جہاں سے روزانہ آتا ہے۔'' ماں سمجھ گئی کہ یہ کھانا اس باورچی خانے کا ہے جہاں آگ اور دھوئیں کی کوئی گنجائش نہیں۔''

جب وہ بچی چار سال کی ہوئی تو ماں کا انتقال ہو گیا۔ ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور مکہ لے گئے۔ وہاں وہ بوقبیس کے پہاڑ پر پہنچے آسمان کی طرف رخ کر کے کہا ''اے خدا! اگر میں اس بچی کی پرورش وپرداخت میں مشغول ہو گیا تو پھر میری عبادت میں خلل واقع ہوگا۔ لہٰذا میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر انھوں نے بچی کو وہاں رکھ دیا اور واپس چلے آئے۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس سال خلیفہ وقت حج بیت اللہ کی غرض سے وہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک روز وہ بوقبیس کے پہاڑ پر چڑھے۔ اس ننھی سی بچی پر نظر پڑی جو تنہا بے یارومددگار ایک پتھر کے پیچھے بیٹھی تھی۔ خلیفہ نے پوچھا ''تم کس کی بیٹی ہو؟'' اس نے جواب دیا ''مجھے اللہ کے ایک بندے نے یہاں لا کر اللہ کے سپرد کیا اور خود چلا گیا ہے۔''

یہ سن کر خلیفہ کے دل میں اس ننھی سی بچی کے لیے محبت وشفقت پیدا ہوئی۔ خلیفہ کے حکم کے مطابق اس بچی کو اٹھا کر عماری میں بٹھایا گیا۔ وہ بغداد آ گئی اوراس کی پرورش محل میں ہوئی۔ خلیفہ نے اس بچی کو اپنے ایک بیٹے کے ساتھ منسوب کر دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ کئی خلفا کی ماں بنی۔

ہوشمندوں کے لیےاس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔جوکوئی اپنے فرزندکوصدق دل سے خدا کے حوالے کرتاہےاس کی پرورش ماں باپ کی پرورش کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر طریقے سے ہوتی ہے۔

(103) حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا ایمان

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ابتدائی ایام میں جبکہ ان پر معرفت کے راز مخفی تھے ہر صبح اٹھتے اور ذاکروں کی صحبت میں بیٹھ جاتے۔لیکن جب انھوں نے اپنی باطنی آنکھوں سے ان ذاکروں کو دیکھا تو یہ بات منکشف ہوئی کہ ذاکرین جو اللہ کو یاد کرتے ہیں محض یہ ان کی عادت ہےاورانھیں حقیقت کی کوئی خبرنہیں۔جب بھی وہ کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ خدا کوبغیرحضوریٔ قلب کے یادکررہاہےتووہ بےقرارہوجاتے اور کہتے''ایسے ذکر سے کیا فائدہ جب دل ہی غافل ہو۔''

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ راستے سے گزر رہے تھے۔ راستے میں انھوں نے آبگینہ فروش کو دیکھا کہ وہ آبگینوں کی ٹوکری سر پر رکھے چل رہا ہے اوردھیمی آواز میں لبوں پر تسبیح جاری ہے۔شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق چند سنگریزے ان آبگینوں پر پھینکے لیکن آبگینے نہیں ٹوٹے۔شبلی رحمتہ اللہ علیہ حیران رہ گئے۔آبگینہ فروش نے کہا۔''حضور! آپ تکلیف نہ کریں۔ جب تک میں اپنے دوست کے ساتھ کیا ہوا وعدہ نہیں توڑتا، پتھر میرے آبگینوں کونہیں توڑ سکتے۔''

(104) شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی کسرنفسی

ایک دفعہ اولیائے کرام کی ایک جماعت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے روانہ ہوئی۔خرقان پہنچ کر وہ جماعت شیخ سے ملاقات کی خاطر ان کے دروازے پر

حاضر ہوئی اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی ۔ ان کی بیوی نے کہا ’’سنو ! ‘‘وہ فریبی وریا کار زاہد کھیت میں گیا ہے ۔‘‘ یہ سن کر ان کو بڑی حیرت ہوئی ۔ وہ کھیت کی طرف گئے ۔

شیخ کو دیکھا کہ وہ گائے کی جوڑی کو زمین پر چھوڑ ایک گوشہ میں نماز میں مشغول ہیں ۔ ایک بھیڑیا آ کر ان کی گایوں کو دوڑا رہا ہے ۔ وہ اور بھی حیران ہوئے کہ آخر وہ سچ ہے جو ان کی بیوی کہہ رہی ہے یا پھر یہ جو وہ دیکھ رہے ہیں ۔ انھوں نے توقف کیا ۔ شیخ نے جب سلام پھیرا تو ان لوگوں نے سلام کیا اور شیخ نے خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا ۔ قبل اس کے کہ وہ لوگ کچھ کہتے شیخ نے کہا ۔ ’’عزیزو ! جب تک کہ ہم اپنے نفس کو اس گھریلو عورت کے ظلم کا متحمل نہ کریں گے ، جنگل کے وحشی جانور ہمارے تابع نہیں ہوں گے ۔‘‘

(105) حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی بیوی کو معاف کرنا

کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تقریباً سات سو افراد نے درویشی اختیار کی اور مشقت وریاضت میں مشغول ہو گئے لیکن ان میں سے کوئی بھی حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا اور جتنی مشقتیں انھوں نے اٹھائیں کسی نے نہیں اٹھائی ۔

ان میں سے ایک مشقت یہ تھی کہ ان کی ایک بیوی تھی جس کے ساتھ انھوں نے چالیس سال گذارے ۔ بیوی کے ساتھ ان کا تعلق شہوت رانی کی غرض سے نہ تھا بلکہ ازدواجی رشتہ کے سبب سے تھا ۔ ان کی بیوی انتہائی بداخلاق وبدطینت تھی ۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ شوربہ اور روٹی تیار کرنے کا مسئلہ درپیش آیا ۔ بیوی نے کہا ’’تم شوربہ تیار کرو اور میں پڑوس میں جا کر روٹی بنالاؤں ‘‘ ۔ اس نے گیلی لکڑیاں سامنے رکھ دی اور دیگچی کو چولھے پر رکھ کر باہر چلی گئی ۔ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے آگ نہ سلگ پائی اور اس کام میں سارا دن لگ گیا ۔ بیوی نے آ کر جب یہ حال دیکھا تو کہا ’’تم نے تو اب تک شوربہ نہیں تیار کیا ہے جبکہ میں نے روٹی تیار کر لی ہے ۔‘‘

وہ اپنا سر جھکائے آگ سلگانے کی کوشش کر رہے تھے اور پھونک مارے جا رہے تھے ۔ بیوی نے ان کی گردن پر ایک لات ماری ۔ ان کا چہرہ آگ میں جھلس گیا ۔ اس ظالمہ نے چہرے کا

وہ لباس جو وہ پوشیدہ رکھتے تھے، اتار لیا اور کہا ''جب تم اتنا معمولی کام بھی نہیں کر سکتے تو تمھارے لیے اس لباس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے انھیں گھر سے باہر نکال دیا۔

سردی شباب پر تھی اور زمین پیتل کی مانند سرد ہو رہی تھی لیکن ان کی بیوی کا دل تو لوہے کا تھا۔ شیخ دارانی رحمتہ اللہ علیہ نے تھوڑی دیر دروازے کے باہر توقف کیا۔ پھر ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور مسجد کے اندر داخل ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ سجدے کی حالت میں خدا سے دعا کی ''اے خدا! میری بیوی کو بخش دے۔''

ادھر بیوی کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ایسی شدید سردی میں اس نے شوہر کو باہر نکال دیا ہے کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے۔ وہ اٹھی اور مسجد کی جانب گئی۔ وہاں جا کر دیکھا تو حضرت دارانی رحمتہ اللہ علیہ سجدہ ریز ہیں اور کہہ رہے ہیں ''اے خدا! میری بیوی کو بخش دے۔''

جب ان کی بیوی نے انھیں یہ دعا کرتے دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس نے کہا ''میں اتنے سالوں تک ان پر ظلم و جبر کرتی رہی اور وہ میرے لیے خدا سے معافی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔'' روتے روتے باہر آئی۔ اپنے دوستوں اور خیرا خواہوں کو بلایا تا کہ وہ اس کی شفاعت کریں۔ اس کے خیرخواہوں نے دست بستہ عرض کی ''اے مرد کامل! آپ اس ناقص ترین عورت کو معاف فرمائیں۔'' انھوں نے فرمایا ''بھائیو! مجھے تو اس عورت سے معافی مانگنی چاہیے جس نے میری ایسی خدمت کی ہے۔'' لوگوں نے پوچھا ''اس نے کیا کیا ہے؟ اس نے تو آپ کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکالا تھا۔'' انھوں نے کہا ''اگر وہ مجھے گھر سے باہر نہ نکالتی تو میں اس مقام تک کیسے پہنچتا؟ یہ سعادت مجھے اس کی خاطر ملی ہے۔''

اس واقعہ کے پندرہویں دن ان کی طبیعت بگڑ گئی اور موت قریب نظر آنے لگی۔ ان کی بیوی ان کے سرہانے آ بیٹھی اور کہنے لگی ''مجھے معاف کر دیجئے۔'' شیخ نے کہا ''میں نے تیرے سارے گناہ معاف کر دیے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تیرے اندر ایک خصلت ڈال دی تھی اور میں اس کے برخلاف چاہتا تھا۔ میں دراصل اس آیت کے معنی سے بے خبر تھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ یعنی اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں (سورہ روم، آیت 29)۔ میں تیرے جرم سے درگذر کرتا ہوں۔ الغرض انھوں نے اپنی بیوی کو معاف کیا اور اس کی جفاؤں کو یکسر فراموش کر دیا۔

(106) حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ اور مشیت ایزدی

سیر الصالحین میں نقل ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں شہر مصر سے باہر آیا تاکہ کچھ دیر کے لیے صحرا میں سیر و تفریح سے لطف اندوز ہوسکوں۔ اتفاق سے دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ شمال کی طرف نظر گئی۔ دیکھا ایک بچھو تیزی سے چلا جارہا ہے۔ میں سوچنے لگا کہ آخر یہ کہاں جارہا ہے؟ میں نے دیکھا کہ اس دریا کے کنارے جہاں پہلے ہی سے ایک مینڈک موجود تھا بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہوگیا اور مینڈک پانی میں تیرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ اس بات میں کوئی راز پنہاں ہے۔ میں بھی پانی میں کود گیا۔ تیز تیز تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچا۔ اتفاق سے اسی لمحہ وہ مینڈک بھی وہاں پہنچ گیا۔ بچھو فوراً خشکی پر آ گیا اور تیزی سے رینگنے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ اس درخت کے نیچے پہنچ گیا جہاں ایک شخص سو رہا تھا۔ ایک کالا سانپ اس کے نزدیک آیا اور اسے ڈسنے کا ارادہ کیا۔ اچانک اسی لمحہ وہ بچھو وہاں آ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے سانپ کی پیٹھ پر ڈنک ماری۔ وہ سانپ زمین پر لوٹ پوٹ کرنے لگا اور ہلاک ہوگیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ بچھو اسی راستے سے واپس ہوگیا اور دریا کے کنارے پہنچا۔ مینڈک اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

میں حیران رہ گیا۔ میں نے سوچا ضرور یہ شخص کوئی ولی ہوگا۔ میں نے چاہا کہ میں قریب جاکر اس کے پاؤں کو بوسہ دوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک جوان تھا جو نشہ کی حالت میں بے ہوش و حواس پڑا تھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس واقعہ سے مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بندہ جس قدر بھی ظلم و زیادتی روا رکھے اللہ کی رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ میں انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شخص ہوش میں آیا۔ مجھے اپنے نزدیک پاکر حیران ہوا۔ میرے پاؤں پہ گر گیا اور کہنے لگا ''اے امام زمانہ! یہاں اس گنہ گار کے نزدیک آپ کیا کررہے ہیں اور آپ

نے میرے ساتھ کیوں لطف وکرم کا معاملہ فرمایا ؟'' میں نے کہا ''تم فوراً توبہ کرواوراس سانپ کو دیکھو۔اس جوان نے جب سانپ کودیکھاتواپناسر پیٹنے لگااور کہنے لگا''اے مسلمانوں کے امام! یہ کیا ماجرا ہے؟''

حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سارا ماجرا اول تا آخر بیان کیا۔ اس نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہنے لگا۔ یاالٰہی !اگررندوں پر تیرے احسان وکرم کا یہ معاملہ ہے تو پھر دوستوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔''اس نے دریائے نیل میں غسل کیا اور جنگل کی راہ لی۔اس واقعہ کے بعد وہ ریاضت ومجاہدت میں مشغول ہوگیا اور بہت جلد ولایت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا۔جس بیمار کوبھی وہ دم کرتا وہ فوراً شفایاب ہوجاتا۔اللہ جس پر بھی لطف وکرم کا معاملہ فرماتا ہے اس پر رشد وہدایت کے دروازے اسی طرح کھول دیتا ہے۔

(107) شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی

روضۃ العلما میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ محمد بن علی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے متمول لوگوں میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک عرصے سے میری یہ خواہش تھی کہ میں سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کواپنے گھر دعوت دوں پر جسارت نہیں ہوتی تھی۔

ایک روز بازار میں کسی کام میں مشغول تھا۔شیخ سہل رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ بازار تشریف لائے اور چند روٹیاں اور بھونا گوشت خریدا۔گوشت کو روٹیوں کے درمیان رکھا اور اسے مصلے میں لپیٹ کرروانہ ہوگئے۔اس طرح مجھے انھیں مدعوکرنے کا موقع ہاتھ نہ آیا۔میں ان کے پیچھے چل پڑا۔مجھے اپنی کوئی خبر نہ تھی۔میں ان کی شخصیت میں گم ہو چکا تھا۔

شیخ ایک مسجد میں پہنچے۔میں بھی ان کے پیچھے پیچھے مسجد میں داخل ہوا۔میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون سی مسجد ہے اوراس کا جائے وقوع کیا ہے۔میں اس علاقہ سے بھی ناواقف تھا۔شیخ نے اس غذا کی پوٹلی وہاں رکھی اور دو رکعت نماز ادا کی۔پھراس غذا کو لے کرآگے کی طرف چل پڑے اور میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔وہ ایک مسجد کے اندر داخل ہوئے۔میں بھی اس مسجد کے اندر داخل ہوگیا۔

مجھے نہیں معلوم وہ کون سی مسجد تھی کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی مسجد دیکھی ہی نہیں تھی۔ اس مسجد کے ایک گوشے میں ایک بیمار شخص بیٹھا رو رہا تھا۔ شیخ اس کے سرہانے گئے، معذرت طلب کی اور کہا'' مجھے دیر ہوگئی کیونکہ میں کسی کام میں مشغول تھا۔ انھوں نے اس شخص کو بٹھایا، کھانا کھلایا اور پانی پلایا۔ اس کی بڑی خاطرداری کی۔ اس کے بعد وہ مسجد سے باہر آئے اور پھر میں کوشش بسیار کے باوجود انھیں نہیں دیکھ پایا۔

میں حیران و پریشان اس مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک لڑکا وہاں آیا اور دریافت کیا'' آپ کی پریشانی کی وجہ کیا ہے؟'' وہ لڑکا عرب تھا اور میں فارسی بولتا تھا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو رونے لگا۔ اس لڑکے نے کہا'' آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' میں نے کہا'' میں اپنے گھر اور شہر سے دور آ گیا ہوں اور یہاں کسی کو نہیں پہچانتا۔''

اس لڑکے نے پوچھا'' آپ کس شہر سے آئے ہیں؟'' میں نے کہا'' تُستر سے۔'' اس نے کہا'' میں نے ہرگز اپنے آباواجداد سے تُستر کا نام نہیں سنا ہے۔''

لڑکے کے ساتھ میری یہ باتیں ہو ہی رہیں تھیں کہ ایک بوڑھے نے آکر میرا حال دریافت کیا۔ جب میں نے سارا ماجرا بیان کیا تو اس بوڑھے نے کہا'' دل چھوٹا نہ کرو۔ وہ بزرگ کل اسی وقت یہاں اس بیمار کی عیادت کے لیے حاضر ہوں گے۔ تم ان سے اپنا حال بیان کرنا تاکہ وہ تمھیں وطن تک پہنچا دیں۔''

میں نے ایک دن اور رات اس بزرگ کا انتظار کیا۔ دوسرے دن شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ عین اسی وقت مسجد تشریف لائے، اس بیمار کی عیادت کی اور واپس جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ان کی چادر کا دامن تھام کر کہا'' خداوند قدوس کا واسطہ! آپ مجھے میرے مقام تک پہنچا دیں۔'' انھوں نے کہا'' تمھیں خدائے آفریدگار کا واسطہ! کسی سے بھی اس واقعہ کو بیان نہ کرنا۔'' لہٰذا میں نے وعدہ کیا اور قسم کھائی کہ یہ بات مجھ تک رہے گی۔ انھوں نے مجھ سے کہا'' آنکھیں بند کرو۔'' پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں چلنے لگا۔ ایک گھنٹے کے بعد انھوں نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نے خود کو اپنی دکان کے دروازے پر پایا۔ اس واقعہ کے بعد میں نے ان کی خدمت اپنے اوپر لازم کر لی اور کسب دنیا سے مکمل طور پر پرہیز کرنے لگا۔

(108) حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ کی شادی کا واقعہ

روضۃ العلما میں لکھا ہے کہ حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے ممتاز بزرگان دین میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ رات کو نہیں سوتے اور عبادت و ریاضت میں لگے رہتے۔ ایک رات ان کی بیٹی نے پوچھا ''ابو جان! اللہ کی عزیز ترین اور بزرگ ترین مخلوق کون سی ہے؟'' انھوں نے فرمایا ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اس نے کہا ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ! آپ آج کی رات تھوڑی دیر کے لیے سوئیں اور آرام فرمائیں۔ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں آپ کی عبادت و ریاضت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔''

عبادت و ریاضت کے بعد حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا سر تکیہ پر رکھا اور تھوڑی دیر کے لیے استراحت فرمائی۔ خواب میں دیکھا کہ میمونہ زنگی نامی ایک عورت بصرہ میں ان کی شریک حیات بنے گی۔ حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نیند سے بیدار ہوئے اور سفر بصرہ کی تیاری شروع کر دی۔ بصرہ پہنچنے پر وہاں کے اولیائے کرام نے ان کا استقبال کیا اور آنے کا سبب پوچھا۔ ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''سنا ہے کہ یہاں ایک عورت رہتی ہے جس کا نام میمونہ زنگی ہے۔ وہ کہاں ہے اور اس کا کیا حال ہے؟''

لوگوں نے کہا ''وہ ایک عورت ہے۔ تمام دن لوگوں کی بکریاں چراتی ہے اور اس کی اجرت سے اپنے طعام کا بندوبست کرتی ہے۔ اکثر یہ کھانا وہ درویشوں کو دے دیتی ہے۔ وہ فلاں علاقہ میں رہتی ہے۔ ساری رات گریہ وزاری کرتی ہے اور لوگوں کو سونے نہیں دیتی۔ حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا ''وہ کیا کہتی ہے؟'' لوگوں نے کہا ''وہ کہتی ہے کہ وہ عاشق کیسا ہے جو سوتا رہتا ہے جبکہ عاشقوں پر نیند حرام کی گئی ہے۔''

حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے پھر اس کے گھر کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا ''اس کا گھر انھیں وادیوں میں ہے جہاں وہ بکریاں چراتی ہے۔'' حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے اجازت چاہی اور وادیوں میں گھومنے لگے۔ اتفاق سے ان کی نظر اس عورت پر پڑی جو نماز میں مشغول تھی۔ دو بھیڑیے اس کی بکریوں کے ریوڑ کو چرا رہے تھے۔

جب میمونہ نے سلام پھیرا تو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''السلام وعلیکم!'' جواب آیا ''وعلیکم السلام یا ربیع رحمتہ اللہ علیہ!'' حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا ''تم نے مجھے کیسے پہچانا اور تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہوا جبکہ تم سے کبھی میری ملاقات نہیں ہوئی۔'' اس نے کہا ''جس نے تمھیں میرا پتہ بتایا اسی نے ہی تمھارا نام مجھے بتایا ہے۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اے ربیع رحمتہ اللہ علیہ! تمھارے ساتھ میری شادی جنت میں ہوگی۔''

حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اس سے دریافت کیا ''آخر بھیڑیے بکریوں کے ساتھ کب سے محبت کرنے لگے۔'' اس نے کہا ''جب سے میں نے اللہ کو پہچانا ہے۔ چونکہ میں اس کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ نہیں توڑتی بھیڑیے بھی میری بکریوں کو نہیں پھاڑتے۔'' میمونہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اب آپ یہ آیت پڑھیں۔ میں نے پڑھنا شروع کیا ان لدینا انکالاً وجحیما وطعاماً ذاغصۃ وعذاباً الیما یعنی یقیناً ہمارے یہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے (سورہ مزمل، آیت 12 اور 13)۔

ابھی میں نے دو آیتیں ہی تلاوت کی تھیں کہ اس نے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گری۔ اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے عورتوں کی جماعت کو دیکھا جو اس کا کفن لے کر حاضر ہوئیں تھیں۔ میں نے پوچھا ''تم لوگ کہاں سے آئی ہو اور تمھیں کیسے معلوم کہ اس کی موت ہوگئی ہے؟'' انھوں نے کہا ''وہ ہمیشہ اس بات کی دعا کرتی تھی کہ اس کی موت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں ہو۔'' جب ہم نے سنا کہ تم آگئے ہو اور تم نے اس کا ہاتھ مانگا ہے، ہم سمجھ گئے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوگئی ہوگی۔ ہم آگئے ہیں اور اس کی تجہیز و تکفین اب ہمارے ذمہ ہے۔ الغرض انھوں نے اپنے فرائض انجام دیے۔ اب ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

(109) حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ اور خزانہ الٰہی

حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلے میں ایک اور مشہور واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار وہ سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر ایک دریا پر پہنچے اور تاجروں کی ایک جماعت

کے ساتھ ایک کشتی پر سوار ہو گئے ۔ کشتی دریا کے بیچوں بیچ تھی کہ ایک تاجر کا ایک قیمتی پتھر گم ہو گیا اور تلاش بسیار کے باوجود نہ ملا ۔ لوگوں نے کہا ہمارے درمیان ربیع رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ مفلس تو کوئی نہیں ۔ یہ کام ہو نہ ہو اسی کا ہو گا ۔ لہٰذا بات بڑھ گئی ۔

حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ یہ سمجھ گئے کہ وہ لوگ انھیں ہی ملزم ٹھہرا رہے ہیں ۔ انھوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور اپنی نظریں آسمان کے چاروں طرف گھمانے لگے ۔ لوگوں نے دیکھا کہ بے شمار مچھلیاں پانی کی سطح پر اپنا سر نکالے حاضر ہیں اور ہر ایک کے منھ میں ایک گوہر ہے ۔ حضرت ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ان میں سے ایک مچھلی کو پکڑ کر کہا ''جب میرے لیے خزانۂ الٰہی میں اس طرح کے خزانے موجود ہیں تو پھر میں کیوں دوسروں کے حرام مال میں خیانت کروں؟'' وہ لوگ ان کے پیروں پر گر پڑے اور معذرت طلب کرنے لگے ۔ انھوں نے سبھوں کو معاف کر دیا ۔

(110) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ اور حسن مودب رحمتہ اللہ علیہ

شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ مشائخ اہل طریقت میں شمار کیے جاتے تھے ۔ شیخ عمر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد حسن مودب رحمتہ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ''میں نیشا پور میں شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک خادم کی حیثیت سے درویشوں کی خدمت کیا کرتا تھا ۔ اس وقت میں جوان تھا اور میری داڑھی اور مونچھیں بھی نمودار نہیں ہوئی تھیں ۔''

ایک دن جب میں حمام میں گیا تو ایک بوڑھے نے آ کر میری پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھا ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ میری خدمت کرنا چاہتے ہیں ۔ میں نے کہا ''آپ بوڑھے ہیں اور میں جوان ہوں ۔ آپ کی خدمت مجھ پر واجب ہے ۔''

بوڑھے نے کہا ''میں دراصل تمھیں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں ۔'' انھوں نے اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا اور کہنے لگے ۔ میں ایک حلوائی تھا اور شہر کے نکڑ پر میری ایک دکان تھی ۔ میں نے چند دنوں تک کام کیا اور میرے پاس ایک بڑا سرمایہ جمع ہو گیا ۔ میرے دل میں تجارت کی خواہش پیدا ہوئی ۔ دکان سے اٹھا اور وہ ساری چیزیں جو میرے کام کی نہ تھیں فروخت کر کے

تجارت کے سامان خرید لیے تاکہ اسے میں دوسری جگہ فروخت کرسکوں۔ میں کبھی نیشاپور سے باہر نہیں گیا تھا۔ اتفاق سے ایک بڑا قافلہ بخارا کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے ایک جوان اونٹنی خریدی اور قافلہ کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم سرخس کے مقام پر پہنچے تو ہم نے دو تین دن وہاں قیام کیا۔ پھر ہم مرو کی جانب روانہ ہوئے۔

میری عادت یہ تھی کہ ہر رات جیسا کہ قافلہ میں پیدل چلنے والوں کی عادت ہوتی ہے آگے چلا جاتا اور سو جاتا۔ جب کارواں وہاں پہنچتا تو میں بیدار ہو جاتا اور کارواں کے ساتھ چل پڑتا۔

ایک شام جب کہ تاریکی پھیل چکی تھی اور دوسرے تاجر گہری نیند سو رہے تھے میں آگے کی طرف چل پڑا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں تھوڑی دور آگے چل کر ایک گوشے میں سو رہا۔ میرا قافلہ آیا اور گذر گیا لیکن میری آنکھ نہیں کھلی۔ جب آفتاب کی کرنیں مجھ پر پڑیں تو میں بیدار ہوا۔ قافلہ کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ میں بہت پریشان ہو گیا۔ ہوا کافی گرم تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے لگا۔ جب تمازت میں کمی آئی تو ایک سمت کی جانب روانہ ہو گیا یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

جب رات ہوئی تو بھوک اور پیاس کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن ہوا میں نمی کے سبب تھوڑی قوت ملی۔ ساری رات میں ادھر ادھر دوڑتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میں نے خود کو اسی بیابان میں پایا۔ آبادی کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔ مایوسی اور پریشانی کی حالت میں بھی چلتا رہا۔ گرمی کے سبب میری قوت جواب دینے لگی۔ میں ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ کچھ دوری پر ایک سرسبز وشاداب زمین دکھائی دی۔ دل ہی دل میں کہنے لگا کہ اگر وہاں سبزہ ہے تو پانی بھی ہوگا۔ شاید وہاں کوئی آدم زاد بھی ہو۔ الغرض میں کسی صورت اس بلندی سے نیچے آیا۔ میری نظر ایک چشمہ پر پڑی۔ میں نے پانی پیا، وضو بنا کر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ کے فضل وکرم کا شکر یہ ادا کیا۔ میں وہاں ٹھہر گیا اور پیڑ پودوں کی جڑوں کو کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔ پھر میں ریت کے اسی ٹیلے پر چڑھ گیا اور دیکھتا رہا کہ اب غیب سے کون سی چیز نمودار ہوتی ہے۔

جب زوال کا وقت قریب آیا تو میں نے دور سے ایک سوار کو آتے دیکھا۔ ذرا غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ ایک آدم زاد ہے جو اسی چشمہ کی طرف آرہا ہے۔ جب وہ شخص نزدیک

آیا تو میں نے ایک طویل قامت، گورے چٹے شخص کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں گہری اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرے کے نقوش بھی کھنچے کھنچے سے تھے۔ وہ شخص جونہایت ہی وجیہ وخوبصورت تھا صوفیانہ لباس میں ملبوس عصا اور لوٹا ہاتھوں میں لیے وہاں آیا۔ چشمہ کے پاس مصلا بچھایا اور لوٹے میں پانی بھر کر اوپر کی جانب گیا۔ استنجے سے فارغ ہو کر آیا اور وضو بنا کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اس نے سنت پڑھی اور اس کے بعد اقامت کہہ کر فرض نماز ظہر ادا کی۔ نماز ختم کرنے کے بعد اس نے مصلا اٹھایا اور روانہ ہوگیا۔ میں ان کی ہیبت کی تاب نہ لا سکا۔ نہ میں ان کے قریب گیا اور نہ ہی ان سے اپنا حال بیان کر پایا۔

جب وہ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ آخر یہ میں نے کیا کیا؛ میں نے کیوں ان سے گفتگو نہیں کی؟ ممکن تھا کہ وہ میری رہبری کرتے۔ الغرض تمام رات میں اسی غم میں مبتلا رہا۔

دوسرے دن ٹھیک اسی وقت وہ بزرگ وہاں پہنچے اور اسی طرح سے طہارت کی اور نماز ادا کی۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا اور اپنا سارا حال بیان کیا۔ کچھ دیر کے لیے وہ سربہ گریباں رہے۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور راستے میں نکل آئے۔ اسی جنگل میں ایک شیر ہمارے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ شیخ نے اس شیر کے کان میں کچھ کہا۔ شیر فوراً چلنے لگا۔ انھوں نے مجھ سے کہا ''اب تم اس شیر کے پیچھے پیچھے چلو۔ جس مقام پر وہ رک جائے، تم یہ سمجھنا کہ قافلہ کے نزدیک پہنچ گئے ہو۔ کبھی اس شیر سے خوف نہ کھانا کیونکہ یہ خدا کا بندہ ہے اور خدا کے احکام کا پابند ہے۔''

میں شیر کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کافی دور جا کر شیر ایک بلند مقام پر کھڑا ہوگیا۔ میں نے ایک قافلہ کو دیکھا، شاداں وفرحاں نیچے آیا اور اپنے کارواں سے جاملا۔ میں اس قافلہ کے ساتھ بخارا پہنچا۔ تجارت کا سامان فروخت کیا اور خوب منافع کمایا۔ نیشا پور واپس آ گیا اور دوبارہ حلوائی کا پیشہ اختیار کیا۔

ایک مدت گذرنے کے بعد ایک دن میرا گذر ''عدنی کوبان'' نامی گلی سے ہوا۔ ایک جماعت پہ نظر پڑی۔ میں نے پوچھا ''کیا اس جگہ کوئی جماعت آئی ہوئی ہے؟'' لوگوں نے کہا

''شیخ میہنہ جوابوالسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں یہاں آئے ہوئے ہیں اور واعظ فرما رہے ہیں۔''میں بھی وعظ سننے کی غرض سے حاضر ہوا۔

ابھی میں خانقاہ کے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ میری نظر شیخ پر پڑی۔ میں ان کو پہچان گیا۔ یہ وہی بزرگ تھے جن سے میری ملاقات اس بیابان میں ہوئی تھی۔ میں حیران رہ گیا۔ میں نے چاہا کہ ان کے قریب جاؤں۔ اچانک شیخ کی نظر مجھ پر پڑی۔ انھوں نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا''کیا تم نے نہیں سنا جو کچھ کہ وہ ویرانی میں دیکھتے ہیں آبادی میں نہیں کہتے ؟''

جب شیخ نے یہ باتیں کہیں تو میں نے نعرہ بلند کیا اور بے ہوش ہوگیا۔ میں یونہی بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہا۔ شیخ نے اپنا بیان مکمل کیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میں جب ہوش میں آیا تو ایک درویش کو اپنے سرہانے بیٹھا ہوا پایا۔ وہ کہہ رہا تھا''شیخ نے کہا ہے کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔''

میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں کو بوسہ دیا۔ شیخ نے نوازش فرمائی۔ شیخ کے حکم کے مطابق وہ میرے لیے نیا لباس لائے۔ ایک طبق شکر لاکر میرے آستین میں ڈالا۔ شیخ نے مجھ سے وعدہ لیا کہ جب تک وہ باحیات ہیں یہ بات کسی سے نہ کہوں۔ جب تک وہ بقید حیات رہے میں نے کسی سے بھی یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔ اب چونکہ وہ نہیں رہے، یہ باتیں تم سے کہہ رہا ہوں۔

(111) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کا حسن سلوک

خواجہ ابوالقاسم ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد کا تعلق طوس سے تھا۔ جب وہ سترہ سال کے تھے تو شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ شہر طوس تشریف لائے۔ ان کے والد بھی ان کے مریدوں میں شامل تھے۔ ہر روز شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ استاد ابو احمد رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں تشریف لاتے۔ میں بھی ان کی مجلس میں بیٹھا رہتا۔

ایک رات میری معشوقہ نے یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس رات شاہراہ سے گذرے گی۔ میں اس شاہراہ پر کھڑا رہوں تاکہ ایک دوسرے کا وصال نصیب ہو۔ میں اس کی راہ میں بیٹھا اس کی راہ تکتا رہا اور یہ اشعار پڑھتا رہا۔

در دیدہ بجای خواب ،آبست مرا زیرا کہ بدیدنت شتابست مرا
گویند بخسب تا بخوابش بنی ای بی خبر این چہ جائی خوابست مرا

(میری آنکھوں میں خواب کی جگہ پانی ہے کیونکہ میں اسے دیکھنے کے لیے بے قرار ہوں۔ کہتے ہیں کہ سوجاؤ تا کہ اس کا دیدارخواب میں ہو۔شاید انھیں نہیں معلوم کہ یہ میرے خواب کا موقع نہیں۔)

معشوقہ کوآنے میں دیر ہوئی اور مجھے نیندآ گئی ۔لہٰذا معشوق کے وصال کی سعادت سے محروم رہ گیا۔

دوسری صبح میں اپنے والد کے ساتھ شیخ کی مجلس میں گیا۔ اپنے وعظ کے دوران شیخ یہ کہنے لگے ''جب معشوق مجازی کی تلاش بغیر رنج وابتلا کے ممکن نہیں تو مجاہدہ اور ریاضت کے بغیر معشوق حقیقی تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ کل رات ایک جوان سے اس کی معشوقہ نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔آدھی رات تک وہ اس کے انتظار میں جاگتا رہا۔لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔'' پھر وہ اسی مصرعہ کو بار بار پڑھنے لگے جسے میں گذشتہ شب پڑھ رہا تھا۔

یہ سن کر میں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ جب دوبارہ ہوش میں آیا تو شیخ نے مجھ سے کہا ''جب تمھاری آنکھوں میں خواب کی جگہ پانی تھا تو تم کیوں سو گئے اور اپنے مقصود کو پانے سے محروم رہ گئے؟ میں نے فوراً ایک نعرہ بلند کیا۔لوگ زاروقطار رونے لگے۔

چند دنوں کے بعد میرے والد نے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے۔ میرے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس تھا۔ میں شیخ کے روبرو حاضر تھا۔ میرے والد نے شیخ سے درخواست کہ وہ میرے ہاتھ سے پانی قبول فرمائیں۔شیخ نے دوبار میرے ہاتھ سے پانی پیا اور مجھ سے کہا ''تم ایک نیک انسان بنو گے۔''

میری عمر 81 سال کی ہوگئی ہے اور اب تک میں نے کوئی حرام لقمہ نہیں کھایا۔ شیخ کی حرمت کے سبب میں نے کبھی شراب نہیں پی اور نہ ہی کسی کی حاشیہ برداری کی ۔ یہ سب ان کی نگاہوں کا کرشمہ ہے۔

(112) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کا حرام مال سے احتراز

شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے خادم حسن مودب رحمتہ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ کئی روز تک خانقاہ میں گوشت نہیں آیا اور سالن تیار نہ ہوسکا۔اس کا سبب دریافت کرنا بھی مشکل تھااور دوسری طرف خانقاہ کے لوگ گوشت کا تقاضہ کررہے تھے۔

ایک دن شیخ نے اپنے وعظ کے دوران مجھ سے کہا''اٹھواور فلاں جوان کے پاس جاؤ جواس مجلس میں حاضر ہے۔اس سے کہو کہ وہ اپنی پگڑی میں محفوظ ایک دینار تمھیں دے دے۔'' جب میں نے اس جوان کو یہ بات بتائی تو اس کی آنکھوں سے آنسورواں ہوگئے۔اس نے اپنی پگڑی سے ایک دینار نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔شیخ نے مجھ سے کہا''اب تم بَس نامی محلّہ میں جاؤ جوکہ نیشاپور میں واقع ہے۔وہاں ایک جوان قصاب کے پاس ایک مینڈھا تھا جسے اس نے بڑے شوق سے پالا تھا۔اس نے اس مینڈھے کو ذبح کر ڈالا ہے اور ایک خریدار کا منتظر ہے۔اس مینڈھے کے گوشت کو ایک دینار کے عوض خرید لینااوراس جوان سے کہنا کہ وہ اسے اچھی طرح باندھ دے اور تمھارے ساتھ چلے۔تم اسے فلاں مقام پہ لے جا کر کتوں کے آگے پھینک دینا۔''

میں روانہ ہوگیا۔راستے میں شیخ کو برا بھلا کہتا رہا۔میں یہ سوچنے لگا کہ لوگ خانقاہ میں روزے سے ہیں اور گوشت کی خواہش رکھتے ہیں۔ایسی صورت میں گوشت کو کتوں کے آگے پھینکنے سے کیا فائدہ؟ بہرکیف میں نے معینہ مقام پر پہنچ کراس نوجوان قصاب سے ایک دینارمیں اس مینڈھے کے گوشت کوخرید لیا۔قصاب کو ساتھ لیا اور شیخ کے ارشاد کے مطابق اس کے سامنے گوشت کو کتوں کے آگے پھینک دیا۔

قصاب نے جب یہ دیکھا تو رونے لگا۔اس نے توبہ کی خواہش ظاہر کی۔میں نے اسے شیخ کی خدمت میں حاضر کیا۔شیخ نے کہا''صاحبزادے! تیری خواہش تو پوری ہوگئی اور تو نے گوشت کی قیمت بھی وصول کی ہے۔پھر روتا کیوں ہے؟'' قصاب نے کہا''چار مہینے سے اس مینڈھے کو پال رہا تھا۔کل رات وہ مینڈھا مر گیا۔مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے اسے

ضائع کر دیا۔ شیطان نے میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا کیا کہ میں اسے ذبح کروں اور اس کے گوشت کو فروخت کر ڈالوں۔ شیخ کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے مجھے اس کے وبال اور خانقاہ کے لوگوں کو اس کے تناول سے محفوظ رکھا۔''

پھر شیخ نے کہا ''اے حسن! تم دل ہی دل میں کیوں فیصلہ کر لیتے ہو؟'' یہ لوگ پاک ہیں اور کوئی حرام چیز نہیں کھاتے۔ وہ جوان جس نے ایک دینار دیا تھا کہنے لگا ''اے شیخ! میرے پاس بیس تندرست مینڈھے ہیں جسے میں نے حلال مال سے حاصل کیا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اسے باورچی خانہ میں پہنچادوں۔'' شیخ نے اسے قبول فرمایا اور کہا ''یہ بھی راستے میں تھا لیکن یہ اس بات پر منحصر تھا کہ پہلے کتے اپنی بھوک مٹالیں۔''

(113) حرام مال سے اللہ کی حفاظت

ایک بار کا واقعہ ہے کہ شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خادم کو نیشا پور کے کوتوال کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ وہ تمام مریدوں کے لیے طعام کا بندوبست کرے۔ خادم نے اسے یہ اطلاع پہنچادی۔

اتفاق سے اس کوتوال نے ایک شخص کو کسی جرم کے تحت گرفتار کیا تھا اور اس سے جبراً اشرفیوں سے بھری تھیلی چھین لی تھی۔ جب کوتوال کو یہ اطلاع ملی تو اس نے مضحکہ خیز لہجہ میں خادم سے کہا ''یہ اشرفیاں تو اصحاب صفّہ کے طعام میں خرچ کرنے کے لائق ہیں۔ تم اسے لے جاؤ۔''

خادم نے وہ تھیلی لے لی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا ماجرا بیان کیا۔ شیخ نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو شیخ آگے بڑھے اور کھانا شروع کیا۔ اکثر مریدوں نے خوشی خوشی تناول کیا لیکن بعضوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔

جب مریدین کھانے سے فارغ ہو چکے تو ایک نوجوان نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی۔ شیخ نے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا ''میرے والد آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ موت سے قبل انھوں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں اشرفیوں سے بھری دو تھیلیاں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ ان کی

وفات کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مرشدوں کو تو اللہ روزی فراہم کرتا ہی ہے ۔ بہتر یہ ہوگا کہ ان اشرفیوں کو اپنے کام میں لاؤں اور یہی سوچتے سوچتے سو گیا۔ صبح ہوئی تو کوتوال شہر نے کسی الزام میں مجھے گرفتار کر لیا اور سو کوڑے لگائے ۔ اس نے زبردستی اشرفیوں کی ایک تھیلی مجھ سے چھین لی ۔ میں نے بعد میں یہ سوچا کہ یہ سزا مجھے میری خیانت کے سبب ملی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں دوسری تھیلی لے کر آپ کی خدمت حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں ۔''

شیخ نے کہا ''اب پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس پہلے ہی پہنچ چکی ہے اور تیرے پاس جو تھیلی تھی وہ اسی راستے میں تھی ۔ لہٰذا انھوں نے مریدوں سے مخاطب ہوکر کہا ''جو کچھ بھی اس جماعت کے لیے آتا ہے حلال ہوتا ہے اور خدائے عزوجل تمھارے حلق کو حرام مال سے محفوظ رکھتا ہے۔''

(114) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کا لطف واحسان

حضرت عمید خراسانی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے ممتاز مریدوں میں ہوتا تھا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں شیخ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا ۔ شروع شروع نیشاپور میں ہی مقیم تھا ۔ لوگ مجھے حاجب محمد کے نام سے پکارتے تھے ۔ ہر دن میں شیخ کی خانقاہ کے قریب سے گذرتا اور ان کے چہرہ انور کو دیکھتا ۔ وہ دن میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوتا اور میں اسے فال نیک سمجھتا ۔ ایک بار مجھے کسی حلال ذریعہ سے ہزار درہم حاصل ہوئے ۔ میں نے ارادہ کیا کہ آئندہ کل میں شیخ کی خدمت میں یہ تمام درہم پیش کر دوں گا ۔ تھوڑی دیر بعد میرے دل میں فتور آنے لگا ۔ میں نے سوچا اشرفیاں تو بہت زیادہ ہیں ۔ پانچ سو دینار اگر رکھ لیتا ہوں تو کیا مضائقہ ہے ۔ میں نے پانچ سو دینار الگ کر لیے اور تکیہ کے نیچے رکھ چھوڑا ۔ بقیہ پانچ سو دینار لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔

شیخ نے کہا ''ہے تو، لیکن پورا نہیں ہے ۔ وہ پانچ سو دینار بھی حاضر کرو جو تکیے کے نیچے رکھا ہے ۔'' یہ سننا تھا کہ میری حالت غیر ہوگئی ۔ میں نے ایک نوکر کو بھیجا تا کہ باقی اشرفیاں بھی

لے آئے۔ میں نے شیخ سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے مریدوں میں شامل فرمائیں۔شیخ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا’’اب پورا ہو گیا۔جاؤ خوش رہو۔‘‘ عمید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے بہت سارے جرائم کیے اور خطرناک پیشے اپنائے لیکن مجھے کوئی بھی پکڑ نہ پایا اور کسی بھی طرح میری گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

(115) نظام الملک کی علم پروری

نظام الملک نے جو سلجوقی بادشاہ کے دربار میں وزارت کے عہدے پر فائز تھا شہر صفاہان میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور ایک عالی نسب شخص امیر سید محمد کو اس خانقاہ کے انتظام و انصرام کے لیے مقرر کیا۔حال یہ تھا کہ ہر سال دنیا کے گوشے گوشے سے ضرورت مند حضرات اور علما وصوفیا اس شہر میں آتے اور اس خانقاہ میں قیام کرتے۔جب ماہ رجب آتا تو نظام الملک، سید محمد کو بلاتے اور ضرورت مندوں کو انعام واکرام سے نوازتے۔خزانے سے نقد بھی دیتے۔سارے لوگ رمضان کے مہینے میں خوش وخرم اپنے گھر واپس ہو جاتے۔

ایک سال انھوں نے انعام واکرام کی بخشش میں دیر کردی۔رجب اور شعبان کے مہینے گذر گئے۔یہاں تک کہ شوال کا مہینہ آ گیا۔نظام الملک نے سید محمد کو بلا بھیجا اور کہا ’’خانقاہ میں مقیم دو بزرگوں کو اپنے ساتھ لے آؤ تاکہ میں ان سے وہ بات کہہ دوں جو میرے دل میں ہے۔‘‘

سید محمد کہتے ہیں کہ جب میں دسترخوان سے اٹھا تو دو بزرگوں کو ساتھ لیتا آیا۔نظام الملک نے ان کی بڑی پذیرائی فرمائی اور کہا کہ میں ایام جوانی کے آغاز میں تحصیل علم میں مشغول تھا۔میں نے چاہا کہ میں سفر پہ نکلوں کیونکہ وطن سے دور رہ کر علم حاصل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔والد صاحب سے اجازت چاہی تاکہ میں شہر فارس جاؤں۔انھوں نے اجازت دے دی۔ایک غلام اور ایک جانور بھی عطا کیا اور کہا کہ دوران سفر امیر کارواں سے یہ التماس کرنا کہ ایک دن تمھاری خاطر میہنہ میں قیام کرے۔تم شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کرنا اور ان سے استعانت کی بھیک مانگنا۔وہ جیسا کہیں اس پر عمل کرنا۔

جب ہمارا کارواں اس مقام پہ پہنچا تو میں نے امیر کارواں سے کہا کہ وہ میرے لیے ایک دن میہنہ میں قیام کریں۔امیر کارواں نے میری بات مان لی ۔ جب میں اس قصبہ کے نزدیک پہنچا تو مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ میں تو اس قصبہ میں اجنبی ہوں، پھر میرا استقبال کون کرے گا۔

جونہی میں اس قصبہ میں داخل ہوا لوگوں نے خلاف توقع میرا استقبال کیا اور میں حیران وششدررہ گیا۔ دراصل شیخ نے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اپنے مریدوں سے یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے جو شخص دنیا اور آخرت کی کامیابی چاہتا ہے وہ اس اجنبی شخص کا استقبال کرے جو اس شہر میں آنے والا ہے۔ لہٰذا بہت سارے لوگ میرے خیر مقدم کی خاطر حاضر ہوئے اور کہنے لگے ''ہم آپ کے استقبال کی خاطر حاضر ہوئے ہیں۔'' میں ان کی باتوں سے بہت خوش ہوا۔

جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے دعائیں دیں اور فرمایا ''اے فرزند! تمھیں وزارت مبارک ہو۔تم جا کر اپنا منصب سنبھالو۔تم نے جو راستہ اپنایا ہے اس میں تمھارے لیے کچھ بھی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ علم حاصل کرنے والے تم سے مستفید ہوں گے۔ یہ وعدہ کرو کہ تم انھیں ہر طرح کی مدد فراہم کرو گے۔'' میں نے کہا ''میں ویسا ہی کروں گا جیسا کہ آپ ارشاد فرمائیں گے ۔ یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہوگی۔'' پھر میں زار وقطار رونے لگا شیخ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ میرے پوچھنے پر شیخ نے فرمایا کہ تاحیات میں لوگوں کی خدمت کرتا رہوں گا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ میری زندگی کے آخری ایام میں کچھ دنوں کے لیے نیک لوگ میری خدمت سے محروم رہیں گے۔

ایک دن نظام الملک نے کہا ''سید محمد! میں تمھیں کیا بتاؤں کہ امسال رجب کی پہلی تاریخ سے ہی میں اس کوشش میں ہوں کہ وظیفے کی رقم حسب معمول لوگوں تک پہنچاؤں لیکن مجھے کامیابی نہیں ملی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب میری موت کا وقت نزدیک آ گیا ہے،تم کل بیت المال سے رقم لے جاؤ اور مستحقین کو واجب الادا رقم دے دو۔شاید زمانہ مجھے اور مہلت نہ دے۔''

سید محمد کہتے ہیں کہ دوسرے دن میں ان کے حکم کے مطابق بیت المال پہنچا اور ضرورت مندوں کے لیے مجوزہ رقم حاصل کی۔ لہٰذا تمسکات میں سے لوگوں کو جو وظیفے دیے جاتے تھے دوبارہ جاری کیے گئے۔

چند دنوں کے بعد سلطان (ملک شاہ سلجوقی) نے جنگ میں حصہ لیا لیکن نظام الملک تین دنوں تک دارالخلافہ میں مقیم رہے۔ جب چوتھے دن وہ سلطان کی جانب روانہ ہوئے تو اسماعیلی ملحدوں نے نہاوند کے مقام پر ان کو شہید کر دیا اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان کی خدمات سے محروم رہ گئی۔

(116) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کا کمال فیض

شیخ ابوالفتوح عباس رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''میں اپنے والد کے ساتھ نظام الملک سے ملاقات کی غرض سے اصفہان گیا۔ جب انھوں نے ہمیں دیکھا تو ہمارا خیر مقدم کیا اور کہنے لگے انھیں جو کچھ بھی سعادت حاصل ہے وہ شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کے طفیل ہے۔''

نظام الملک نے مزید یہ کہا ''ایک دن میں نیشاپور پہنچا۔ شیخ کی خدمت میں حاضری دی اور ایک ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں اس سے قبل بھی میہنہ میں ان کی خدمت میں حاضری دے چکا تھا اور اس وقت میں صرف ایک گھوڑ سوار تھا۔''

شیخ نے جب اپنی مجلس ختم کی تو کہا۔ ''میں مقروض ہو گیا ہوں۔ اگر کوئی اس قرض کو ادا کر دے تو بہتر ہے۔'' میں نے فوراً اپنا کمر بند کھول کر شیخ کے خادم کو دے دیا۔ خادم نے وہ کمر بند شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے اسے قبول کر لیا اور خوش ہو کر کہا۔ ''اس کمر بند کے عوض چار ہزار خدّام کمر بند کے ساتھ تیرے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان میں سے چار سو کے کمر بند سونے کے ہوں گے۔''

چند دنوں کے بعد میرے غلاموں اور خادموں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی، نہ کم اور نہ زیادہ۔ ان چار ہزار خادموں میں سے چار سو کے کمر بند سونے کے تھے اور یہ شیخ کی نظروں کا فیض تھا۔

(117) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے واعظ کا اثر

شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک یہودی تھا جو ان کی خانقاہ کا وکیل و منتظم تھا۔ شیخ ابومحمد جوینی رحمتہ اللہ علیہ شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے معاصرین میں تھے۔

وہ یہودی کسی سبب شیخ سے پرخاش رکھتا تھا۔ ابومحمد جوینی ہمیشہ اسے اسلام کی دعوت دیتے اور کہتے ''اگر تو اسلام قبول کرلے تو میں تجھے اپنے مال کا ایک تہائی دے دوں۔'' وہ یہودی مسلسل انکار کرتا رہتا۔

ایک دن وہ یہودی شیخ ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ کے خانقاہ کے دروازے کے قریب سے گذرا جبکہ شیخ واعظ فرما رہے تھے۔ یہودی نے سوچا چلو آج ان کی بات چھپ کر سن لیتے ہیں کیونکہ یہاں اسے کوئی پہچان نہ پائے گا۔ وہ اندر آیا اور ایک ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ شیخ نے کہا ''اے یہودی! ستون کے پیچھے نہ کھڑا ہو، سامنے آ۔'' یہودی کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ وہ شیخ کے روبرو لرزہ براندام حاضر ہوا۔ شیخ نے اس سے کہا: ''کہو۔'' اس نے کہا ''کیا کہوں؟'' شیخ نے کہا ''کہو۔'' اس نے یہ شعر پڑھا:

من گبربدم چنین مسلمان گشتم بدعہد بدم کنون بفرمان گشتم

(میں یہودی تھا اور مسلمان ہوگیا۔ میں نافرمان تھا اور اب فرماں بردار ہوگیا۔)

یہ کہہ کر وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ شیخ نے کہا تم خواجہ امام ابومحمد رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمھیں حلقہ بگوش اسلام کریں۔ ان سے یہ کہنا کہ آپ کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہر کام کا ایک وقت معین ہے۔ جب وقت معین آجاتا ہے تو اس بات کی حاجت نہیں رہتی کہ آپ کسی یہودی کو مذہب اسلام قبول کرنے کی خاطر ایک تہائی یا نصف مال عنایت کرتے ہیں یا نہیں۔ جب ابومحمد رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کرامت دیکھی تو شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگئے۔

(118) شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ اور علم غیب

شیخ حسن مودب رحمتہ اللہ علیہ شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمتہ اللہ علیہ کے خانقاہ میں خادم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ شیخ سے میری ارادت کا سبب یہ ہے کہ جب میں نے تجارت شروع کی تو ایک بار سامان تجارت کے ساتھ نیشاپور پہنچا۔ لوگوں کو دیکھا کہ وہ شیخ کی مجلس کی طرف جارہے ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے ان کی کرامات کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہا وہ غیب کا علم رکھتے

ہیں۔ میں یہ کہتا تھا کہ کسی کو بھی علم غیب کی خبر نہیں یہاں تک کہ پیغمبروں کو بھی یہ علم نہیں تھا۔ یہ کون شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ علم غیب جانتا ہے۔

ایک دن امتحان کی غرض سے میں شیخ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ میرے سر پر ایک طبرستانی پگڑی تھی۔ شیخ کی مجلس میں ایک درویش نے پگڑی کی فرمائش کی۔ میرے دل میں آیا کہ میں اپنی پگڑی اس درویش کو دے دوں۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ پگڑی تو مجھے میرے دوستوں نے شہر اٰمل سے بھیجی ہے۔ دوسری بار شیخ نے دریافت کیا ''کوئی ہے جو اپنی پگڑی اس درویش کو دے؟'' پھر وہی بات میرے دل میں آئی اور میں نے دل سے یہ بات جھٹک دی۔

میرے پہلو میں ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے شیخ سے سوال کیا '' کیا خدا اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے؟'' شیخ نے کہا '' آپ اپنے نزدیک کھڑے ہوئے شخص سے پوچھیں کہ وہ اپنی پگڑی کیوں نہیں دیتا جبکہ دوبارہ اس کے دل میں اس بات کا القا ہو چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دے دے اور تو کہتا ہے کہ مجھے دوستوں نے یہ پگڑی شہر اٰمل سے بھیجی ہے۔''

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی لمحہ نعرہ بلند کیا اور اپنی پگڑی اتار پھینکی۔ جب مجلس سے اٹھا تو میں نے تمام مال شیخ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اس طرح مجھے ان کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک مدت تک میں ان کی خدمت میں رہا۔

وہ جماعت جو سالکان راہ ہیں اور خواص درگاہ ہیں بزرگان دین کے کرامات سے بخوبی واقف ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہے وہ ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ زندیقوں کی ایک جماعت خود کو محققوں کے لبادہ میں پیش کرتی ہے اور ان بزرگوں کو بدنام کرتی ہے۔ دین اسلام کو کفار سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ اس جماعت سے کیونکہ یہ بہت ہی تیز و طرّار ہے اور دین داروں کا سا لباس زیب تن کرتی ہے۔

***

باب چہارم

ممالک عرب وعجم کے حکمرانوں کا بیان

تاریخ نویسوں نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے حوالے سے اپنی تصانیف چھوڑی ہیں اوران میں ایرانی حکومتوں کے نشیب وفراز کا ذکر کیا ہے۔بعض جگہوں میں سچ کے ساتھ جھوٹ کو بھی خلط ملط کردیا گیا ہے۔بادشاہوں کے اقوال وافعال، مراتب و مدارج، رسوم وقوانین سے آشنائی ہمارے لیے بہت ہی دلچسپ اور کارآمد ہے۔اگرچہ تمام بادشاہوں اوران کی حکومتوں کا ذکر یہاں ممکن نہیں پھربھی ان میں سے چند بادشاہوں کا ذکر جومشہور ومعروف گذرے ہیں اورجن کا ذکرطبری نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے ایجاز واختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

اس باب کومیں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اولین عہد کے بادشاہوں کا تذکرہ ہے جس کی ابتدا کیومرث سے ہوتی ہے۔اسکندراس باب کی آخری کڑی ہے۔ دوسرا حصہ صوبائی حکومتوں سے متعلق ہے جس میں ان تمام اشکانی حکمرانوں کا ذکر ہے جو وسعت سلطنت اور جاہ وحشمت کے حوالے سے کافی مشہور تھے۔ تیسرے حصے میں ساسانی بادشاہوں کے عہدحکومت کی تاریخ پیش کی گئی ہے جس کی بنیاد اردشیر بابک نے رکھی تھی اورجس کا آخری حکمراں یزدجرد تھا۔ چوتھے حصے میں ملک روم، ترک، چین، عرب اور ہندوستان کے مشاہیر حکمرانوں کا بیان ہے۔اب میں اس باب کا آغاز کیومرث کے ذکر سے کرتا ہوں۔

(119) کیومرث کی بادشاہت

مورخین کا قول ہے کہ فرزندان آدم میں سب سے پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔ وہ ہزار سال تک زندہ رہا اور اس کی حکمرانی کی مدت تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ بعض مورخین نے اسے آدم دوّم کے نام سے یاد کیا ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ اس کی چمڑی سیاہی مائل تھی۔ اس کے باوجود وہ اس قدر حسین وجمیل تھا کہ جو بھی اسے دیکھتا سجدہ ریز ہو جاتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد عوام الناس کی زندگی اجیرن ہو گئی اور نظام حیات میں کوئی ترتیب باقی نہ رہی۔ اللہ نے دنیا وآخرت کی بھلائی کی خاطر شیث علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور کیومرث کو بادشاہت عطا کی۔ الغرض آدم علیہ السلام کے بعد شیث علیہ السلام اول پیغمبر ہوئے اور کیومرث اول بادشاہ۔

کہتے ہیں کہ کیومرث جنگلوں میں زندگی گزارتا تھا اور شیر کی کھال زیب تن کیا کرتا تھا۔ اسے اللہ نے ایک اولاد نرینہ عطا کی تھی جس کا نام سیامک تھا جو شیطانوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا۔ کیومرث کا پوتا ہوشنگ، جو نہایت ہی مؤدب اور ہنر مند تھا، اس کا وارث بنا۔

(120) ہوشنگ کی حکومت

کیومرث کے انتقال کے بعد اس کا پوتا ہوشنگ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ وہ بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ اس نے ملک کی ترقی وخوشحالی کی طرف خاص توجہ دی۔ اس کے عہد حکومت میں آبادی میں کافی اضافہ ہوا اور نیک لوگوں کے ساتھ ساتھ مفسدوں کی تعداد بھی بڑھی۔ لہٰذا مفسدوں سے ملک کو محفوظ رکھنے کی خاطر جنگی ہتھیاروں کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے کانوں سے لوہے نکالنے اور کھیتی باڑی کے لیے آلات بنانے کا حکم جاری کیا۔ اس نے پانی کی تقسیم بندی کی، نہریں کھدوائیں، زمین کو قابل کاشت بنایا، شاہراہوں کے کنارے سرائے تعمیر کیے، درخت لگوائے اور چند بڑے شہروں کی بنیادیں رکھیں۔

کیومرث اپنی مملکت کا دورہ بھی کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ابلیس کے ساتھ

جنگ کی، بنی نوع انسان کو شیطانوں سے دور رکھا اور بدکرداروں اور مفسدوں کا قلع قمع کیا۔ ہوشنگ نے چالیس سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔

(121) طہمورث کا عہد اور اقتصادی ترقی

ہوشنگ کی موت کے بعد تقریباً تین سو سال تک کوئی بادشاہت وجود میں نہیں آئی۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کے نظام کو قائم و دائم رکھا۔ تین سو سال کے بعد طہمورث جو ہوشنگ کی اولاد میں سے تھا تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ امارت و بادشاہت کے سارے آداب و اوصاف اس میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس نے عوام کی دلجوئی کی اور لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ نیک لوگوں کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا اور برے لوگوں کو سزائیں دیں۔ شہر اور گاؤں کے لوگوں کی درجہ بندی کی۔ کاشتکاری اور گلہ بانی کو فروغ حاصل ہوا۔

طہمورث کو شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ ہمیشہ شکار کرتا اور سفر میں رہتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے سفر کا مقصد یہ ہے کہ میں ایسے مظلوموں کی داد رسی کروں جو میرے دربار تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ مورخین نے یوں لکھا ہے کہ اس نے ابلیس کو بھی زیر کیا تھا اور اس سے اپنی سواری کے کام لیتا تھا۔ اب بھی جو نقاش اس کی شبیہہ بناتے ہیں اسے ابلیس پر سوار دکھاتے ہیں۔ اس کی مدت حکومت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض مورخوں نے تیس سال کا عرصہ بتایا ہے اور بعضوں نے ہزار سال کی مدت تحریر کی ہے۔

(122) جمشید کے دور حکومت میں شراب کی دریافت

بادشاہ جمشید جو حکمت و دانائی کا مہر درخشاں تھا آدم کی پیدائش سے تقریباً ہزار سال بعد تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ بعض علما کی یہ رائے ہے کہ وہ دراصل سلیمان علیہ السلام تھے لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ جمشید اور سلیمان علیہ السلام کے عہد کے درمیان دو ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ حائل ہے۔ بہر کیف وہ اس بات پہ متفق ہیں کہ جنات وشیاطین پر بھی جمشید کی حکمرانی تھی۔

جمشید نے اپنے ملک کے انتظام و انصرام کی طرف کافی توجہ دی۔ اس نے عالیشان عمارتیں تعمیر کیں، لوگوں کو روئی سے دھاگہ تیار کرنے کا حکم دیا اور سلائی بنائی کی تلقین کی۔ اس کی ان تمام کوششوں کے نتیجے میں لوگوں کو سلے ہوئے کپڑے نصیب ہوئے۔

جمشید نے زاہدوں کی ایک جماعت کو جو عبادت و ریاضت اور فکر آخرت میں لگی رہتی تھی پہاڑوں پر جا کر عبادت کرنے کی تلقین کی۔ عوام کی درجہ بندی کے ساتھ ساتھ فوجیوں کی بھی درجہ بندی کی۔ سپاہیوں کی تنخواہیں متعین کی گئیں تا کہ وہ ہمہ دم فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنے کے لیے آمادہ رہیں۔ اس نے علما و حکما کی قدر و منزلت کی اور تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی زراعت و حراثت کی طرف مائل کیا۔ اس کے عہد حکومت میں کانوں سے زر و جواہر نکالے گئے۔ مختلف قسم کے عطریات مثلاً عود و عنبر و مشک وغیرہ کشید کیے گئے اور نباتات و میوہ جات کی خاصیتیں دریافت کی گئیں۔

کہتے ہیں کہ شراب بھی دراصل جمشید کی دریافت ہے۔ موسم بہار کے ایام میں لوگ عام طور پر انگور کی لطافت و حلاوت سے محروم رہ جاتے تھے کیونکہ بیشتر خوشے آب و ہوا کی تبدیلی اور سردیوں کی آمد کے سبب ضائع ہو چکے ہوتے تھے۔ جمشید نے چاہا کہ انگور کا عرق کشید کیا جائے تا کہ ہمہ وقت استفادہ کیا جا سکے۔ الغرض انگور سے عرق کشید کیا گیا اور ایک پیپے میں محفوظ کر دیا گیا۔ جمشید ہر روز وہاں جاتا اور اس کا مشاہدہ کرتا۔ اول اول تو یہ جوش مارنے لگا۔ اس کی سطح پر بلبلے ابھر آئے اور پھر یہ ساکن ہوگیا۔ ہر روز جمشید اس عرق کو چکھتا رہا۔ جب یہ ٹھنڈا ہوگیا تو اس کی تلخی بڑھ گئی اور کوئی لذت باقی نہ رہی۔ جمشید نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کی تلخی تغیر مزاج کے سبب زہر میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس نے پیپے کو ڈھک کر یونہی چھوڑ دیا۔

جمشید کی ایک کنیز تھی جو انتہائی حسین و جمیل تھی۔ اس پہ مائیگرین کا حملہ ہوا اور وہ درد سے بیقرار ہو اٹھی۔ اب وہ زندگی سے تنگ آ چکی تھی اور موت کو گلے لگانا چاہتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ تھوڑا سا زہر کھالے تو اس مصیبت سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے اس پیپے سے تھوڑا سا عرق نکالا اور اپنی زبان پر رکھا۔ اسے فوراً اپنے اندر طرب و انبساط کی کیفیت محسوس ہوئی اور سر کا درد جاتا رہا۔ جب وہ گھر واپس آئی تو اس پر نیند کا غلبہ ہوا۔ چونکہ کئی

دنوں سے وہ سردرد کے سبب نیند سے محروم رہی تھی دن بھر سوتی رہی اور جب بیدار ہوئی تو مرض کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ اس نے سارا ماجرا جمشید کے حضور بیان کیا۔ جمشید نے بھی انگور کے عرق کو چکھا اور محظوظ ہوا۔ الغرض بہت سارے امراض میں اس کا استعمال کیا جانے لگا اور بادشاہ نے اس کا نام 'دارو' رکھا۔

(123) کیقباد کے عہد کا ایک واقعہ

کہتے ہیں کہ کیقباد کے عہد تک شراب جائز تھی اور اس کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک دن کیقباد صحرا میں گھوم رہا تھا۔ اس نے ایک شرابی کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ اچانک ایک کوا آیا اور اس کی دونوں آنکھیں نکال لے گیا۔ جب کیقباد نے یہ منظر دیکھا تو اس نے شراب کو حرام قرار دیا۔ اس نے یہ اعلان کروایا کہ کوئی شراب کے نزدیک نہ جائے۔ ایک مدت تک رعایا اس کی تلوار کے خوف سے شراب سے دور رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شیر اپنے پنجرہ سے باہر آ گیا اور لوگ اس کے خوف سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ کوئی اسے پکڑ نہ پایا۔ اچانک ایک جوان آیا اور دوڑ کر شیر کے کان پکڑ لیے۔ وہ جوان وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ شیر کا نگہبان آیا اور اسے واپس پنجرے میں ڈال دیا۔ بادشاہ نے جب یہ ماجرا سنا تو کہنے لگا ''یہ کیسا شخص ہے؟ مست ہے یا دیوانہ ہے؟'' لوگوں نے اسے بادشاہ کے سامنے حاضر کیا اور پوچھا ''یہ بتاؤ تمھاری اس بہادری کے پیچھے کیا راز ہے؟''

اس جوان نے جواب دیا ''میں ایک مدت سے اپنی چچا زاد بہن کے عشق میں گرفتار ہوں اور میرا چچا میری تنگ دستی کے سبب اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دینا نہیں چاہتا ہے۔ چونکہ میرے دل و دماغ پر عشق کا جنون سوار تھا، میں اپنے گھر میں موجود ایک کٹورا شراب پی گیا۔ میں نے سوچا اگر میری زندگی کسی کے کام آ جائے تو میرے دل کا بوجھ قدرے کم ہو جائے گا۔''

اس واقعہ کے بعد کیقباد نے اعلان کروایا کہ ''شراب اتنا پیو کہ شیر کو پکڑنے والے بن جاؤ، نہ اتنا پیو کہ تمھاری آنکھیں نکال لی جائیں۔''

(124) ضحاک کے ہاتھوں جمشید کی شکست

جمشید ایک طاقتور بادشاہ تھا۔ جن وانس پر اس کی حکمرانی تھی۔ وہ انھیں دشوار تر اور صبر آزما کام میں لگا تا تھا۔ جن وانس اس کے لیے عمارتیں تیار کرتے اور زمین کی تہہ سے خزانے برآمد کرتے۔ ساج اور عاج نامی جن ہمیشہ اس کے دربار میں حاضر رہتے جو عموماً آسمان پر لگتا تھا۔ ساج اور عاج اس کے لیے رتھ تیار کیا کرتے۔ جمشید ریشم کا لباس زیب تن کیے اس رتھ پر جلوہ افروز ہوتا جسے وہ اپنے کاندھوں پر رکھے رہتے۔ ایک ہی دن میں وہ دماوند سے بابل تک کا سفر طے کرتا۔

اہل عجم ماہ فروری کے پہلے دن کو جو موسم بہار کی آمد کا پیغام دیتا ہے مبارک تصور کرتے تھے۔ وہ اسے نوروز کا نام دیتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ یہ ساری باتیں مورخین نے نقل کی ہیں لیکن جہاں تک حقیقت وشریعت کا تعلق ہے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا کیونکہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہوا کو بھی ان کے لیے مسخر کر دیا تھا۔

جب جمشید کو قدرت وعظمت حاصل ہوگئی تو وہ مغرور ہوگیا۔ اسے خدا کی بندگی میں عار نظر آنے لگی۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور رعایا کو اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ گرچہ عوام کو یہ باتیں پسند نہ تھیں پھر بھی اس کی تلوار کی ہیبت اور تعزیری شدت کے خوف سے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اتفاقاً اس کی شان وعظمت جاتی رہی اور سطوت شاہی رو بہ زوال ہونے لگی۔ ضحاک حمیری جسے پارسی 'بیوراسپ' کے نام سے جانتے تھے ملک یمن سے ایک لشکر جرار کے ساتھ آیا اور جمشید پر دھاوا بول دیا۔ چونکہ جمشید جنگ کے لیے قطعی طور پر آمادہ نہ تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ ضحاک نے اس کا پیچھا کیا اور اسے ہلاک کر ڈالا۔

روایت ہے کہ بے سروسامانی کے عالم میں اس کی زبان پر یہ الفاظ رواں تھے۔ ''جو کوئی اپنے دین کی عظمت سے انکار کرتا ہے، اس کا دین ہی ایک دن اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔''

جمشید کے دور حکومت کی میعاد کتنی تھی اس ضمن میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مدت 520 سال پہ محیط ہے اور بعض 719 سال کا عرصہ بتاتے ہیں۔

(125) ضحاک حمیری کے دور حکومت کا آغاز

جمشید کی ہلاکت کے بعد ایران پر ضحاک حمیری کی حکومت قائم ہوئی۔ضحاک نے اپنی حکومت کی بنیاد ظلم و بربریت پر رکھی اور لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ برائی کا بازار گرم ہوا اور نیک لوگ زنجیروں میں جکڑ دیے گئے۔

ضحاک کے ظلم کی داستان کچھ یوں ہے۔اس نے پہلے تو اپنے والد کو تخت سے معزول کیا۔ پھر اس کے خزانے پر قابض ہو گیا۔اس کے بعد وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ یمن سے روانہ ہوا اور جمشید کی سلطنت پر قابض ہو گیا۔اس نے عوام الناس پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔

کہتے ہیں کہ وہ ابلیس کا دوست تھا اور اسی کے اشارے پر ہی وہ برے کام انجام دیتا تھا۔ابلیس نے اسے ایک سنہرا قلم ہدیہ میں دیا تھا۔ جب بھی ضحاک کا دل کسی عورت یا لڑکے پر آتا وہ اس قلم کو اس کی طرف پھینکتا اور وہ اس کا دیوانہ ہو جاتا۔

(126) ضحاک اور اس کے دو ناگوں کا قہر

جب ابلیس نے ضحاک کو اپنے دام فریب میں پوری طرح گرفتار پایا تو ایک دن وہ ایک جوان کی صورت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ”میں ایک باورچی ہوں اور اپنے کام میں کامل مہارت اور تجربہ رکھتا ہوں۔ میں نہایت ہی عمدہ اور لذیذ غذائیں تیار کر سکتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنے مطبخ کی ذمہ داری سونپیں تو میں حیرت انگیز کارنامے انجام دے سکتا ہوں۔ ایسی غذائیں تیار کر سکتا ہوں جسے کھا کر آپ کو اپنی زندگی کا صحیح لطف آنے لگے گا۔“

ضحاک اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور یہ بھول گیا کہ کسی اجنبی پر اعتماد کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔بالخصوص بادشاہوں کے لیے یہ اور بھی خطرناک بات تھی کہ وہ کسی اجنبی پر بھروسہ کرے۔ اس نے حکم دیا کہ اس جوان کو مطبخ کا سارا نظام سمجھا دیا جائے۔ وہ روزانہ انواع واقسام کی غذاؤں سے بادشاہ کے دسترخوان آراستہ کرتا رہا۔ان غذاؤں کو کھا کر وہ دن بدن سخت دل، نڈر اور گستاخ ہوتا گیا۔

ایک دن ابلیس نے نہایت ہی لذیذ کھانا تیار کیا۔ضحاک کو بڑا لطف آیا۔اس نے اس کی بڑی تعریف کی اور خوش ہو کر کہنے لگا''کہو کیا چاہتے ہو۔میں ضرور تمھاری خواہش پوری کروں گا۔''ابلیس نے کہا''میری یہ خواہش ہے کہ میں آپ کے دونوں کندھوں کا بوسہ لوں۔'' ضحاک نے اس کی خواہش قبول کر لی۔ابلیس اس کے نزدیک آیا اور اس کے دونوں کندھوں کا بوسہ لے کر غائب ہوگیا۔

ابلیس کا بوسہ دینا تھا کہ ضحاک کو پریشانی لاحق ہوگئی۔اسی لمحہ دو کالے ناگ اس کے دونوں کندھوں پر نمودار ہوگئے اور اسے اذیت پہنچانے لگے۔وہ جب جب حرکت کرتے ضحاک مضطرب و پریشان ہو جاتا۔اس کے مصاحبین ان ناگوں کا سر قلم کر دیتے لیکن وہ دوبارہ نمودار ہوجاتے۔طبیبوں نے بہت علاج و معالجہ کیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ضحاک کی آنکھوں سے نیند غائب ہوگئی اور دل کا سکون جاتا رہا۔

اچانک ایک دن ابلیس ایک طبیب کی شکل میں بادشاہ کے محل کے دروازے پر آیا اور کہنے لگا''بادشاہ کا علاج میرے پاس ہے۔اگر اجازت ہو تو میں بتاؤں۔''اس کو فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔اس نے بادشاہ سے مخاطب ہوکر کہا''یہ ناگ تو آپ کے کندھوں سے دور ہونے والے نہیں لیکن ایک طریقہ ہے جس سے ان کو رام کیا جاسکتا ہے۔''

ضحاک نے کہا''دیر کس بات کی ہے۔تم فوراً بتاؤ میں کیا کروں۔اگر تمھارے مشورے سے میری پریشانیوں کا سد باب ہوجائے تو میں تمھیں انعام و اکرام سے نوازوں گا اور زندگی بھر تمھارا ممنون رہوں گا۔''ابلیس نے کہا''اس کا علاج یہ ہے کہ آپ روزانہ ان ناگوں کے سامنے دو نوجوانوں کے مغز پیش کریں تا کہ وہ مطمئن ہو جائیں اور آپ کو پریشان نہ کریں۔'' ضحاک نے دو مغز پیش کرنے کا حکم جاری کیا۔سپاہی فوراً قید خانے سے دو نوجوانوں کو پکڑ لائے۔ان کا سر تن سے جدا کیا اور ان کے مغز ناگوں کے سامنے پیش کیے۔ناگوں نے مغز سے اپنی بھوک مٹائی اور آسودہ اور پرسکون ہوگئے۔ضحاک کو بھی راحت ملی اور وہ فوراً سو گیا۔کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے قبل ایک رات اور ایک دن وہ سو نہیں سکا تھا۔لہٰذا وہ ایک رات اور ایک دن سوتا رہا۔

جب ناگوں کو بھوک لگی تو وہ دوبارہ حرکت میں آ گئے۔ بادشاہ بھی بیدار ہوگیا اور پھر وہی کلفت و پریشانی لاحق ہوگئی۔حسب دستور دونو جوانوں کو مار کران کے مغز حاضر کیے گئے۔ پھر یہ روزآنہ کا معمول بن گیا۔ ہرروز دونوجوان مارے جاتے اور ان کے مغز ان ناگوں کی خوراک بنتے۔نتیجتاً قید خانے میں کوئی مجرم نہ بچا جس کی قربانی دی جاسکتی تھی۔اب ہرروز شہر میں منادی ہوتی اور دو بے گناہ نوجوان مقتل میں لائے جاتے۔ان کو قتل کیا جاتا اور ان کے مغز ناگوں کے سامنے پیش کیے جاتے۔

(127) ارمائیل اور کرمائیل کی ہوشمندی

ضحاک کے محل میں دوباورچی تھے۔ایک کا نام ارمائیل اور دوسرے کا نام کرمائیل تھا۔ وہ بڑے نرم دل اورمہربان تھے۔انھوں نے تدبروہوشمندی سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ہی جوان قتل کیا جائے اور دوسرے جوان کی جگہ ایک بھیڑ قربان کیا جائے۔انھوں نے ایسا ہی کیا۔آدمی کے مغز کے ساتھ بھیڑ کے مغز کی آمیزش کردی اور ضحاک کے ناگوں کے سامنے پیش کیا۔

چند دنوں بعد جب ایسے لوگوں کی تعداد کہ جن کو قتل کیا جانا تھا گھٹنے لگی تو ارمائیل اور کرمائیل نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ شہر چھوڑ کر جنگلوں میں جا بسیں۔ایسا نہ ہو کہ کوئی انھیں دیکھ لے اور یہ راز فاش ہوجائے۔الغرض لوگوں کی یہ جماعت اب جنگلوں میں زندگی گزارنے لگی اور بھیڑ کے دودھ، بالائی اور دہی پر گزارا کرنے لگی۔ دن گذرتے گئے اور ان کی نسلیں پھلنے پھولنے لگیں۔

کہتے ہیں کہ خطہ کُرد کے باشندوں کا تعلق اسی نسل سے ہے۔محمد جریر ابن طبری نے یوں لکھا ہے کہ ضحاک کسی کی آہ وزاری نہیں سنتا تھا اور نہ مظلوم کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا۔ایک دن وہ اپنے محل کے دروازے پر آیا جہاں شہر بابل کے لوگ جمع تھے۔ ان لوگوں نے پوچھا ’’جہاں پناہ! کیا آپ کی حکومت صرف ہم پر ہے یا ساری دنیا پر۔‘‘ ضحاک نے کہا ’’ساری دنیا پر۔‘‘ لوگوں نے کہا ’’اگر ایسا ہے تو پھر آپ کا ظلم ہم پر ہی کیوں ہو؟‘‘ یہ سننا تھا کہ ضحاک غضبناک ہوا اٹھا اور اس نے اپنے کئی امیروں کو قتل کرواڈالا۔

(128) فریدون کے ہاتھوں ضحاک کا قتل

کہتے ہیں کہ ضحاک نے ایک رات خواب میں تین افراد کو اپنے محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک کے پاس لوہے کا ایک عصا تھا اور اس کا اوپری حصہ گائے کے سر جیسا تھا۔ پھر اس شخص نے وہ عصا اس کے سر پر دے مارا۔ خواب انتہائی وحشت ناک تھا۔ ضحاک فوراً بیدار ہوگیا۔ اس پر دہشت طاری ہوگئی۔ نجومیوں کو دربار میں حاضری کا حکم دیا۔ جب نجومیوں کی جماعت حاضر ہوئی تو اس نے اپنا خواب بیان کیا۔ ایک نجومی نے کہا ''وہ زمانہ نزدیک ہے جب تمھاری حکومت کسی دوسرے کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ وہ جوان پیدا ہو چکا ہے جو تمھاری حکومت کا خاتمہ کرے گا۔ اس کے باپ کا قتل تمھارے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔ بچہ کو اس کی ماں تمھارے خوف سے کسی جنگل میں ایک چرواہے کے پاس چھوڑ آئی ہے تاکہ وہ اس کی پرورش کرے۔'' یہ سننا تھا کہ ضحاک پریشان ہو اٹھا۔ اس نے اس بچہ کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا۔

اس بچہ کا نام فریدون تھا جو طہمورث کے خاندان کے ایک فرد اتیین کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں کا نام 'نوایک' تھا۔ اسی سال فریدون کی ولادت ہوئی تھی اور اس کی پیشانی پر اس کی بزرگی وعظمت کے آثار ہویدا تھے۔ جو کوئی بھی اسے دیکھتا یہی کہتا کہ یہ بچہ مستقبل میں کوئی عظیم کارنامہ انجام دے گا۔

ضحاک کے سپاہیوں نے یہ خبر دی کہ طہمورث کے خاندان میں ایک بچہ نے جنم لیا ہے جس کا نام فریدون ہے۔ تلاش بسیار کے بعد بھی ماں اور بچے کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ ماں اپنے بچے کو لے کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگی بھاگی پھر رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر ایک چراگاہ پر پڑی جہاں ایک گائے چر رہی تھی۔ ایسی خوبصورت گائے اس نے کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔ اس نے گائے کے مالک سے کہا ''میں اس بچہ کو آپ کے سپرد کرنا چاہتی ہوں تاکہ آپ اس گائے کے دودھ سے اس کی پرورش کریں۔ اس کی تربیت میں آپ کی محبت وشفقت بھی شامل ہو کیونکہ نجومیوں اور کاہنوں کی ایک جماعت نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ لڑکا ایک دن تخت

شاہی پہ جلوہ افروز ہوگا اور ضحاک کے ظلم وستم کا خاتمہ کرے گا۔'' چرواہے نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ جب ضحاک کے سپاہی اس کے گھر پہنچے تو وہ بچہ جو انھیں مطلوب تھا، نہیں ملا۔ وہ غصہ سے لال پیلے ہوگئے اور اس کے گھر کو لوٹ لیا۔

فریدون تقریباً چار سال تک اس جنگل میں پرورش پاتا رہا۔ضحاک ہمیشہ اس کی تاک میں تھا۔اسے یہ خبر ملی کہ ایسی ایک گائے فلاں چراگاہ میں چرتی ہوئی پائی گئی ہے جس کے دودھ سے اس کی پرورش ہورہی ہے۔قبل اس کے کہ ضحاک کسی کو اس بچہ کی تلاش میں وہاں بھیجتا ماں نے فوراً اس بچہ کو وہاں سے اٹھا کر کسی دوسرے مقام پر پہنچا دیا۔ اس نے اسے خدا کے عبادت گزار بندوں کی ایک جماعت کے حوالے کیا جو دنیا سے کنارہ کش ہوکر ایک پہاڑ پر زندگی گزار رہی تھی۔

ضحاک نے اپنے سپاہیوں کو اس چراگاہ کی طرف بھیجا۔انھوں نے اس گائے کو مارڈالا۔لیکن عنایت الٰہی کے زیر سایہ فریدون پرورش پاتا رہا یہاں تک کہ وہ سترہ سال کا گبرو جوان ہوگیا۔ایک دن اس نے اپنی ماں سے پوچھا''میرا باپ کون تھا اور کیا کرتا تھا؟'' ماں نے ساری باتیں اسے بتادیں۔فریدون کو جب حقیقت کا پتہ چلا تو اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔اس نے لوہار سے کہا کہ وہ ایک گرز بنائے جو گائے کے سر کی مانند ہو۔ وہ یہ مخصوص گرز لے کر بابل کی طرف چل پڑا اور لوگ اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔

دوسری طرف ضحاک زبوں حالی واضطراب کا شکار ہو چکا تھا۔ایک دن ایک مظلوم شخص جس کا نام 'کاوہ' تھا اس کے محل کے دروازے پر آیا اور کہنے لگا''میں پیشے سے لوہار ہوں اور میری ماں نے مجھے اس لیے جنم دیا ہے کہ میں تیرے ظلم کا خاتمہ کروں۔ چند روز قبل تیرے آدمیوں نے میرے ایک جوان بیٹے کو قتل کیا تھا۔ وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا کہ وہ میرے دوسرے بیٹے کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ یہ کیسا ظلم ہے جو تو نے اپنی رعایا کے لیے روا رکھا ہے؟'' یہ کہہ کر کاوہ محل سے باہر آیا اور لوگوں سے مدد کی درخواست کی۔اس نے بہ آواز بلند کہا''اے بابل کے لوگو! اے مظلومو! تم نے خود کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔تم سب یونہی مارے جاؤ گے۔ہمت پیدا کرو اور ظلم کے خلاف صف آرا ہوجاؤ۔''

کاوہ اس چمڑے کو جو لوہار اپنے کام کے دوران آگ سے بچنے کے لیے لپیٹتے ہیں ایک لکڑی کے سرے سے باندھ کر باہر نکلا۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی۔ ضحاک نے ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا لیکن رعایا اس قدر بدظن ہو چکی تھی کہ کسی نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔

لوگوں نے کاوہ کے بیٹے قارن کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن وہ اس منصب عالی کا اہل نہ تھا۔ انھوں نے ایک ایسے شخص کی تلاش شروع کی جو سرداری کا اہل ہو سکتا تھا۔ اچانک ان کی نظر فریدون پر پڑی۔ اس کے حسن و جمال اور جاہ وجلال کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ تمام لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ فریدون نے کاوہ اور قارن کو اپنے ساتھ لے کر ضحاک کے محل میں داخل ہو گیا اور جیسا کہ ضحاک نے خواب میں دیکھا تھا گائے کے سر جیسے گرز سے اس کا کام تمام کر ڈالا۔

کہتے ہیں کہ ضحاک کو قتل کرنے کے بعد اس نے ضحاک کی چمڑی اتاری اور پھر اسی چمڑی سے باندھ کر اسے ایک کنویں میں پھینک دیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ وہ تقریباً 999 سال تک سریر آرائے سلطنت رہا۔

(129) فریدون کا عہد اور درفش کاویانی

ضحاک کا کام تمام کرنے کے بعد فریدون ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تاجپوشی کا وہ دن ماہ مہر کا پہلا دن تھا۔ اس روز لوگ خوشیاں مناتے اور عیش وطرب کا ماحول گرم ہوتا۔ اس دن کو لوگ 'روز مہر جان' کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ مہر جان جو ضحاک کے ظلم و استبداد کے خوف سے فرار ہو چکا تھا واپس آ گیا تھا۔

فریدون نے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اپنے ممتاز و منتخب اہلکاروں کو اعلیٰ عہدوں سے سرفراز کیا اور ان میں سے ہر ایک کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس نے ایک مضبوط و مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالی اور ظلم و بربریت کی وہ ساری بنیادیں منہدم کر دیں جو ضحاک کے عہد حکومت میں استوار کی گئی تھیں۔ اس نے 'کاوہ' اور 'قارن' کو اپنے دربار میں

بلایا اور انھیں خلعت فاخرہ اور ہیرے وجواہرات سے نوازا۔فریدون کے حسب فرمان چمڑے کا وہ پھٹا ہوا ٹکڑا جسے ' کاوہ' نے لکڑی کے سرے پر باندھا تھا قیمتی لعل و یاقوت سے مزین کیا گیا اور ایک بڑا پرچم بنایا گیا۔اس پرچم کو درفش کاویانی کا نام دیا گیا۔فریدون کے بعد جو بھی تخت شاہی پر متمکن ہوا اس کی زیب و زینت میں اضافہ کرتا گیا اور قیمتی جواہرات کی مدد سے اسے مزید مرصّع کرنے کی کوشش کی۔ایرانی بادشاہ اس پرچم کو عزیز رکھتے اور اپنی فتح وکامرانی کا نشان سمجھتے تھے۔

جنگ قادسیہ کے دوران سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں سے ایک شخص نے اس پرچم کو اپنے قبضے میں لے لیا اور جملہ مال غنیمت کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ان کے حکم سے قیمتی پتھروں کو پرچم سے الگ کیا گیا اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

(130) فریدون کے بیٹے ایرج کا قتل اور منوچہر کا انتقام

فریدون کی تین بیویاں تھیں ۔ان میں سے دو جمشید کی بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام 'ایواز' اور دوسرے کا 'نواز' تھا۔تیسری ضحاک کی بیٹی تھی۔ان تینوں بیویوں کے بطن سے اس کی تین اولاد نرینہ پیدا ہوئی۔ ہر ایک کا برج طالع مختلف تھا۔ بڑے بیٹے کا تعلق برج حمل سے تھا جو کہ سیارہ زحل کا تابع تھا۔ دوسرے بیٹے کا تعلق برج اسد سے تھا جو سیارہ مریخ کا محکوم تھا۔تیسرے بیٹے کا تعلق برج سرطان سے تھا جو چاند کا تابع تھا۔

فریدون نے اپنے بچوں کے نام گھر پر نہیں رکھے۔اس نے طلسماتی طور پر ایک اژدہے کی تخلیق کی اور اپنے لڑکوں کو ان سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ بڑے لڑکے نے راہ فرار اختیار کی اور سلامتی کی راہ پر ہولیا۔فریدون نے اسے 'سلم' کا نام دیا۔ منجھلے نے جنگ کی ٹھانی۔فریدون نے اسے 'تور' کا نام دیا۔سب سے چھوٹے بیٹے نے جو کہ ایوار کے بطن سے تھا اژدہے سے کہا'' کیا تو نہیں جانتا میں کس کا بیٹا ہوں؟ اگر تو نہیں جانتا تو پھر میں تجھے اپنا تعارف پیش کروں گا۔'' یہ کہہ کر وہ حملہ آور ہوا۔اژدہا اس کے حملوں کی تاب نہ لاسکا۔فریدون نے اس کا نام 'ایرج' رکھا۔

جب یہ تینوں شباب کی منزل پر پہنچے اور حکمرانی کے لائق ہو گئے تو فریدون سے ایک فاش غلطی سرزد ہوئی۔ اس نے اپنی وسیع وعریض سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ دریائے روم اور اس کے مغربی علاقے مع مضافات 'سلم' کے سپرد کیے۔ ترکستان وچین و ہند اور اس کے آس پاس کی ریاستیں 'تور' کے تابع قرار پائیں۔ دنیا کا مرکزی خطہ ایرج کے لیے مختص کر دیا۔ الغرض خراسان ،عراق، پارس ، کرمان، اہواز، طبرستان اور بیشتر ممالک تا حد روم و شام اس کے حصے میں آئے۔ مزید برآں، فریدون نے اپنے دیوان اور لشکر کے علاوہ اپنا دارالخلافہ بھی ایرج کے سپرد کیا۔

ملک کی یہ تقسیم بندی 'سلم' اور 'تور' پر گراں گذری۔ یہ دونوں حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ ان کے درمیان یہ طے پایا کہ وہ اپنے والد فریدون کے خلاف صف آرا ہوں اور کسی نہ کسی طرح ایرج کو اکھاڑ پھینکیں۔ اس مقصد کی برآری کے لیے دونوں بھائی ایک دوسرے سے مل گئے اور اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آذر بائجان میں یکجا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد کے پاس ایک سفیر کے ہاتھوں ایک سخت پیغام بھیجا جس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ ایرج کو کسی گوشۂ گمنامی میں بھیج دے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

جب فریدون نے یہ پیغام سنا تو وہ آزردہ خاطر ہوا۔ ایرج کو بلا کر کہا ''اب بہتر یہی ہے کہ تم جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ آج میں زندہ ہوں اور میرے سارے لوگ تمھارے پرچم تلے ہوں گے۔ دشمن ہمارا پرچم دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔'' ایرج نے کہا'' آپ کی باتوں سے میں متفق ہوں لیکن صلح وآشتی کی راہ اپنائی جائے تو بہتر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا فتنہ وفساد سے دور رہے اور عوام ہماری وجہ سے رنج ومصیبت میں گرفتار نہ ہوں۔''

فریدون نے کہا''تمھاری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن میں انھیں خوب جانتا ہوں۔ وہ مہربانی کا جواب سختی سے اور وفا کا جواب جفا سے دینے والے ہیں اور تم ہو کہ صلح وصفائی کی باتیں کرتے ہو۔ اب میں جنگ کیسے کروں؟'' میں ان کے نام ایک خط لکھتا ہوں اور چند دانشوروں کو ان کے پاس بھیجتا ہوں تا کہ دیکھوں خدا کا حکم کیا ہے؟''

فریدون نے ان کے نام ایک خط لکھا اور اپنی توجیہات رکھیں۔ اس خط میں لکھا تھا ''میں ایرج کو تمھارے پاس بھیج رہا ہوں تا کہ تمھاری دیرینہ یادیں تازہ ہوں اور تم ایک

دوسرے کے خیالات واحساسات سے واقف ہوسکو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے پدرانہ حقوق کی پاسداری کرواور بھائی کو بحفاظت میرے پاس لوٹا دو۔''

جب ایرج اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ دو تین دنوں تک وہ اپنی عداوت کو چھپاتے رہے اور مروت و ہمدردی کا اظہار کرتے رہے۔ آخر کار سلم نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور ایرج کو اپنے گھر لے گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ بزم عیش وطرب میں شامل ہوئے اور چند پیالے شراب کے نوش کیے۔ تور بھائی سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ ''تو کس طرح تخت وتاج کا مالک بن بیٹھا جب کہ ہم زندہ ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے تو نے خود کو کیونکر بادشاہت کے لائق سمجھا؟'' ایرج نے جواب دیا'' آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی درخواست تھی اور نہ کوئی کوشش۔ اگر کسی نے کوئی غلطی کی ہے تو وہ ہمارے والد محترم نے کی ہے۔ میری اس میں کوئی خطا نہیں۔ جب آپ خط وکتابت کرنے لگے تو میں تاج وتخت سے دستبردار ہو کر آپ کے پاس آگیا۔ اب جیسا آپ کہیں میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ جہاں بھی کہیں میں چلا جاؤں گا۔''

تور نے کہا'' یہ تو تمھاری مجبوری ہے۔ جب تم ہم سے دور رہوگے تو حکمرانی کی خواہش تمھیں ستاتی رہے گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سنہری کرسی اٹھائی اور اس کے سر پر دے مارا۔ ایرج نے کہا'' خبردار! مجھ جیسے بے گناہ کو قتل نہ کرو اور خدا اور والد کے غضب کو دعوت نہ دو۔'' تور نے اس کی باتوں پر توجہ نہ دی اور اپنے موزے سے ایک خنجر نکال کر اس کا سر تن سے جدا کیا اور قاصد کے ہاتھوں والد کے پاس اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ یہ وہ سر ہے جسے آپ نے تاج کے لائق سمجھا تھا۔ اب میں اس سر کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ آپ اس پر تاج رکھ سکیں۔ اس جرم کے ارتکاب کے بعد وہ واپس ہو گئے۔ ایک ترکستان اور دوسرا روم کی جانب نکل پڑا۔

جب یہ اندوہناک خبر فریدون تک پہنچی اور ایرج کا سر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ تخت سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو آہ وزاری شروع کر دی اور ایک سال تک نالہ وشیون کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں اشکبار رہنے لگیں۔ رعایا اور لشکر ایرج کے غم میں نڈھال ہو گئے۔

فریدون ہمہ وقت تور اور سلم جیسے مجرموں کے لیے بد دعا کرتا رہا۔ رات دن وہ یہی دعا کرتا کہ خدا ایرج کی نسل سے کسی کو پیدا کرے جوان سے اس رنج والم کا انتقام لے۔

جب ایرج کی موت کے غم کا بوجھ ذرا کم ہوا تو فریدون نے کسی کو اس کے حرم کی طرف بھیجا تا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ آیا اس کی طرف سے کوئی خاتون حاملہ ہے یا نہیں۔اسے یہ خبر ملی کہ ماہ آفرید اس کی طرف سے حاملہ ہے۔ پانچ مہینے کے بعد اس کے بطن سے ایک بچہ تولد ہوا۔ اس ضمن میں اختلاف رائے ہے۔ ابومنصور ثعالبی کے مطابق وہ لڑکا منو چہر تھا لیکن فردوسی نے شاہنامہ میں لکھا ہے کہ وہ اولاد نرینہ نہیں بلکہ ایک لڑکی تھی اور اس کا نام ماہ آفرید تھا۔ جب وہ جوان ہوئی تو فریدون نے اسے اپنے بھتیجے کے حوالے کیا جس کا نام' سنک' تھا۔ بہر کیف جب اس بچے کو فریدون کے حضور پیش کیا گیا تو اس نے اس کا نام منوچہر رکھا یعنی ''میرے چہرے جیسا'' کیونکہ بچے کا چہرہ فریدون کے چہرے سے مشابہ تھا۔

کہتے ہیں کہ روتے روتے فریدون کی قوت بینائی جاتی رہی تھی۔منو چہر کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اس نے اس کی تربیت کا خاص خیال رکھا۔ اس نے بہت جلد سارے ہنر سیکھ لیے۔شجاعت و مردانگی، ہمت و مروت اور سیادت و مرحمت کی ساری خصلتیں اس میں جمع ہوگئیں۔فریدون نے اسے اپنا ولی عہد نامزد کیا۔جب یہ اطلاع تور اور سلم کو ملی تو ان کے درمیان خط و کتابت کا آغاز ہوا۔وہ ایک دوسرے سے آذربائیجان میں ملے۔انھوں نے پھر مکر وحیلہ کا سہارا لیا اور فریدون کے دربار میں اپنے قاصد کے ذریعہ تحفے تحائف ارسال کیے۔ خط میں یہ لکھا'' جو کچھ کہ واقع ہوا، وہ مشیت ایزدی تھی۔ اب ہم اپنے کیے پہ نادم ہیں۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے حضور اپنا عذر پیش کریں اور مال وزر نثار کریں تا کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں اور ہمیں روز قیامت کی سختی سے نجات ملے۔''

جب فریدون نے اس پیغام کو پڑھا تو قاصد سے مخاطب ہوکر کہا'' کیا میرے جیسا انسان اپنے بیٹے کے خون کو چند سکوں کے عوض بیچے گا؟ اگر مجھے لوگوں کے طعن وتشنیع کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں تمھیں خاک وخون میں ڈبو دیتا۔خدا کا شکر ہے کہ آج ایرج کی نسل سے

منوچہر نامی ایک فرزند دنیا میں آچکا ہے جو شیر کے مانند نڈر اور بہادر ہے۔ بہت جلد وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوگا اور اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے گا۔''

قاصد نے یہ خبر تور اور سلم کو پہنچائی۔ وہ انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ انھوں نے یہ طے کیا کہ قبل اس کے کہ ان پر حملہ ہو، وہ دشمن پر یلغار کریں۔ وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ فریدون کے دارالخلافہ کی طرف چل پڑے۔ منوچہر بھی اپنے جری و بہادر سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ دونوں طرف صف بندی شروع ہوگئی اور جنگ کا آغاز ہوا۔

چند دنوں تک جنگ و جدال کا بازار گرم رہا اور میدان جنگ خون انسانی سے سرخ ہوگیا۔ رات کے وقت منوچہر کے جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ دشمن شب خون کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فوراً منوچہر نے لشکر کو دو دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ قارن کے سپرد کیا تا کہ جنگ کے لیے تیار رہے اور خود ایک دستہ کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جب تور حملہ کی غرض سے وہاں پہنچا تو ان کو مستعد پایا۔ لوٹنا ممکن نہ تھا۔ مجبوراً جنگ کی ٹھانی۔ کئی گھنٹوں تک جنگ جاری رہی لیکن تور کو شکست کھا کر واپس لوٹنا پڑا۔

دوسری طرف سے منوچہر اپنی کمین گاہ سے باہر آیا اور ایک گھنٹے کے اندر دشمن کی ساری فوج کو خس و خاشاک کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔ اسی رات منوچہر نے آواز لگائی ''کہاں جا رہے ہو؟ تاج وتخت کی طلب میں یہاں آئے ہو۔ ذرا صبر کرو تا کہ تمھارے سر کو تاج لعل کے مانند سرخ کردوں۔''

رات کی تاریکی میں اس نے تور پر اپنی تلوار سے حملہ کیا۔ تور اپنے گھوڑے سے زمین پر آرہا۔ وہ بھی گھوڑے سے اترا اور ٹھیک اسی طرح اس کا سر قلم کیا جس طرح اس نے ایرج کا سرتن سے جدا کیا تھا۔ اس کے سر کو فریدون کے پاس بھیج دیا اور ساری تفصیل ایک خط میں بیان کردی۔ جب بھائی کی موت کی خبر سلم کو ملی تو تعزیت کے لیے سامنے آیا۔ منوچہر نے اسے مہلت دی۔

سلم نے اب' کاکویۂ سے مدد مانگی جو ضحاک کی اولاد میں سے تھا اور لوگ اکثر بہادری اور عدل کے حوالے سے اس کی مثال پیش کیا کرتے تھے۔ کاکویہ کے آنے کے بعد جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ صف بندی کی گئی اور جنگ کا بگل بج اٹھا۔ پہلے دن منوچہر کا مقابلہ

کاکویہ سے ہوا۔ دونوں کئی گھنٹوں تک لڑتے رہے۔آخر کار منوچہر نے کاکویہ کو زمین پر پٹخ دیا اور قتل کرڈالا۔سلم کے لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔منوچہر نے ان کا پیچھا کیا اور سلم تک پہنچ گیا۔منوچہر اس کے قریب ہی تھا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ منوچہر نے فوراً اس کا سر تن سے جدا کیا اور فریدون کی خدمت میں ارسال کیا۔

اس جنگ کے بعد سارا عالم فریدون کے زیرنگیں ہوگیااور تمام سرکشوں اور باغیوں کے سر تسلیم خم ہوگئے۔اس نے تقریباً 500 سال کی حیات طبیعی کے بعد دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کیا۔

(131) زال اور رودابہ کے عشق کی داستان

جب منوچہر کی حکمرانی مضبوط و مستحکم ہوگئی تو اس نے امور سلطنت کی ساری ذمہ داری سام نریمان کے کاندھوں پر رکھی۔لوگ اسے پہلوان کہتے تھے اور بہادری و مردانگی میں کوئی اس کا نظیر نہ تھا۔نیم روز، زاولستان، کابل اور ہندوستان کی ریاستیں اس کے حدود سلطنت میں شامل تھیں۔ وہ وقتاً فوقتاً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، شرط بندگی بجا لاتا ، پھر واپس چلا جاتا اور اپنی رعایا کی خدمت میں لگ جاتا۔اس کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ خداوند تعالیٰ اسے ایک فرزند عنایت کرے جو اس کی موت کے بعد اس کا جانشین ہو۔

حسن اتفاق، خدا نے اسے ایک بچہ عطا کیا لیکن اس کے سر کے بال یہاں تک کہ پلکیں اور بھوئیں بھی سفید تھیں۔ اس سے قبل اس طرح کا کوئی بھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ سام بڑا مغموم رہنے لگا۔اسے اس بات کا اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ بات لوگوں کے درمیان نہ چلی جائے۔اسی خوف کے سبب وہ اس بچے کو شہر سے دور ایک پہاڑ پر رکھ آیا۔بعض ایرانی یہ کہتے ہیں کہ یہ بات عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ چونکہ یہ واقعہ مشہور ہے اور شاہنامہ اور دیگر کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔اس واقعہ سے انکار بھی ممکن نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک سیمرغ اس بچے کو اٹھا کر اپنے آشیانے میں لے گیااور اپنے بچوں کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ جب وہ سات سال کا ہوا تو سام نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ تمھارا بچہ زندہ ہے اور فلاں مقام پہ ہے۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اس

کی جستجو میں لگ گیا۔ وہ اس جگہ پہنچا جہاں خواب کے ذریعہ نشاندہی کی گئی تھی۔ سیمرغ سمجھ گیا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ اس نے اس لڑکے کو باپ کے حوالے کیا اور اپنے جسم کے چند بال و پر اسے دیے اور کہا ''جب تمھیں افسردگی و پریشانی کا سامنا ہو تو اس پر کو جلا دینا۔ میں فوراً تمھاری مدد کو آجاؤں گا اور اپنی دوستی کا حق ادا کروں گا۔''

سام نے اس کا نام زال رکھا اور اپنے اہل خانہ کے درمیان لے آیا۔ ایک قلیل عرصہ ہی گذرا تھا کہ اس کے چہرے سے متانت و بزرگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اس کی جوانمردی و ہوشمندی کے چرچے عام ہونے لگے۔ منوچہر کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے سام کو مبارک بادی کا پیغام بھیجا اور کہا ''جب کبھی تم میرے پاس آنا تو اپنے بیٹے کو ضرور ساتھ لیتے آنا تا کہ میں بھی اسے دیکھوں اور وہ میری تربیت سے مستفیض ہو۔''

چند دنوں بعد سام نے منوچہر کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا اور زال کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ جب سام اپنے جواں سال بیٹے زال کے ساتھ تخت کے نزدیک پہنچا تو زال آداب کورنش بجالایا۔ منوچہر کو اس کے خد و خال، تناسب اعضا اور فصاحت بیان پر تعجب ہوا۔ منوچہر نے نجومیوں سے کہا کہ اس کی جنم کنڈلی کا مطالعہ کریں اور اسے صحیح حالات سے باخبر کریں۔ نجومی حضرات ایک گوشے میں بیٹھ کر ستاروں کا حال دریافت کرنے لگے اور اس نتیجے پہ پہنچے کہ یہ لڑکا عجیب وغریب قسمت کا مالک ہے اور اس کی اولاد جان کی قربانی پیش کرے گی اور عظیم کارنامے انجام دے گی۔

سام، زال کے ساتھ واپس ہوا اور اپنی ریاست میں پہنچا۔ چند دنوں کے بعد سام کو ہندوستان کی جانب سفر کا اتفاق ہوا۔ اس نے زال کو اپنا نائب بنایا، ریاست کا نظم ونسق اس کے حوالے کیا، رعایا کی بھلائی اور عدل گستری کی تلقین کی اور خدا حافظ کہا۔ سام کے جانے کے بعد زال بیشتر اوقات انتظامی امور کی دیکھ ریکھ کے بجائے شراب وشکار میں گزارنے لگا۔

بہار کا موسم تھا۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ موسم بھی انتہائی خوشگوار اور روح پرور تھا۔ زال نے شکار کا ارادہ کیا۔ شکار میں وہ ایسا کھویا کہ نیم روز کے حدود کو عبور کر کے کابل کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ یہ علاقہ مہراب کے قبضے میں تھا جو سام کا باج گزار تھا۔ جب

اس نے زال کے آمد کی خبر سنی تو اس کے استقبال کو آیا اور درخواست کی کہ وہ اس کے گھر مہمانی کی خاطر تشریف لائے تا کہ اس کے ساتھ ہم طعامی کا شرف حاصل ہو۔

زال نے کہا''تمھارے خاندان کی بزرگی کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں اور دعوت دینا تو اشراف کی عادت ٹھہری لیکن تم میرے مذہب پر نہیں ہو۔ اگر میں تمھارے گھر گیا تو اپنے اعزا واقربا کے درمیان معتوب ومردود قرار پاؤں گا۔ لہٰذا تم میری معذرت قبول کرو۔''

مہراب بت پرست تھا اور سام اور زال یزدان پرست۔ زال کی شیریں کلامی سے حد درجہ متاثر ہوکر اس نے اس کا یہ عذر قبول کرلیا۔ گھر آ کر اس نے اپنی بیوی، سین دخت سے زال کے صفات بیان کیے۔

مہراب کی بیوی سین دخت انتہائی ذہین اور ہوشمند تھی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکی تھی جس کا نام رودابہ تھا۔ وہ بلا کی حسین وجمیل تھی۔ وہ جب ہنستی تو اس کے لبوں پر چاند کا نقشہ ابھر آتا۔ اس کے گال پر ایک تل بھی تھا جو اس کے حسن کو دوبالا کر دیتا تھا۔ جب اسے اپنے باپ کی زبانی زال کی مردانہ وجاہت اور عادات واطوار کا پتہ چلا تو وہ اس پر عاشق ہوگئی اور ملنے کے لیے بے قرار ہو اٹھی۔ اس نے اپنے محبوب سے ملاقات کا منصوبہ بنایا اور اپنی پانچ خادماؤں کو بلا بھیجا۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے دل کی بات کسی طرح اپنے معشوق تک پہنچادے۔

اس مقصد کے پیش نظر وہ پانچ کنیزیں پھول چننے کے بہانے اس دریا کے کنارے پہنچیں جہاں زال کا لشکر خیمہ زن تھا۔ وہ پھول چنتی جاتی تھیں اور رودابہ کے حسن وجمال کو بیان کرتی جاتی تھیں۔

زال نے ان سے پوچھا''تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا''ہم مہراب کی بیٹی رودابہ کی کنیزیں ہیں۔ رودابہ کی خوبصورتی کا کیا کہنا، حسین سروقد، کمان جیسے ابرو، لعل جیسے ہونٹ، ناز وادا سے مملو جنگ پہ آمادہ زلفیں، بدمست آنکھیں۔'' انھوں نے رودابہ کے حسن وجمال کا بیان کچھ ایسے لطیف پیرایہ میں کیا کہ وہ بے قرار ہو اٹھا اور اس مہ وش کو اپنا دل دے بیٹھا۔ وہ کہنے لگا''تم فوراً کوئی تدبیر کرو۔ میں اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس خدمت کے عوض میں تمھیں بیش بہا انعام سے نوازوں گا۔'' کنیزوں نے بھی حامی بھر لی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ وصل کی کوئی راہ ضرور ڈھونڈھ نکالیں گی۔

وہ سب کی سب رودابہ کے پاس گئیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ رودابہ نے اپنے محل میں ایک خلوت خانہ آراستہ کیا۔ جیسے ہی تاریکی چھائی اور آسمان پر ستارے جھلملائے زال ان کنیزوں کے ہمراہ محل کے اندر آیا اور خفیہ دروازے سے حرم میں داخل ہوا۔ جیسے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، جذبۂ عشق سے سرشار ہوکر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوگئے۔ ساری رات کیف وسرور میں ڈوبے رہے۔ جب صبح ہوئی تو وہ دونوں ایک دوجے سے جدا ہوگئے لیکن اپنا اپنا دل ایک دوسرے کو دے بیٹھے۔

زال بڑی تندی کے ساتھ اپنی ریاست زاول پہنچا اور اپنے باپ، سام کو ایک مکتوب لکھا جو اس وقت ہندوستان میں مقیم تھا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ ''میری آنکھوں سے ایک گناہ سرزد ہوگیا ہے۔ میری عقل دامِ عشق میں گرفتار ہوچکی ہے۔ اب آنکھوں میں نیند کی جگہ آنسو ہی آنسو ہیں۔ آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سہارا نہ دیں گے تو میں برباد ہوجاؤں گا۔'' اس نے یہ مکتوب اپنے قاصد کے حوالے کیا تاکہ وہ ہندوستان جاکر اسے سام کی خدمت میں پیش کرے۔ جب سام نے یہ مکتوب پڑھا تو بہت رنجیدہ ہوا اور کہا ''سیمرغ کے پروردہ سے ایسی آنکھوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

سام نے دانشوروں اور منجموں کو بلایا اور انھیں صورت حال سے مطلع کیا۔ انھوں نے کہا ''یہ تو ہر حال میں ہوکر رہے گا اور آپ کا خسر ہونا آپ کی سربلندی کا سبب ہوگا۔ اس دوشیزہ کے بطن سے زال کے ایک بچہ ہوگا جو دنیا کا ایک عظیم پہلوان ہوگا۔ اس کی ذہانت و مردانگی سارے عالم پر ظاہر ہوگی۔

سام اس خوشخبری سے خوش ہوا اور بیٹے کے خط کا جواب یوں دیا ''تمھارے جیسے ہوشمند اور دانا سے جو خود پر قابو رکھتا ہے اس بات کی امید نہیں تھی۔ اگرچہ یہ فعل بدنامی ودشمنی کا موجب ہے لیکن میں صرف تمھاری رضا کی خاطر بادشاہ منوچہر سے رجوع کروں گا تاکہ وہ اس بات کی اجازت دے دے۔''

الغرض سام نہروالہ و تیر و مکران سے گذرتا ہوا طبرستان پہنچا۔ ادھر منوچہر زال اور رودابہ کے عشق کی داستان سے آگاہ ہوچکا تھا۔ وہ تاڑ گیا کہ سام اس سلسلے میں اجازت طلب کرنے کے

لیے آ رہا ہے ۔سام کی عزت و توقیر کی خاطر اپنے بیٹے اور ولی عہد نوذر کو استقبال کے لیے بھیجا اور خود اس کا منتظر رہا۔نوذر نے بڑھ کر سام کا خیر مقدم کیا۔ دونوں منوچہر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔منوچہر نے اس کی شایان شان تعظیم کی اور ایک سنہری کرسی پر بٹھایا۔

جب سام نے یہ سنا کہ منوچہر، زال و رودابہ کے اس قضیہ سے باخبر ہو چکا ہے اور اس رشتہ کو ناپسندیدہ قرار دے چکا ہے تو اس نے خاموشی اختیار کی اور اس ضمن میں بادشاہ سے کچھ نہ کہا۔منوچہر کے محل میں چالیس روز کے قیام کے بعد اس نے واپسی کی اجازت چاہی۔ لوٹتے وقت منوچہر نے سام سے کہا''جب تم زاول پہنچو تو کابل پر حملہ بول دو اور مہراب کو اکھاڑ پھینکو کیونکہ وہ ضحاک کے خاندان سے ہے۔ایسا نہ ہو کہ فتنہ بڑھتا ہی جائے۔''سام نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل کرے گا۔''

دوسری جانب زال نے رودابہ کے نام ایک خط لکھا جس میں سوز فراق اور جوش اشتیاق کا بیان تھا۔ خط کے ساتھ اس نے فیروزہ سے مزین ایک انگوٹھی بھیجی اور لکھا''یہ میری نشانی ہے۔ جب بھی تم اس انگوٹھی کو دیکھو تو میرے دل کی تنگی کا احساس کرو جو تمھاری جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے اور یقین جانو کہ میری ہر چیز اس انگوٹھی کی طرح نیلی پڑ چکی ہے۔''اس نے اپنے خط میں مزید یہ لکھا کہ''میں نے اپنے حال زار کی اطلاع اپنے والد کو دے دی ہے۔انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بادشاہ کو ہماری شادی کے لیے راضی کر لیں گے۔جلد ہی ہم جدائی کے رنج سے آزاد ہو جائیں گے۔''

رودابہ نے اس خط کو پڑھا اور فوراً جواب تحریر کیا۔لعل سے مزین انگوٹھی بھیجی اور پیغام دیا کہ''میرے دل کی آگ اس انگوٹھی سے عیاں ہے۔میرے اشکوں نے خون جگر کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو اس لعل کے مانند ہے۔ اب دنیا تمھارے بغیر اس انگوٹھی سے بھی زیادہ تنگ نظر آتی ہے۔تمھارا خط ملتے ہی امید کی کرن پھوٹی۔میں نے انگوٹھی کو گلے لگا لیا اور مجھے یکبارگی تمھارے ساتھ معانقہ کی لذت نصیب ہوئی۔امید ہے کہ میں بھی بہت جلد تمھارے گلے لگ جاؤں گی۔''

رودابہ کے محل میں ایک بوڑھی عورت تھی جو ہمیشہ خطوط اور دوسری نشانیاں لاتی اور لے جاتی تھی۔ ایک دن وہ بڑھیا جب زال کے لیے رودابہ کی انگوٹھی لے جا رہی تھی ،سین دخت

نے اسے دیکھ لیااور پوچھا’’اس سے قبل تو تم میرے محل میں سال میں صرف دو بار آیا کرتی تھی۔ اب بار بار آتی ہو اور رودابہ سے ملتی رہتی ہو! آخر ماجرا کیا ہے؟‘‘ بڑھیا نے ہزار بہانے تراشے لیکن سین دخت کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے اس کے کپڑے پھاڑ دیے۔ ایک انگوٹھی اور رودابہ کا تحریر کردہ ایک خط نکل آیا۔ سین دخت فوراً مضمون بھانپ گئی۔ رودابہ کے پاس گئی اور کہا’’اے بدکار، بے شرم! تو نے یہ کیا کیا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے خاندان میں ایسی بدکار لڑکی کا جنم ہو؟ یہ کیسی خوبصورتی ہے جو فضیحت ورسوائی کا سبب بن رہی ہے؟‘‘

رودابہ یہ سن کر رو پڑی اور اس کے آنسو ماں کے قدموں پہ گر پڑے۔ وہ کہنے لگی’’امی جان! کاش آپ نے مجھے جنم ہی نہ دیا ہوتا۔ اگر جنم دیا بھی تھا تو مجھے موت بھی دے دیتیں تا کہ میں اس بلا سے دوچار نہ ہوتی۔ اب یہ بلا آ ہی گئی ہے تو آپ میری پردہ داری فرمائیں اور ابا جان سے ہرگز نہ کہیں۔ وہ غیور انسان ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی آتش غیرت بھڑک اٹھے اور میں برباد ہو جاؤں۔ آپ میری جدائی کا غم برداشت نہ کر پائیں گی۔ اب میری آزادی بہت نزدیک ہے۔ سام اس شادی کی اجازت کی خاطر بادشاہ منوچہر کے پاس گئے ہیں۔ اب جلد ہی کوئی راستہ نکل آئے گا، ناکامی کی صورت میں ابا جان کے خنجر سے ہلاک ہو جانا زال کی جدائی سے بہتر ہوگا۔‘‘

سین دخت کافی پریشان و مضمحل واپس ہوئی۔ وہ اسی فکر میں مبتلا تھی کہ انجام کار کیا ہونے والا ہے۔ اچانک مہراب پر نظر پڑی اور وہ اور بھی پریشان ہو گئی۔ مہراب نے اس سے پوچھا’’آخر اس فکر و تردد کی وجہ کیا ہے؟‘‘ سین دخت نے تو شروع میں بہانے تراشے لیکن بادشاہ کی سختی کے آگے وہ پگھل گئی اور ساری باتیں صاف صاف کہہ ڈالیں۔

مہراب کو جب حقیقت حال کا انکشاف ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا’’چلو میں اسی وقت اس کا کام تمام کرتا ہوں۔‘‘ سین دخت نے کہا’’آہستہ بولو اور تلوار نیام میں رکھو، جلدی مت کرو ایسا نہ ہو کہ بعد میں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔ خدا کا فیصلہ اٹل ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ بادشاہ منوچہر کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہوگا اور پھر زال جیسا داماد نصیب ہو تو یہ ہمارے لیے شرف کی بات ہوگی۔‘‘

مہراب نے کہا''ایسا نہ ہو کہ منوچہر یہ گمان کرے کہ ہم نے زال سے مدد طلب کی ہے۔ اگر میں رودابہ کو قتل کر دیتا ہوں تو منوچہر مجھ سے خوش ہوگا اور یہ سمجھے گا کہ اس معاملہ میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں۔''سین دخت نے کہا''قتل کرنا تو آسان ہے لیکن مقتول کو زندہ کرنا ہماری قوت سے باہر ہے۔''مہراب یہ سنکر خاموش ہوگیا اور قتل سے باز آیا۔

ایک مدت کے بعد سام، منوچہر کے دربار سے واپس لوٹا۔ زال نے اپنے باپ سام کا استقبال کیا۔ شفقت پدری میں طغیانی آئی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا کر اس کا حال دریافت کیا۔ زال نے کہا''آپ ایسے شخص کا حال پوچھ رہے ہیں جو عشق میں اپنا سارا صبر وقرار کھو چکا ہے۔ اسے کسی پل سکون حاصل نہیں۔''سام کو اس کے حال پر ترس آیا۔ وہ کہنے لگا''فکر مت کرو۔ میں جہاں پناہ کو خط لکھتا ہوں۔تم خود جا کر انھیں یہ خط پیش کرو۔ شاید میری عزت اور تمھاری صورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ تمھیں اجازت دے دے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ۔'' پھر سام نے منوچہر کے نام ایک خط لکھا اور اس کے سپرد کیا۔ زال اپنے گھوڑے 'بادپا' پر سوار، ہوا سے باتیں کرتا ہوا منوچہر کے دربار میں پہنچا۔ فوراً کورنش بجا لایا اور سام کا خط بادشاہ کے حوالے کیا۔ پھر اجازت طلب کی اور واپس لوٹ آیا۔

ادھر جب مہراب کو سام کی آمد کی خبر موصول ہوئی اور یہ بھی اطلاع ملی کہ منوچہر نے سام کو یورش کا حکم دیا ہے تو وہ گھبرا گیا۔ وہ سین دخت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا''کیا میں نے تجھے یہ نہیں کہا تھا کہ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس لڑکی کو قتل کر دیں؟ اگر سام اس طرف آتا ہے تو ہماری جان بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔''سین دخت نے کہا''اگر آپ حکم دیں تو میں کوئی راستہ نکال سکتی ہوں۔''مہراب نے کہا''جو بھی کرنا ہے کرو لیکن انجام بہتر ہونا چاہیے۔''

جب سین دخت کو یہ خبر ملی کہ سام زاولستان پہنچ چکا ہے تو اس نے اپنے اعلیٰ افسروں اور سرداروں کو اس کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ وہ بنفس نفیس زاولستان پہنچی اور سام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ قیمتی تحفے تحائف پیش کیے۔ تحائف کے درمیان لعل سے مزین ایک انگوٹھی تھی جس کی چمک سے رات بھی دن کی طرح روشن ہوجاتی تھی۔ سام نے خود اس انگوٹھی کو اپنی انگلی میں ڈال لیا اور بقیہ سامان زال کے سرائے میں بھیجنے کا حکم دیا۔ پھر سین دخت

کی جانب متوجہ ہوا اوردریافت کیا"تمھارے آنے کا سبب کیا ہے؟"سین دخت نے کہا" آپ میرے حال سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ مجھے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

سام اس کے لب ولہجہ سے کافی متاثر ہوا اوراس کی تعریف میں رطب اللسان ہوا۔ پھر کہنے لگا" آپ جمع خاطر رکھیں ۔میں نے زال کے ہاتھوں بادشاہ منوچہر کو خط ارسال کردیا ہے۔امید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب لوٹے گا۔"

سین دخت نے چند دنوں کے قیام کے بعد اجازت چاہی۔سام نے اسے بیش قیمت پوشاک اور ریشمی کپڑے عنایت کیے اور مہراب کے لیے بھی تحائف بھیجے۔سین دخت کے جانے کے چند روز بعد زال کامیاب وکامران لوٹا اور مہراب کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی۔اس نے یہ بھی لکھا کہ وہ بہت جلد سین دخت کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کرے گا۔

چند دنوں کے بعد سام اپنے والد زال کے ساتھ زاول سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں ملکوں میں جشن کا ماحول تھا۔کابل پہنچنے پر مہراب نے ان کا شایان شان استقبال کیا اور اپنے محل میں پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔

سام نے کہا"میری خواہش ہے کہ میں آپ کی بیٹی کو دیکھوں تا کہ میری آنکھیں روشن ہوں۔ مہراب نے ایک تخت پر رودابہ کو بٹھایا اور سام کو اس کے نزدیک لے گیا۔جب سام نے اس پری پیکر کو دیکھا تو ششدر رہ گیا۔زال سے کہنے لگا"تیری قسمت میں ایسی حسین دوشیزہ لکھ دی گئی ہے۔"

مہراب نے نکاح وضیافت کا اہتمام کیا۔عیش وطرب کی محفلیں برپا ہوئیں اور عاشق ومعشوق ایک دوسرے سے ہمکنار ہوئے۔سام خوش وخرم ہندوستان کی طرف واپس ہوا اور زال رودابہ کو لے کر زاول آ گیا۔

(132) رستم کی پیدائش اور منوچہر کی موت

ایک مدت کے بعد رودابہ کے بطن سے زال کے گھر ایک چاند سا بچہ تولد ہوا۔اس کا نام رستم رکھا گیا۔اس کی تربیت شروع ہوئی۔اس کے چہرے سے بزرگی اور مردانگی کے آثار نمایاں تھے۔ابھی رستم نے جوانی کے زینے پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک دن سام ہندوستان سے

سیدھے سیستان پہنچا۔ پوتے پہ نظر پڑی تو اس کی ساری کلفت و پریشانی جاتی رہی۔ اس نے کہا'' آسمان پر چاند نمودار ہوگیا ہے تو یہ جان لو کہ سورج کے غروب ہونے کا وقت آگیا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے لڑکے اور پوتے کو وداع کہا اور ہندوستان لوٹ گیا۔

جب منوچہر کے دور حکومت کے ایک سو بیس 120 سال گذر گئے تو بیشتر علاقوں میں انتشار و افراتفری پھیل گئی۔ ملک کا نظم ونسق چرمرانے لگا۔ ان حالات میں منوچہر نے اپنے بیٹے نوذر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اس کے بعد وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوا اور آخر الامر اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

نوذر کے دور حکومت میں بے شمار فتنوں نے سر اٹھائے۔ افراسیاب کی بغاوت کا واقعہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ مورخین کے درمیان اس بات پر اختلاف رائے ہے کہ آیا اس نے چتر شاہی ایران سے لی تھی یا نہیں۔

(133) نوذر کا عہد اور سام کا کردار

منوچہر کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا نوذر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ فتنہ وفساد کا بازار گرم تھا۔ افراسیاب نے علم بغاوت بلند کیا اور اس کی قوت وعظمت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ ادھر ایرانی فوجیوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ نوذر کے بیشتر پہلوان جو کل تک اس کے دربار سے منسلک تھے پیٹھ دکھانے لگے۔

حالات سے تنگ آکر نوذر نے سام سے مدد کی درخواست کی۔ چونکہ وہ منوچہر کا نمک خوار تھا نوذر کی مدد کے لیے فوراً آمادہ ہوگیا۔ جب سام کے آمد کی خبر نوذر کو ملی تو اس کے ایما پر اس کے لشکر نے سام کا شاندار استقبال کیا۔ سام نے سپاہیوں سے کہا'' تم کیوں بادشاہ کی مخالفت کرتے ہو؟''

فوجی سرداروں نے سام سے نوذر کی شکایت کی اور اس کی بری عادتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔ انھوں کہا'' وہ اپنے فرائض صحیح ڈھنگ سے انجام نہیں دیتا، کم رتبہ لوگوں کو عزت دیتا ہے اور بزرگوں کو ذلیل کرتا ہے۔ مصلحت و دوراندیشی سے کام نہیں لیتا۔ ہم تو صرف اس کے

باپ کی خاطر اس کے حکموں کی تعمیل کرتے ہیں ورنہ وہ بادشاہت کے لائق ہی نہیں۔ ہم سب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں اور حکومت کا تاج آپ کے سر پر رکھیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ نوذر کو کسی خوشگوار مقام پر بھیج دیں۔ جو بھی اس کی خدمت کے لیے آمادہ ہو، اسے اس کی خدمت پر مامور کریں تا کہ وہ خوش وخرم زندگی بسر کر سکے۔ یہ ملک آپ کے زیرِنگرانی سلامت رہے گا، افراسیاب کامیاب نہ ہوگا اور ہمارے بچے اور عورتیں گرفتار نہ کی جائیں گی۔''

سام نے جب یہ باتیں سنیں تو کبیدہ خاطر ہوا اور کہا ''جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ ہم اس کی برائیوں کی نشاندہی کریں، تجربہ کار مشیر مقرر کریں، محبت و نصیحت کے ذریعہ اس کی رہنمائی کریں یہاں تک کہ خدائے عز وجل اس کی ہدایت فرمائے۔''

اس گفتگو کے بعد سام نوذر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نوذر نہایت ہی عزت واحترام سے پیش آیا اور اپنے تخت پر بٹھایا۔ چونکہ سام کی حشمت وجلال کا سایہ اس کے سر پر تھا اس کا کام آسان ہو گیا۔ فتنے فرو ہوئے اور امورِ سلطنت مستحکم ہو گئے۔

نزدیک تھا کہ منوچہر وفریدون کا شاندار ماضی واپس لوٹ آتا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ اچانک سام کو سیستان کے تعلق سے پریشانی لاحق ہوگئی اور وہ اجازت لے کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ملک کا نظم ونسق ڈھیلا پڑ گیا اور نوذر کی حکومت رو بہ زوال ہونے لگی۔ موقع پاتے ہی افراسیاب ایک لشکر جرار کے ساتھ حملہ آور ہوا اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

(134) افراسیاب اور نوذر کے درمیان جنگ

جب منوچہر کی وفات کی خبر ترکستان پہنچی تو اس وقت وہاں پشنگ کی حکومت قائم تھی جو فریدون کے بیٹے 'تور' کا پوتا تھا۔ پشنگ کے تین بیٹے تھے اور ان تینوں میں افراسیاب سب سے زیادہ ہوشیار اور طاقت ور تھا۔ بہادری، تدبر اور ہوشمندی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ پشنگ نے اپنے امرا وزرا کو بلایا جن میں شیرویہ، کرسیوز اور بارمان قابل ذکر ہیں۔

پشنگ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا ''آپ سب جانتے ہیں کہ فریدون اور منوچہر نے میرے آبا واجداد اور آپ کے بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ترکستان کے کتنے

سارے سرداراس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ہیں۔ کتنے مال واسباب ضائع ہوئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس ظلم کی ابتدا ہمارے دادا فریدون نے کی تھی۔ انھوں نے ہمارے باپ کی بزرگی کا بھی کوئی خیال نہ کیا۔ چھوٹے بھائی ایرج کو ان پر فوقیت دی اور اسے اپنے خزینوں اور دفینوں کا مالک بنایا۔ اپنی سلطنت کا منتخب حصہ اس کی ملکیت میں دیا۔ اپنی سلطنت کا مشرقی ومغربی حصہ دو بھائیوں کے سپرد کر دیا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان سے ان کی بے انصافیوں کا انتقام لیں۔ اگر ہم اب بھی اپنے باپ دادا کے خون کا بدلہ نہیں لیتے ہیں تو ہم ناخلف کہلائیں گے۔ میں نے اپنی اولاد اور سارے خزانے اس کام کے لیے وقف کر دیے ہیں۔ اب آپ سب میرا ساتھ دیں اور ہم ایک دل، ایک زبان بن جائیں۔''

سبھی سرنگوں ہوئے اور زمیں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا ''جب تک جان میں جان ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کا اشارہ اور ہمارا سر، آپ کا حکم اور ہماری گردن!''

اس کے بعد افراسیاب نے اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا ''سنو، ملک کی مثال ایک شخص کی سی ہے اور امرا کی یہ جماعت اس کے اعضا کے مانند ہیں۔ ان سب کو ایک دوسرے سے متحد و مربوط ہونا چاہیے تا کہ ملک مضبوط و مستحکم رہے۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم آپس میں متحد رہنا۔ جنگ ہو تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا لیکن مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر دوسروں کو ترجیح دینا۔''

افراسیاب کے بھائی اغریوث نے بھی اپنی اطاعت و بندگی کا برملا اظہار کیا اور کہا ''نصیحت کرنا تو آپ کی شفقت کی دلیل ہے۔ ہمارا کام تو ان نصیحتوں پر عمل کرنا ہے۔ میرے خیال میں ایران کی سرزمین پر صرف ایک شخص منوچہر ہی کم ہوا ہے لیکن بہت سارے جانباز اب بھی بقید حیات ہیں۔''

افراسیاب نے کہا ''تم منوچہر کو صرف ایک شخص سے نہ تعبیر کرو۔ وہ عظمت و طاقت کا ایک منارہ تھا۔ آج ایرانی لشکر اس کے بغیر ایک بے جان جسم کی مانند ہے۔'' اغریوث نے سر تسلیم خم کیا اور کہا ''آپ حاکم ہیں۔ آپ کے ایک اشارے پر میری جان قربان ہے۔''

جب موسم سرما کی شدت کم ہوئی اور موسم بہار آیا تو افراسیاب نے بلخ کی جانب لشکرکشی کی اور وہاں سے طبرستان کی طرف کوچ کیا۔ جب نوذر کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی طبرستان

سے دہستان کی طرف چل پڑا۔ دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ صف بندی شروع ہوگئی۔ جنگ کے پہلے دن ترک لشکر سے بارمان نامی پہلوان میدان میں آیا اور مقابلہ کے لیے للکارا۔ قارن کا باپ قباد مقابلہ کے لیے آگے بڑھا۔اس نے سارے پینترے اپنائے لیکن مارا گیا۔اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے قارن نے سپاہیوں کو جمع کیا اور حملہ بول دیا۔ جنگ کی تباہ کاریاں اپنے شباب پر تھیں۔ دونوں جانب کے سپاہی کٹتے اور مرتے رہے اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

شام کا دھندلکا چھانے لگا اور دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوئے۔نوذر نے جب اپنی کمزوری اور ترکوں کی قوت دیکھی تو یہ فیصلہ کیا کہ اس کے لشکر کے سارے ہتھیار اور دوسرے ساز و سامان قلعۂ پارس کے اندر لے جائے جائیں۔ اس مہم کے لیے اس نے قارن کو نامزد کیا۔اشارہ پاتے ہی قارن نے اپنا کام شروع کر دیا۔

افراسیاب کو جب اس صورت حال کی خبر ملی تو اس نے شیرویہ کو نوذر کے لشکر کے تعاقب میں بھیجا تاکہ وہ سارے جنگی ساز و سامان کو اپنے قبضہ میں کر لے۔ جب نوذر کے سرداروں نے یہ بات سنی کہ افراسیاب کا ایک فوجی دستہ اپنے اسلحوں کے ساتھ ان کے پیچھے آرہا ہے تو وہ اپنی ذلت و رسوائی سے گھبرائے اور نوذر سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور آفت سے محفوظ رہیں۔ انھوں نے نوذر کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک وہ واپس نہیں آجاتے وہ دہستان کے قلعہ سے باہر نہ آئے۔

ان کے جانے کے بعد افراسیاب کا لشکر جو شیرویہ کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا قارن کے نزدیک پہنچا۔قارن نے زبردست مقابلہ کیا اور شیرویہ اور اس کے سپاہیوں کو ابدی نیند سلانے میں کامیاب ہوا۔

جب ایرانی لشکر کے سردار شیرویہ کی تلاش میں نکلے تو ایک نا اہل نے نوذر کو یہ رائے دی کہ بہتر ہے کہ وہ بھی ان کے پیچھے جائے کیونکہ یہاں تنہا رہنے کی صورت میں کوئی آفت آسکتی ہے۔ وہ بیچارہ اس رائے میں پوشیدہ فساد کو نہ سمجھ سکا اور قلعہ سے باہر آ گیا۔ جونہی اس بات کی خبر افراسیاب کو ملی وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ نوذر کے تعاقب میں دوڑا اور دھاوا بول دیا۔نوذر کے بیشتر سپاہی مارے گئے اور وہ اپنے سرداروں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔

افراسیاب نے اپنی بے مثال کامیابی کے بعد شیرویہ سے کہا ''تیرا بیٹا تنہا گیا ہے۔ بہتر ہے کہ سپاہیوں کا ایک دستہ اس کی تلاش میں جائے ایسا نہ ہو کہ وہ کسی آفت کا شکار ہو۔'' شیرویہ مع لشکر اس کے پیچھے گیا۔ اتفاق سے راہ میں قارن مل گیا اور یہ خبر ملی کہ اس کا لخت جگر ہلاک ہو چکا ہے۔ اس نے قارن سے کہا ''میں تجھے یہ خوشخبری دینا چاہتا ہوں کہ نوذر اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ افراسیاب کی قید میں ہے۔ قارن نے کہا ''میں نہیں جانتا کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ لیکن تمھارا بیٹا تمھاری یاد میں تڑپ رہا ہے۔ اس نے مجھے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اس کے باپ کو بھی اس کے پاس پہنچا دوں۔'' یہ کہہ کر اس نے حملہ کیا۔ ترکوں کو اس کی قوت کا اندازہ نہ تھا۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ قارن نے اس کے بیشتر سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالا۔

شیرویہ باقی ماندہ لشکر کے ساتھ بھاگ نکلا اور افراسیاب کے پاس پہنچا۔ جب افراسیاب نے یہ خبر سنی تو وہ چراغ پا ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ نوذر کے خون سے زمین کو رنگ دیا جائے۔ لہٰذا نوذر کو قتل کر دیا گیا۔

جب افراسیاب نے چاہا کہ اس کے ساتھیوں کو بھی مار ڈالے تو اس کے بھائی اغریوث نے کہا ''آپ تو ان کے سردار کو قتل کر چکے ہیں۔ اب ان بیچاروں کو ہلاک کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کا اعتماد جاتا رہے گا اور لوگ آپ سے نفرت کریں گے۔'' الغرض ان لوگوں کے قتل کا معاملہ ٹل گیا اور سب کے سب ایک قلعہ میں قید کر دیے گئے۔

اس واقعہ کے بعد افراسیاب نے اپنے بھائی اغریوث کو طبرستان کے تخت پہ بٹھایا اور ان قیدیوں کو اس کے حوالے کر کے خود رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ رے میں اس کی تخت نشینی کے ساتھ ظلم و بربریت کا بازار گرم ہو گیا اور ایران کی سرزمین ویران ہونے لگی۔ رعایا کا جینا حرام ہو گیا۔ اس ظلم کی پاداش میں خداوند تعالیٰ نے زمین کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے محروم کر دیا۔ قحط عظیم برپا ہو گیا اور وہ لوگ جو اب تک افراسیاب کے ظلم وستم کے شکار نہ ہوئے تھے بھوک کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔ افراسیاب نے کل بارہ سال حکمرانی کی۔ اس مدت میں اس نے ظلم و بربریت کا زبردست مظاہرہ کیا۔

افراسیاب کی اس شاندار کامیابی پر لوگ کافی خوش تھے۔ ملک ترکستان اور ایران افراسیاب کے زیرنگیں ہو چکے تھے۔ اس نے مہم کے شروع ہی میں ایک لشکر جرار سیستان کی

طرف بھیجا تھا تا کہ سام اور زال کو الجھائے رکھے اور وہ نوذر کی مدد کو نہ آسکیں لیکن زال نے اس لشکر کو کافی پریشان کیا۔ اس کی تفصیل قسم اول کے 25ویں باب میں آئے گی جو کہ بادشاہوں اور وزیروں کے مکر وفریب پہ محیط ہے۔

حسن اتفاق ایرانی امرا نے بھی سیستان کا رخ کیا اور زال سے مل گئے۔ اب زال کے پاس سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد مہیا ہوگئی۔ افراسیاب کا بھائی اغریوث جو خود امن و آشتی اور عفو و کرم کا پیکر تھا اس مہم کے انجام سے بخوبی واقف تھا۔ ایرانیوں کی ایک جماعت اس کے ہاتھوں میں قید تھی۔ اس نے ان سے کہا ''میں نے سنا ہے کہ ایرانی فوجیں یکجا ہو رہی ہیں۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں افراسیاب کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ تم لوگوں کو قتل کر دے اور جو کوششیں میں نے تمھیں آزاد کرنے کے سلسلے میں کی ہیں، ضائع ہو جائیں۔ اگر میں تم لوگوں کو یوں جانے دیتا ہوں تو میرا بھائی افراسیاب جو کہ انتہائی بدمزاج ہے مجھے بھی نہیں بخشے گا اور تمھاری جگہ مجھے ہلاک کر دے گا۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم زال کو ایک خط لکھو تا کہ وہ ایک لشکر یہاں بھیجے۔ میں موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا اور تم سب فرار ہو جاؤ گے۔ اس طرح افراسیاب کے نزدیک میرا یہ عذر قابل قبول ہوگا۔''

اغریوث کے مشورے کے مطابق ایرانی قیدیوں نے زال کو ایک خط لکھا۔ خط ملتے ہی زال نے طبرستان کی طرف ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ آن کی آن میں ایرانی سپاہی سارے شہر اور نواح میں پھیل گئے۔ اغریوث نے شہر، ان کے حوالے کیا اور خود شہر رے کی طرف روانہ ہوگیا۔ افراسیاب نے جب اسے دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوا اور کہنے لگا ''تم نے اس جماعت کو قتل کیوں نہیں کیا؟ ملک کو ان کے حوالے کیوں کیا؟'' وہ سن کر پشیمان ہوا اور کہنے لگا ''میری مثال ایسی ہے کہ دائیں ہاتھ نے بائیں ہاتھ کو کاٹا اور دائیں پاؤں نے بائیں پاؤں کو توڑ دیا۔'' پھر اس نے بھائی کو صبر کی تلقین کی اور کہا ''خدا آپ کو تمام جہان کی حکمرانی عطا فرمائے۔''

(135) افراسیاب اور طہماسپ کے درمیان معاہدہ

ایرانی فوجوں کو جمع ہوتا دیکھ کر افراسیاب کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ

باہر آیا۔ اسی دوران ایک قحط عظیم کے سبب لوگ مارے جا رہے تھے۔ علاوہ ازیں ایرانی لشکر کو ایک دلیر اور قوی سربراہ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے طہماسپ کو تخت پر بٹھایا جو فریدون کی نسل سے تھا۔

طہماسپ نے افراسیاب کو یہ پیغام بھیجا کہ ان فتنوں کی وجہ سے دنیا سے برکت جاتی رہی ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم آپس میں صلح کر لیں تا کہ بلا کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے اور انا کی جنگ بھی ماند پڑ جائے۔ افراسیاب کو یہ بات پسند آئی اور وہ طبرستان کی طرف واپس چلا گیا۔ سرحدوں کے تعین کی خاطر دونوں طرف سے نمائندے ایک جگہ جمع ہوئے اور یہ قرار پایا کہ ایران کا ایک تیر انداز افراسیاب کے پاس بھیجا جائے۔ ایرانیوں نے اس منصوبے کو پسند کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ تیر انداز آرش کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

آرش بوڑھا ہو چکا تھا لیکن سحر کاری کے فن سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے ایک خاص قسم کی لکڑی سے ایک تیر بنایا۔ پھر ایک مخصوص عقاب کے پر کو اس تیر سے ملحق کیا۔ اس کے بعد دونوں طرف کی نامور شخصیتوں نے اپنی نشانیاں اس تیر پر ثبت کیں۔ آرش کوہ طبرستان کی چوٹی پر پہنچا اور تیر کو ہوا میں اچھالا۔ وہ تیر سیدھے کوہ طبرستان سے بادغیس کی جانب گیا اور بوقت زوال زمین پر آ رہا۔ جونہی زوال کا وقت ختم ہوا، قبل اس کے کہ کوئی اسے ہاتھ لگاتا، تیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ہوا کے دوش پر سوار ہو گیا اور یونہی چلتا رہا۔ غروب آفتاب کے وقت وہ خلّم کے مقام پر گرا جسے لوگ کورین بھی کہتے ہیں۔ جب تیر کو وہاں سے لایا گیا اور معتمدوں نے اس بات کی گواہی دی تو افراسیاب نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ اس طرح دونوں حکومتوں کی سرحدوں کا تعین ممکن ہوا۔

سرحدوں کے تعین کے بعد افراسیاب ترکستان واپس چلا گیا۔ طہماسپ نے ایران میں ایک کامیاب حکومت کی بنا ڈالی۔ رعایا کے سات سال کا واجب الوصول خراج معاف کر دیا۔ ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی عام ہو گئی، آبادی میں اضافہ ہوا اور لوگوں نے جنت کے مزے لوٹے لیکن اس کی حکومت دیرپا ثابت نہ ہو سکی۔ طہماسپ صرف پانچ سال تک زندہ رہا۔ یہ سچ ہے کہ خوشیوں کے لمحات اور راحت کے ایام زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہتے۔

(136) افراسیاب اور رستم کے درمیان جنگ اور کیقباد کی تخت نشینی

طہماسپ کے انتقال کے بعد کیقباد تخت نشین ہوا۔ اس نے عدل گستری کا مظاہرہ کیا اور سارے ملک میں امن و امان کی فضا قائم کی۔

افراسیاب نے جب طہماسپ کی موت کی خبر سنی تو اس نے ایران کو فتح کرنے کی غرض سے ایک بڑی فوج تیار کی۔ جب کیقباد کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے سپاہ سالاروں اور امیروں کو جمع کیا اور ان سے مشورے طلب کیے۔ زال اور سام اس خبر سے کافی رنجیدہ ہوئے اور زاول، کابل اور ہندوستان کے پہلوانوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

سام نے کہا ''افراسیاب کے فتنے نے ایک بار پھر سر اٹھایا ہے اور ظلم و بربریت کو عام کرنے کی مذموم کوشش کا آغاز ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہم سب پر لازم ہے کہ افراسیاب کے اس فتنے کا سدباب کریں۔ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن میرا بیٹا رستم جوان اور طاقتور ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ کوئی گھوڑا اس کی سواری کے لائق نہیں۔ اگر تم میں سے کسی کے پاس اس کے لائق کوئی گھوڑا ہو تو مہیا کرے، میں ہمیشہ ممنون رہوں گا۔''

سبھوں نے کہا ''ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہمارے گھوڑے اس پر قربان ہیں۔ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے ہم اس پر نثار کرتے ہیں۔'' پھر ان لوگوں نے ملک ہندوستان اور زاول کے درمیان کے وسیع علاقے سے پچاس ہزار گھوڑے اس کی خدمت میں حاضر کیے لیکن اس نے کسی بھی گھوڑے کو قبول نہیں کیا۔

اتفاق سے رستم کی نظر ایک سرخ مائل سیاہ رنگ کے گھوڑے پر پڑی۔ اس نے فوراً اس گھوڑے کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ گھوڑا حاضر کیا گیا۔ لوگوں نے یہ بتایا کہ اس گھوڑے کو وہ رخش کے نام سے پکارتے ہیں اور اب تک کسی نے اس کی سواری نہیں کی ہے۔

رستم نے کہا ''اب یہ گھوڑا میرا ہے۔'' اس نے کمند پھینکا اور گھوڑے کو قابو میں لے آیا۔ پھر اس پر زین کسے اور سوار ہو گیا۔ وہ سیدھے اپنے لشکر کے ساتھ کیقباد کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ جب کیقباد کی نظر رستم کے حسن و جمال پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا۔ اس نے رستم کی

تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔رستم اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس کے محل میں مقیم رہا۔

چند دنوں کے بعد افراسیاب اپنے لشکر جرار کے ساتھ وہاں پہنچا اور رستم کی لشکر گاہ کے قریب اپنے خیمے نصب کیے۔آخر کار جنگ کا بگل بج اٹھا اور دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔افراسیاب اپنے لشکر کے درمیان کھڑا تھا۔رستم کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔جیسے ہی گھمسان کی جنگ کا آغاز ہوا،رستم صفوں کو چیرتا ہوا افراسیاب تک پہنچ گیا۔افراسیاب سراسیمہ ہوکر بھاگنے لگا۔رستم نے اس کا پیچھا کیا اوراس کے قریب پہنچ کر گھوڑے کے لگام کواس کے گردن میں ڈال کراسے کھینچتا رہا۔

اس عظیم کامیابی پر ایرانی لشکر نے رستم کو مبارکباد پیش کی۔جب رستم کسی وجہ سے اپنے لشکر کے درمیان مشغول ہوگیا تو افراسیاب نے جادو کے ذریعہ خود کو آزاد کرلیا اور ایک مردہ شخص کو رسی سے باندھ کرفرار ہوگیا۔سپاہیوں سے فارغ ہوکر رستم اس مردے کو کھینچتا رہا یہاں تک کہ کیقباد کے نزدیک پہنچ گیا۔جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ قیدی افراسیاب نہیں ہے تو کافی شرمندہ ہوا۔

کیقباد اسے شرمسار ہوتے دیکھ کر یہ کہنے لگا''آج کی فتح ونصرت دراصل تمھاری ہمت و جوانمردی کا نتیجہ ہے۔اگر منوچہر نے عمان کا قتل کر دیا ہوتا تو دنیا میں اتنے سارے فتنے برپا نہیں ہوتے۔اب بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو پہچانے اور اپنی حد کے اندر رہے۔''رستم نے ادب واحترام سے کہا''جو کچھ بھی ہوا وہ میری نادانی اور ناتجربہ کاری کے سبب ہوا۔اب ایسی غلطی دوبارہ سرزد نہیں ہوگی۔''

اس رات افراسیاب بھاگ کھڑا ہوا اور دریائے جیحون عبور کرکے ماوراء النہر پہنچ گیا۔وہاں سے اپنے سفیر بھیجے اور صلح کی درخواست کی۔کیقباد اور افراسیاب کے درمیان صلح نامے پر دستخط ہوئے اور فتنہ وفساد کی جگہ امن وآشتی قائم ہوئی۔کیقباد کی بادشاہت تسلیم کی گئی اور دوسرے سارے دشمن مجبور ومقہور قرار پائے۔کیقباد نے تقریباً ایک سو سال تک حکومت کی۔جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے اپنے بیٹے کیکاؤس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔پھر چند دنوں بعد اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

(137) کیکاؤس کا یمن پر حملہ

کیکاؤس بڑا ہی متلون مزاج اور تندخو بادشاہ ثابت ہوا۔ اس کے کردار میں استدلال، شائستگی اور عاقبت اندیشی کا شائبہ تک نہ تھا۔ طوس، گودرز اور گستہم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس نے شہر بلخ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اور وہیں مقیم ہوگیا۔ نتیجہ کے طور پر ایران کے دوسرے صوبے ترکوں کے حملوں سے محفوظ ہوگئے۔

ایک روز ابلیس ایک مطرب کے بھیس میں اس کے دربار میں آیا اور اس کے سامنے یمن کی حسین دوشیزاؤں کے قصیدے پڑھے۔ کیکاؤس نے جب یہ باتیں سنیں تو ہوا و ہوس کا شکار ہوا۔ اس نے یمن پر حملے کی ٹھانی۔ ہر چند امرا و وزرا نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ بادل ناخواستہ وہ بھی اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔

کیکاؤس کی فوج یمن کے قریب پہنچی۔ یمن کا بادشاہ جنگ کی خاطر شہر سے باہر نکل آیا لیکن کیکاؤس کی شان و شوکت دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہوگئی اور اس نے صلح کر لی۔ یہ طے پایا کہ وہ کیکاؤس کو ہزاروں کی تعداد میں دینار اور زر و جواہر، ایک ہزار عربی گھوڑے اور ایک ہزار یمانی تلواریں فراہم کرے۔

اس زمانے میں یمن کے بادشاہ کو 'ذوالاذعار' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جو نہایت ہی خوبرو و جاذب نظر تھی۔ حسن و جمال کے حوالے سے لوگ اس کی مثال پیش کیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں اسے 'شعریٰ' اور فارسی میں 'سودابہ' کے نام سے پکارتے تھے۔ بادشاہ یمن نے اپنی حسین و جمیل بیٹی کو کیکاؤس کی زوجیت میں دیا۔ اس طرح ان کے درمیان صلح و آشتی قائم ہوگئی۔ کیکاؤس اور سودابہ بھی ایک دوسرے سے کافی محبت کرنے لگے۔

درحقیقت یمن کا بادشاہ اس صلح نامہ سے راضی نہ تھا اور اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ایک منصوبہ کے تحت اس نے کیکاؤس اور اس کے امرا و وزرا کو دعوت دی اور ہر ایک کے لیے علیحدہ خیمہ مختص کیا۔ اچانک تمام کے تمام خیمے زمین بوس ہوگئے اور کیکاؤس اپنے سرداروں کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ بادشاہ کے حکم سے کیکاؤس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کنویں میں لٹکا دیا گیا۔

ذوالاذعار نے سودابہ کو محل میں طلب کیا اور کیکاؤس کی گرفتاری کی خبر سنائی۔ سودابہ یہ سن کر کافی مغموم ہوئی اور گریہ و زاری کرنے لگی۔ باپ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن ہر روز کنویں میں کھانا لے جانے کی اجازت دے دی۔

جب کیکاؤس کی گرفتاری کی خبر ملک ایران میں گشت کرنے لگی تو افراسیاب نے موقع غنیمت جانا اور کیکاؤس کی سلطنت پر حملہ آور ہوا۔ ایرانی سردار بھاگ کر زاولستان پہنچے اور رستم کو کیکاؤس کی رہائی کے لیے آمادہ کیا۔ رستم نے ایک لشکر جرار کے ساتھ یمن پر یورش کی۔ یمن کے بادشاہ نے جنگ سے احتراز کیا اور صلح کا پیغام بھیجا۔ صلح نامہ پہ دستخط ہوتے ہی اس نے کیکاؤس کو آزاد کر دیا اور اپنی بیٹی سودابہ کو بھی ہزار لونڈیوں کے ساتھ کیکاؤس کی خدمت میں روانہ کیا۔

کیکاؤس کے عراق پہنچنے پر امرا و مشاہیر سلطنت نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ رستم نے بھی مبارکباد دی۔ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے ہی اس نے افراسیاب کو ایک خط لکھ کر اس سے وہ تمام علاقے واپس مانگے جو اس کے قبضے میں آ گئے تھے۔ افراسیاب نے اس کی باتوں کو ماننے سے انکار کیا اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا۔ دونوں طرف کی فوجیں صف آرا ہوئیں اور جنگ چھڑ گئی۔ جنگ میں ہزاروں سپاہی مارے گئے اور افراسیاب کو شکست ہوئی لیکن افراسیاب جنگ کے میدان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

افراسیاب کی اس شرمناک شکست کے بعد ایران کے بیشتر علاقے کیکاؤس کے تسلط میں آ گئے۔ ملک میں خوشحالی اور ترقی کا دور دورہ ہوا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور رستم کو ایرانی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ نیم روز، کابل، زاول اور ہندوستان اس کے زیر نگیں ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد جب ضعف و نقاہت نے آ گھیرا تو اس نے عزلت نشینی اختیار کی اور خدا کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

(138) سودابہ کے دام فریب سے سیاوش کی نجات

کیکاؤس کو خداوند قدوس نے ایک بیٹے سے نوازا تھا لیکن وہ سودابہ کے بطن سے نہ تھا۔ اس کی ماں اس کو جنم دیتے وقت جاں بحق ہو گئی تھی۔ بچہ بلا کا ذہین و عقلمند تھا۔ اس کا نام سیاوش

رکھا گیا۔کیکاؤس نے اس کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری رستم کے سپرد کی۔ رستم نے ایک باپ کی حیثیت سے اس کی تعلیم وتربیت کی۔ اسے وہ سارے ہنر سکھائے جو ایک بادشاہ کے لیے لازمی سمجھے جاتے تھے۔جلد ہی اس کے مردانہ حسن و جمال کا چرچا عام ہوگیا۔ کیکاؤس کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔شفقت پدری میں ابال آیا۔اس نے حکم دیا کہ سیاوش کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔رستم نے بصدعزواحترام اسے کیکاؤس کی خدمت میں روانہ کیا۔

جب کیکاؤس نے سیاوش کو اپنے روبرو دیکھا تو وہ اس کی صورت و سیرت پر فریفتہ ہوگیا۔اسے وہ عزیز رکھنے لگا۔اس کی بیوی سودابہ کو بھی اس بات کی اطلاع ہوئی۔ وہ بھی اسے دیکھنے کے لیے بے قرار ہواٹھی۔کیکاؤس سے کہا ''سنا ہے آپ کا بیٹا سیستان سے واپس آ گیا ہے اور بڑا ہی خوبرونوجوان ہے۔ میں اس کی ماں ہوں۔ میں بھی اسے دیکھنا چاہتی ہوں تاکہ میں بھی اس پر اپنی ممتا نچھاور کرسکوں۔ میں اسے اپنے محل میں مدعو کرنا چاہتی ہوں۔'' بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اوراس نے اجازت دے دی۔

سودابہ نے ایک پرشکوہ دعوت کا اہتمام کیا۔ کیکاؤس نے سیاوش کوحرم میں آنے کی دعوت دی۔سودابہ نے آگے بڑھ کراس کا استقبال کیااور اپنا دل گنوابیٹھی۔اس نے ان تمام لڑکوں اورلڑکیوں کو بھی جمع کیا جو سیاوش کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔جب گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے اشارے کنایے میں اپنے دل کا حال سنا ڈالا۔سیاوش فوراً اس کے ناپاک ارادوں کو تاڑ گیااور اٹھ کر باہر جانے لگا۔سودابہ زلیخا کے انداز میں اس کے پیچھے دوڑی اوراپنی بے قراری کا اظہار کیا۔سیاوش نے عذر پیش کیااورحرم کے باہر چلا گیا۔

اتفاقاًسیاوش کے باہر نکلتے ہی کیکاؤس حرم سرا میں داخل ہوا اورسودابہ سے پوچھا ''تم نے میرے بیٹے کوکیسا پایا؟'' سودابہ نے کہا ''اگر میں نہیں جانتی کہ وہ آپ کا بیٹا ہے تو میں یہ سمجھتی کہ شاید وہ جنت سے زمین پراتر آیا ہے یا سورج یا چاند نے زمین کا رخ کیا ہے۔خداوند کریم کا فضل ہے کہ اس نے آپ کوایسا فرزندعطافرمایاجوسارے عالم میں بے نظیر ہے۔ میں اس کی خاطر فکرمند ہوں۔ میں نے اس کی آئندہ زندگی کے لیےایک خاکہ تیارکیا ہے۔اگرآپ اجازت دیں تو میں پیش کرنے کی جسارت کروں۔ بادشاہ نے کہا ''تم تواس کی بہتری ہی سوچوگی کیونکہ تم اس کی ماں ہو۔''

سودابہ نے کہا’’میں سوچتی ہوں کہ اس کی ایک شریک حیات ہو جو اس کا دل بہلائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں کسی بھی لڑکی کو اس کا ہم پلہ نہیں پاتی۔ اگر آپ بہتر سمجھیں تو میں اپنی کسی ایک لڑکی کا رشتہ اس سے طے کردوں تا کہ اس کو وارث مل جائے۔‘‘ کیکاؤس کو اس کی بات اچھی لگی۔ سودابہ نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ سیاوش کو حرم کے اندر بھیجے تا کہ وہ فرداً فرداً اپنی لڑکیوں کو اس کے سامنے پیش کرے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلے۔

کیکاؤس نے سیاوش سے کہا’’میں تمھارے بارے میں بہت فکرمند ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھارا بھی کوئی وارث ہو جسے دیکھ کر میں اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرسکوں۔ اس دنیا میں تو کوئی بھی لڑکی تمھاری ہم پلہ نظر نہیں آتی سوائے میری لڑکیوں کے۔ تم جسے بھی پسند کروگے میں اس کی شادی تم سے کردوں گا۔‘‘ سیاوش فوراً سمجھ گیا کہ اس میں سودابہ کی کوئی چال ہے اور وہ کسی بہانے پھر اسے حرم کے اندر بلانا چاہتی ہے۔ اس نے کہا’’میں تو ایک غلام ہوں اور غلام کو کوئی اختیار نہیں۔ بادشاہ کی پسند میری پسند ہوگی۔‘‘ بادشاہ نے کہا’’عقل و ہوشمندی کا تقاضہ ہے کہ تم خود اپنی نظروں سے دیکھو اور پسند کرو۔ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ دوسروں کی نگاہوں کا کیا بھروسہ۔‘‘

سیاوش اٹھا اور حرم کے اندر چلا گیا۔ سودابہ نے جب اس کے قدموں کی آہٹ سنی تو وہ خود دوڑی دوڑی آئی اور اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ بڑے عزت و احترام کے ساتھ اسے بٹھایا اور اپنی لڑکیوں کو سجا سنوار کر یکے بعد دیگرے پیش کرنے لگی۔ سیاوش نے شرمندگی کا اظہار کیا۔ سودابہ نے فوراً اپنے خدام کو تخلیہ کا حکم دیا۔ حرم خالی ہوگیا۔ سودابہ نے کہا’’کیا ہی اچھا ہوا گر میری کسی لڑکی کے ساتھ تمھارا عقد ہوجائے۔‘‘ سیاوش نے بے دلی سے کہا’’مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں۔‘‘ سودابہ بولی’’یہ سب تو محض بہانہ ہے۔ میں دراصل تمھارے عشق میں گرفتار ہوچکی ہوں اور مجھے کسی پل چین نصیب نہیں۔‘‘

سیاوش نے کہا’’خدا کے واسطے آپ اس قسم کے الفاظ زبان پر نہ لائیں۔ میں ایسی اولاد نہیں جو باپ کے حرم میں خیانت کرے۔‘‘ وہ اٹھ کھڑا ہوا تا کہ حرم سے باہر چلا جائے۔ سودابہ اس سے لپٹ گئی اور کہنے لگی’’اب تو تم میرے راز سے واقف ہوگئے ہو۔ میں تمھیں

نہیں چھوڑوں گی، تمھارا خون کردوں گی۔'' سیاوش نے کہا'' آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ میں آپ کے راز کو راز رکھوں گا اور کسی سے نہ کہوں گا۔'' اس نے کسی صورت خود کو سودابہ کی گرفت سے آزاد کیا اور دروازے پر آ گیا۔ سودابہ نے اسی لمحہ شور مچانا شروع کر دیا یہاں تک کہ کیکاؤس کو اس کی خبر ہوئی۔ اس نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ صورت حال سے باخبر کرے۔ اس شخص کو آتا دیکھ سودابہ کہنے لگی'' دیکھو اس کمبخت نے میری عزت پر حملہ کیا ہے۔'' وہ شخص فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور ساری باتیں بتائیں۔

کیکاؤس نے سیاوش کو طلب کیا اور کہا'' تیرے متعلق جو باتیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں، اچھی نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تو پہلے بھی حرم میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ تو نے بادل ناخواستہ اسے قبول کیا۔ اب تجھ پر ایسی تہمت لگ رہی ہے۔ اگر تو نے ایسا کچھ کیا ہے تو اپنے گناہ کا اقرار کر اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا ہے تو صحیح صحیح بیان کر۔'' سیاوش نے سارا ماجرا اول تا آخر کہہ سنایا۔ کیکاؤس کو اپنے بیٹے کی بے گناہی کا یقین ہو گیا اور اس نے اپنی بیوی کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔

سودابہ اپنی ناکامی پر تلملا اٹھی اور ایک خطرناک منصوبہ تیار کیا۔ اس نے اپنے نوکر کو یہ حکم دیا کہ وہ دو حاملہ عورتوں کا بندوبست کرے جو اپنا حمل گرا دے اور وہ ان نوزائیدہ بچوں کو چھپا کر اس کے حوالے کر دے۔ اس نوکر نے اسی رات اس کام کو انجام دیا اور چار ماہ کے دو مردہ بچوں کو اس کے حوالے کر دیا۔ جیسے ہی بچے اس کے ہاتھ آئے اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کنیزوں کے سامنے اس نے دونوں بچوں کو اپنے کپڑے سے باہر نکالا اور بلند آواز میں کہنے لگی'' یہ ہے سیاوش کا زخم جو اس نے مجھے دیا ہے۔ دیکھو، اس نے ان دو بچوں کو جو بادشاہ کے نطفے سے ہیں ہلاک کر دیا۔'' جب کنیزوں نے یہ سب سنا تو وہ بھی رونے لگیں۔

شور کی آواز سن کر کیکاؤس نیند سے بیدار ہوا اور سیدھے سودابہ کی طرف دوڑا۔ ان نومولود بچوں اور سودابہ کے خون آلود کپڑوں کو سونے کے طشت پر رکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ کیکاؤس نے جب ان بچوں کو دیکھا تو اسے سیاوش پر شک ہوا اور اس کا گمان یقین میں بدل گیا۔ نجومیوں اور کاہنوں کے سامنے یہ دونوں بچے پیش کیے گئے اور ان سے

سچائی کوطشت از بام کرنے کا حکم دیا گیا۔انھوں نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے یہ رائے دی کہ یہ بچے کیکاؤس اور سودابہ کے نہیں ہیں۔انھوں نے ان بچوں کی حقیقی ماؤں کا پتہ لگایا۔جلد ہی ان عورتوں کو گرفتار کرلیا گیا۔انھوں نے سزا کے خوف سے سچائی اگل دی۔

سودابہ نے گریہ وزاری شروع کردی اور کہنے لگی'' پہلے تو مجھے جھوٹا تصور کیا۔اب گواہوں کا بھی یقین نہیں۔دراصل ان لوگوں نے ان عورتوں کو روپے پیسے کا لالچ دے کر جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے تا کہ مجھے بدنام کریں۔خدا ظلم کو پسند نہیں کرتا۔اب میں اپنے باپ کے پاس جاؤں گی اوران سے انصاف کی بھیک مانگوں گی۔'' کیکاؤس کواس کی حالت پہ رحم آ گیا۔اس نے پھر ملک کے دانشوروں کو جمع کیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔دانشوروں نے کہا''اس بات کا فیصلہ صرف آگ ہی کرسکتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ ایک زبردست آگ جلائی جائے اور دونوں کواس کے درمیان سے گزارا جائے۔جو گنہگار ہے جل جائے گا اور جو بے گناہ ہے بحفاظت باہر آجائے گا۔''

کیکاؤس نے ان کی باتیں مان لیں اور آگ جلانے کا حکم دیا۔آگ کے درمیان سے ایک کشادہ راستہ بھی بنادیا۔پھر سیاوش اور سودابہ سے کہا گیا کہ وہ اٹھیں اور اس دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں تا کہ خدائے عزوجل جھوٹے اور سچے کے فرق کو ظاہر کردے۔

سودابہ نے کہا''میں نے اپنے ثبوت پیش کردیے ہیں۔اب جو ان ثبوتوں کا انکار کررہا ہے وہ اپنی حجت و دلالت کو ظاہر کرے۔کیکاؤس نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا''اگر کوئی بھول ہوگئی ہے تو اس کے لیے معذرت بہترین راستہ ہے تا کہ ہم دونوں فضیحت سے بچ جائیں اور اگر تو بے گناہ ہے تو اس کی دلیل پیش کر، تا کہ دل کو قرار نصیب ہو اور لوگوں کی زبانیں بند ہوجائیں۔''

سیاوش نے کہا'' خدا اچھی طرح نیکوں اور بدوں میں تمیز کرتا ہے۔اگر میں گنہگار ہوں تو اس کی سزا مجھے ملے گی اور اگر میں مجرم نہیں تو میری سچائی میری محافظ ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ سفید لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار ہوا،اپنے والد کو سلام کیا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگیا۔چند ہی لمحوں میں وہ دوسری جانب سے بغیر کسی ضرر کے نکل آیا۔باپ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور گلے سے لگا کر کہنے لگا''میں کن الفاظ میں خدا کا شکر ادا کروں جس نے

مجھے تم جیسا فرزند عطا کیا!'' اس واقعہ کے بعد کیکاؤس نے سودابہ کو سزا دینا چاہی لیکن سیاوش نے اس کی جاں بخشی کی سفارش کی اور وہ بدکردار اذیت ناک موت سے بچ گئی۔

اچانک یہ اطلاع موصول ہوئی کہ افراسیاب ایک لشکر جرار کے ساتھ ایران کی طرف بڑھتا آ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں، وہ بلخ پر قابض بھی ہو چکا ہے۔ کیکاؤس نے چاہا کہ وہ بنفس نفیس اس فتنہ کا قلع قمع کرے لیکن سیاوش نے اس مہم پر جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے تمام خزانے اور لشکر اس کے سپرد کیے۔ سیاوش نے یہ درخواست کی کہ اس مہم میں اس کے ہاتھ میں درفش کاویانی دیا جائے اور رستم بھی اس کے ساتھ ہو تا کہ اسے قوت ملتی رہے۔ بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اس بات کی اجازت دی کہ وہ سیستان کے راستے جائے اور رستم کو اپنے ہمراہ رکھے۔

سیاوش نے بہادر اور شیر دل سپاہیوں پر مشتمل بارہ ہزار سوار اور بارہ ہزار پیادے ساتھ لیے اور کوچ کیا۔ سیستان میں رستم نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ چالیس روز تک سیستان میں قیام کے بعد وہ طالقان کے راستے بلخ پہنچا جہاں افراسیاب کا بھائی کرسیوز مقیم تھا۔ جوں ہی اس نے سیاوش کے آمد کی خبر سنی بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے بھائی افراسیاب سے جا ملا۔ افراسیاب نے اس کی بزدلی پر اسے ڈانٹ پلائی اور سخت سست کہا۔ آخر کار اسے بھائی پر رحم آ گیا اور اسے معاف کر دیا۔

افراسیاب نے اسی رات ایک خواب دیکھا جیسا کہ ضحاک نے دیکھا تھا۔ اس نے بھائی سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ کرسیوز نے کہا ''ہوسکتا ہے کہ اس خواب میں کوئی خیر کا پہلو چھپا ہو۔ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم مصالحت کی بات کریں تا کہ ہماری حکومت دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہے۔'' افراسیاب کو بھائی کی بات پسند آئی اور وہ مفاہمت پر آمادہ ہو گیا۔

دونوں فریقوں کے درمیان صلح نامہ پر دستخط ہوئے اور یہ طے پایا کہ افراسیاب تاوان جنگ ادا کرے اور ایران کے وہ تمام مقبوضہ علاقے اسے واپس کر دے۔ علاوہ ازیں اپنی ممتاز شخصیتوں اور رشتہ داروں کو سیاوش کے پاس رہن رکھے تا کہ صلح نامہ پر اعتماد کیا جا سکے۔ معاہدے پر فوری عمل درآمد کیا گیا۔ افراسیاب نے مقبوضہ علاقے واپس کیے اور اپنے ایک سو افراد بطور رہن سیاوش کے سپرد کیے۔

اب سیاوش کے دل میں طرح طرح کے شکوک وشبہات جنم لینے لگے۔اس نے رستم سے کہا ''یہ کام تو ہم لوگوں نے بادشاہ کیکاؤس کے منشا کے مطابق نہیں کیا ہے۔ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے ناراض ہو جائیں۔بہتر ہوتا اگر ہم انھیں ساری باتوں سے آگاہ کر دیتے۔'' سیاوش کے اشارے پر رستم بیش قیمتی تحفے تحائف لے کر کیکاؤس کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری تفصیل بتائی۔

کیکاؤس کبیدہ خاطر ہوا اور کہنے لگا ''آخر تم لوگ افراسیاب کے دام فریب میں آ ہی گئے۔اس کا مکر اثر دکھا گیا۔اس نے صرف مصیبت سے نجات کی خاطر اپنے ایک سو افراد رہن رکھ چھوڑے ہیں۔تم اسی وقت واپس جاؤ اور ان افراد کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قتل کر سکوں۔تم فوراً توران پر لشکر کشی کرو اور جب تک تمھارا مکمل تسلط نہ ہو جائے تلوار نیام میں نہ رکھو۔'' رستم نے کہا ''جہاں پناہ! اگر کوئی جنگ نہ کرے تو ہم کیسے جنگ کریں۔اب تو اس نے صلح بھی کر لی ہے اور صلح نامہ کے خلاف عمل کرنا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔یہ بات سیاوش کے لیے بھی گرانی خاطر کا سبب ہوگی۔''

یہ سننا تھا کہ کیکاؤس آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا ''میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ ساری پریشانیاں تمھاری غفلت وسستی کی وجہ سے ہیں ورنہ ہرگز ایسا نہ ہوتا۔'' رستم نے کہا ''میں نے تو اچھی بات کہی۔اب مجھ میں اتنی جرأت نہیں کہ اسے یہ پیغام دوں۔میری طرف سے معذرت قبول فرمائیں اور یہ پیغام کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سیاوش تک پہنچائیں۔'' کیکاؤس نے کہا ''ٹھیک ہے۔تم یہیں ٹھہرو۔کسی کے نہ ہونے سے کوئی کام نہیں رکتا۔''

لہٰذا کیکاؤس نے طوس کو اس پیغام کے ساتھ سیاوش کے پاس بھیجا کہ وہ ان ایک سو افراد کو اس کے پاس بھیج دے تا کہ ان کا کام تمام کیا جا سکے۔مزید برآں وہ ترکستان کی طرف کوچ کرے اور دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔اس حکم نامہ کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں لشکر، خزانہ اور درفش کاویانی طوس کے سپرد کر دے اور واپس چلا آئے۔

جب یہ پیغام سیاوش کے پاس پہنچا تو وہ انتہائی کبیدہ خاطر ہوا۔طوس سے کہا ''میں کسی قیمت پر ان قیدیوں کو بادشاہ کے حوالے نہیں کر سکتا۔میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کی یہ جماعت قتل کی جائے اور اس گناہ کے ارتکاب کے جرم میں دنیا میں ذلت اور آخرت میں وبال کا سامنا

کرنا پڑے۔'' سیاوش نے سارے خزانے اور لشکر طوس کے حوالے کر دیے لیکن قیدیوں کو افراسیاب کے پاس بھیج دیا اور اس کے نام ایک خط بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ ''تمھاری وجہ سے میرے اور میرے والد کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ میری کارگزاریوں سے وہ ناراض ہو چکے ہیں۔ لشکر اور خزانے مجھ سے چھین لیے گئے ہیں۔ میں کافی پریشان ہوں اور اب عزلت نشین ہونا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ترکستان کی راہ کشمیر جانے کی اجازت دے دو تو میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں گا اور خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔''

افراسیاب اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے امیروں، وزیروں اور بزرگوں کو بلا کر مشورہ کیا۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ سیاوش کو اپنی محافظت و نگرانی میں لے لے اور اس کی تربیت کرے کیونکہ سیاوش جیسا اولوالعزم اور بہادر فرزند کو آج تک کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ ان بزرگوں اور دانشمندوں کے مشوروں کی روشنی میں افراسیاب نے سیاوش کو خوش آمدید کہا اور اپنی ہر ممکن مدد اور تعاون کا یقین دلایا۔

سیاوش دریائے ترمد عبور کر کے ماوراء النہر پہنچ گیا۔ وہاں اس کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ سجے سجائے ہاتھی اور کوتل گھوڑے اس کے سامنے پیش کیے گئے۔ پھر اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ شہر گنگ لے جایا گیا جہاں افراسیاب مقیم تھا۔ افراسیاب اپنے محل سے پاپیادہ اس کے استقبال کو آگے بڑھا۔ سیاوش بھی اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ سیاوش کو محل کے اندر لایا گیا جو جنت سے مشابہ تھا۔ طعام و شراب پیش کیے گئے اور ہر طرح سے اس کی خاطر و مدارت کی گئی۔ جب کیکاؤس کو سیاوش کی ان حرکتوں کا علم ہوا تو وہ بہت ہی پشیمان و مضطرب ہو اٹھا۔ لوگوں نے بھی اس کی ملامت شروع کر دی۔ رستم الگ کبیدہ خاطر رہنے لگا۔

ادھر سیاوش افراسیاب کی مہمان نوازی سے انتہائی خوش تھا۔ بہت جلد یہ مہمانی دامادی کی سرحد میں داخل ہو گئی۔ اس نے اپنی ایک دختر نیک اختر کو اس کی زوجیت میں دیا اور اپنی سلطنت کا ایک علاقہ جو چین کی سرحد سے متصل تھا اس کے نام کر دیا۔ سیاوش نے اس علاقے میں عمارتیں تعمیر کیں اور اس کا نام سیاوش آباد رکھا۔ اس نے وہاں ایک ایسا محل بنوایا جس کی مثال ملک توران میں موجود نہ تھی۔ محل کے ایک جانب اپنے والد کیکاؤس، رستم اور دوسرے

امرا کی تصاویر بنائی اور دوسری جانب افراسیاب، کرسیوز اور دوسرے بزرگوں اور امیروں کی تصویریں منقش کیں۔

افراسیاب کے مخبر سیاوش کے حوالے سے پل پل کی خبر اسے پہنچاتے رہے۔ سیاوش کی کامیابیوں کی خبریں سن سن کر افراسیاب حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ دشمنوں نے اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور شکوہ شکایت کا بازار گرم ہوا۔ سیاوش کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے جانے لگے۔ افراسیاب کو بھی خدشات نے آگھیرا۔ آخر کار اس نے اپنے بھائی کرسیوز کو سیاوش کے پاس بھیجا اور دعوت دی کہ وہ چند دنوں کے لیے اس کے محل میں قیام کرے تا کہ وہ ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔

کرسیوز سیاوش کا زبردست دشمن تھا۔ وہ ہمیشہ اس سے حسد کیا کرتا تھا۔ جب وہ سیاوش کے پاس پہنچا تو اسے افراسیاب کا گرویدہ پایا۔ اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اگر سیاوش اس کے پاس جاتا ہے تو اس کی وہ ساری باتیں جو اس نے سیاوش کے خلاف جڑی ہیں بے بنیاد ثابت ہوں گی۔ لہٰذا اس نے ایک چال چلی اور سیاوش سے کہا ''ایک جماعت نے بادشاہ کے سامنے تیری بڑی شکایت کی ہے اور وہ اس وقت کافی غصہ میں ہے۔ اس وقت تیرا وہاں جانا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں آگے جاتا ہوں اور سارا حال بیان کرتا ہوں۔ اگر تو بعد میں آنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔'' سیاوش اس کے دام فریب کا شکار ہو گیا اور حکم شاہی کا انتظار کرنے لگا۔

کرسیوز نے موقع غنیمت جانا اور افراسیاب کے پاس پہنچ کر جھوٹ سچ لگانا شروع کر دیا۔ افراسیاب سے کہا ''اگر وہ سیاوش کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا ہے تو یہ خطرے کی بات ہوگی۔ جو بھی دشمن پر بھروسہ کرے گا وہ ایسا زخم کھائے گا جس کا کوئی علاج نہیں۔'' افراسیاب کو اس کی باتوں پہ یقین آ گیا اور اس نے فوراً سیاوش آباد کا رخ کیا۔ جب سیاوش نے اس کے آمد کی خبر سنی وہ دوڑا دوڑا اس کے استقبال کو آیا۔ جیسے ہی افراسیاب کی نظر اس پر پڑی، اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر افراسیاب کے حضور لا کھڑا کیا۔ سیاوش نے بڑی منت سماجت کی لیکن بادشاہ کو رحم نہ آیا۔ بادشاہ کے فرمان کے مطابق سپاہی اسے خیمہ کے اندر لے گئے اور سلا دیا۔ نیند کی حالت میں اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد افراسیاب کو اپنے کیے پر کافی پشیمانی ہوئی۔اس نے کرسیوز کی بڑی لعنت ملامت کی۔ ایران میں اس اندوہناک خبر کا پہنچنا تھا کہ وہاں صف ماتم بچھ گئی۔ آہ وفغاں کے نالے ایسے بلند ہوئے کہ آسمان بھی اشک بار ہوگیا۔ دوسری طرف کیکاؤس نے غم سے نڈھال ہوکر اپنا تاج سر سے اتار پھینکا اور رستم ننگے پاؤں ننگے سر کیکاؤس کے پاس آیا اور کہنے لگا'' آپ نے کچھ ایسا کیا ہے جو ہزار دشمن بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ساری بدبختی سودابہ کے سبب سے ہے۔'' یہ کہہ کر وہ سیدھے حرم سرا میں داخل ہوا اور سودابہ کو پکڑ کر کیکاؤس کے سامنے حاضر کیا۔ پھر اسی لمحہ اس کا کام تمام کر دیا۔

رستم نے بغرض انتقام ایک عظیم لشکر تیار کیا اور افراسیاب سے مقابلے کے لیے نکل پڑا۔ افراسیاب بھی جنگ کے لیے آمادہ تھا۔ پہلے دن اس نے اپنے بیٹے صرخہ کو میدان جنگ میں اتارا۔ رستم نے پہلے حملے میں ہی اسے پچھاڑ دیا۔افراسیاب کے لشکر کے بیشتر جوان مارے گئے۔ دوسرے دن افراسیاب بنفس نفیس میدان میں آیا۔ جنگ کا اعلان ہوتے ہی گھمسان کی جنگ چھڑ گئی ۔ زبردست کارن پڑا اور اس کے ہزاروں سپاہی خاک وخون میں تڑپنے لگے۔ افراسیاب کو اپنی شکست و پسپائی کا منظر صاف دکھائی دینے لگا اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ رستم اپنے ہاتھوں میں ننگی تلوار لیے اس کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ وہ دریائے گنگ تک پہنچ گیا۔ادھر افراسیاب چین کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ رستم نے اس کی ریاست میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا اور اس کے سارے خزانے لوٹ لیے۔لیکن کسانوں اور ناتواں ونحیف رعایا کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آیا۔

رستم اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ کیکاؤس جسمانی اعتبار سے نحیف و ناتواں ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر بھی بہت پست ہے۔ اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں فتنہ و فساد نہ پھوٹ پڑے ۔اس اندیشے کے پیش نظر وہ اس مہم سے واپس ہوا اور لوٹے ہوئے سارے خزانے کیکاؤس کے حضور پیش کر دیے۔ رستم کی بر وقت کارروائی سے افراسیاب کو اس کی بدعہدی و بے وفائی کی سزا ملی۔

یہ حکایت ان دانشمندوں کے لیے ایک تنبیہ ہے جو اپنے عہد کا پاس نہیں رکھتے اور ان کی یہی بدعہدی ان کی زندگی کا وبال بن جاتی ہے۔

(139) کیخسرو کی پیدائش اور افراسیاب کا زوال

مورخین کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد سیاوش نے ایک خواب دیکھا کہ اب اس کی زندگی کا آخری لمحہ قریب ہے۔اس نے اپنی اہلیہ سے کہا''ایسا گماں ہوتا ہے کہ میرے والد کی طرف سے مجھے ضرر پہنچنے والا ہے اور ہر حالت میں میری موت یقینی ہے۔ میرے والد یہ بھی جانتے ہیں کہ میں تم سے بے انتہا پیار کرتا ہوں۔ گمان غالب ہے کہ وہ تمھارے قتل کا ارادہ کریں لیکن پیران جو افراسیاب کا سپہ سالار ہے وہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ تم ذرا غور سے سنو۔ اپنے اس حمل کو ظاہر نہ کرنا۔ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام کیخسرو رکھنا اور اسے ایران بھیج دینا۔''

جب سودابہ کے بطن سے ایک بچے نے جنم لیا تو اس کی خبر پیران کو ملی۔ وہ فوراً افراسیاب کے پاس آیا اور اس کی ملامت کرنے لگا۔افراسیاب جو پہلے سے ہی پشیمان و پریشان تھا کہنے لگا ''میری بیٹی سیاوش سے حاملہ ہو چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ کوئی بچہ جنے۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں اسے ہی ختم کر دوں۔'' پیران نے کہا''بخدا! تمام دنیا آپ کی نادانی پر ہنسے گی اور آپ کی سخت دلی اور بداعتقادی پر ملامت کرے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اپنے ہی فرزند کو مار ڈالے اور وہ بھی بغیر کسی جرم و گناہ کے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ آپ سے نفرت کرنے لگیں گے۔''

افراسیاب نے جب یہ باتیں سنیں تو قدرے نرم پڑ گیا اور اپنی بیٹی کے قتل سے توبہ کی۔فوراً اپنی بیٹی کو پیران کے حوالے کیا۔چند ماہ بعد کیخسرو کی پیدائش ہوئی۔شکل و شباہت میں وہ اپنے باپ سیاوش سے مشابہ تھا۔پیران بہت خوش ہوا لیکن اس نے یہ ساری باتیں صیغۂ راز میں رکھیں۔ ایک دن جب افراسیاب کو قدرے ہشاش بشاش دیکھا تو اسے کیخسرو کی ولادت کی خبر دی۔افراسیاب نے کہا''میرا تو جی چاہتا ہے کہ اسے مار ڈالوں اور فتنہ کا سدباب کر دوں لیکن شفقت پدری اور تیری نصیحت مانع ہو رہی ہے۔بہتر یہ ہے کہ تو اسے اس کی ماں سے چھین کر کسی چرواہے کے حوالے کر دے تا کہ وہ کسی جنگل میں اس کی پرورش کرے۔ چرواہے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کس کا بچہ ہے اور ماں کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کا بچہ کسے سونپا گیا ہے۔''

پیران نے حکم شاہی کے بموجب اس بچہ کو ایک چرواہے کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ اس کی پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔ چرواہے نے بڑی محنت ومشقت سے اس بچے کی پرورش کی۔ سات سال کا طویل عرصہ گذر گیا۔ اتفاقاً پیران شکار کی غرض سے اس جنگل میں آیا۔ چرواہے سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ بچہ صحیح سلامت ہے اور بڑا ہو گیا ہے۔ ہمت ومردانگی کی ساری نشانیاں اس کے چہرے سے عیاں ہیں۔ بغیر کسی تعلیم وتربیت کے وہ تیر وکمان خود تیار کر لیتا ہے اور سارا دن شکار میں مشغول رہتا ہے۔ کبھی خرگوش تو کبھی لومڑی کا شکار کرتا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ پیران نے اس بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چرواہے نے فوراً اسے حاضر کیا۔ پیران اس بچے کا شیدائی بن گیا اور اپنے گھر لے گیا۔ کیخسرو بھی اس کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مست رہنے لگا۔ چند دنوں کے بعد اس نے افراسیاب کو یہ اطلاع دی کہ بچہ اور اس کی ماں اس کی تحویل میں ہیں۔ یہ سن کر افراسیاب اسے دیکھنے کے لیے مچل اٹھا اور لڑکے کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب لڑکے کو دیکھا تو اس کے دل میں شفقت پدری انگڑائی لینے لگی۔ اب اس نے یہ حکم جاری کیا کہ لڑکے کو اس کی ماں کے ساتھ سیاوش آباد پہنچا دیا جائے تاکہ وہ دونوں محفوظ رہ سکیں۔

جب ماں اور بیٹے سیاوش آباد پہنچے تو انھیں ایک دفینہ ہاتھ آ گیا اور وہ خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگے۔ دوسری طرف افراسیاب اپنی سلطنت کے انتظام وانصرام میں مشغول رہنے لگا لیکن کیخسرو کے حوالے سے اطلاعات متواتر ایران پہنچنے لگیں۔ افراسیاب کو ایک انجانا خوف دامن گیر ہوا۔ اس نے 'گیو' کو جو کہ انتہائی مکار اور دھوکے باز تھا، پوشیدہ طور پر 'سیاوش آباد' روانہ کیا۔ گیو سے کیخسرو کی ملاقات جنگل میں ہی ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور بغل گیر ہوئے۔ کیخسرو اسے اپنے گھر لے آیا اور ماں کے ساتھ مشورہ کیا۔ یہ طے پایا کہ وہ روانہ ہو جائیں اور دیکھیں کہ خداوند ایزدی نے ان کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سارا دن گھوڑا دوڑاتے رہے۔ جب تک کہ سیاوش آباد کے لوگوں کو خبر ہوتی وہ کافی دور جا چکے تھے۔ افراسیاب کو بھی اس کی بھنک مل گئی۔ اس نے فوراً ایک شخص کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ادھر وہ لوگ لمبی مسافت طے کر کے

دریائے جیحوں تک پہنچ چکے تھے۔ وہاں انھیں ایک کشتی کی حاجت ہوئی اور ملاح نے کشتی دینے سے انکار کر دیا۔

گیو نے کیخسرو سے کہا ''نصرت الٰہی تیرے ساتھ ہے۔ اگر تو چاہے تو ہزار جیحوں کو پار کر سکتا ہے۔ تجھے کس بات کا ڈر ہے۔ دریا میں گھوڑے دوڑا، ہم تیرے ہمراہ چلیں گے اور ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔'' کیخسرو نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور سلامتی و عافیت کے ساتھ دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ گیو اور کیخسرو کی ماں بھی دریا پار کر گئی۔ جب ایرانیوں کو کیخسرو کی آمد کا پتہ چلا تو وہ اس کے خیر مقدم کے لیے آگے بڑھے اور اسے دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو گئے۔

یہ چھوٹا سا کارواں جلد ہی کیکاؤس کے دربار میں حاضر ہوا۔ پوتے نے دادا کی تعظیم و تکریم کی اور اپنا سر تسلیم خم کر دیا۔ دادا نے پوتے کو گلے لگایا اور اپنے تخت پر بٹھایا۔ سپاہیوں نے وفاداری کے عہد کیے اور افراسیاب کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ جب کیکاؤس نے کیخسرو کا عزم بالجزم دیکھا تو رستم کو سیستان اور گودرز کو اصفہان سے طلب کیا۔ دوسرے سرداروں اور سپہ سالاروں کی بھی طلبی ہوئی۔ درفش کاویانی ان کے ہاتھوں میں دیا گیا۔ خزانوں کی کنجی کیخسرو کے سپرد کی گئی۔ اس طرح کیکاؤس نے سارے اختیارات اسے سونپ دیے۔

کیخسرو جنگ کی غرض سے بلخ کی طرف روانہ ہوا اور توران پر چڑھائی کی۔ افراسیاب میدان جنگ میں آیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے ہزاروں لوگ مارے گئے اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ یہ جنگ تقریباً چالیس سال تک چلتی رہی۔ آخر کار افراسیاب کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیخسرو نے شہر گنگ کا رخ کیا جو کہ افراسیاب کا پایہ تخت تھا۔ اس نے سارا شہر تباہ و برباد کر ڈالا اور ہزاروں افراد تہہ تیغ کر دیے گئے۔

جب جنگ کے بادل چھٹے تو کیخسرو نے جاسوس روانہ کیے تاکہ افراسیاب کا پتہ لگائیں۔ خبر ملی کہ وہ ملک چین میں مقیم ہے۔ کیخسرو نے چین پر لشکر کشی کی۔ چین کا شہزادہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ افراسیاب ''گنگدز'' نامی قلعے میں پناہ گزیں ہے۔

کیخسرو نے یہ حکم دیا کہ کشتیاں تیار کی جائیں۔ تمام سپاہی کشتیوں کے ذریعہ دریا کے پار اترے اور اس قلعہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ افراسیاب بجلی کے مانند وہاں سے بھاگا اور کہیں غائب ہوگیا۔ پھر کسی کو اس کی اطلاع نہیں ملی۔

اب افراسیاب کی ساری مملکت کیخسرو کے تسلط میں آ گئی۔ اس نے خراج کی شرح مقرر کی اور واپس ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے شہر گنگ پر بھی حملہ کیا اور اسے تاخت وتاراج کرتا ہوا کیکاؤس کے پاس پہنچا۔ کیخسرو نے یہ اعلان کیا کہ اگر کوئی افراسیاب کو دیکھے تو فوراً اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور پیش کرے۔

ایک مدت کے بعد افراسیاب نے آذربائیجان میں ایک زاہد کے عبادت خانے میں پناہ لی۔ زاہد نے اسے پہچان لیا اور اسے عبادت خانے میں ہی قید کر دیا۔ خود دوڑا دوڑا گیا اور گاؤں کے سارے لوگوں کو اس بات کی اطلاع دے دی۔ افراسیاب کافی ہوشیار تھا اور سحر کے علم سے بھی واقف تھا۔ اس نے جادو کے زور سے خود کو آزاد کر لیا اور غائب ہوگیا۔ جب گاؤں کے لوگ وہاں پہنچے تو افراسیاب کا کوئی پتہ نہ تھا۔ زاہد کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اتفاق سے ایک عورت نے یہ گواہی دی کہ اس نے ایک شخص کو عبادت خانے سے باہر آتے دیکھا ہے۔ اس نے عبادت خانے کے سامنے ایک حوض میں جست لگائی اور غائب ہوگیا۔ یہ سننا تھا کے اس علاقے کے لوگ اس حوض کے گرد جمع ہو گئے۔

گودرز بھی فوراً وہاں پہنچ گیا۔ افراسیاب کا بھائی کرسیوز اس کے قبضے میں تھا۔ کرسیوز نے حوض کے پانی کو لکڑی سے پیٹنا شروع کیا اور رونے لگا۔ افراسیاب نے جب اس کی فریاد سنی تو اس کا دل پگھل گیا۔ اس نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا۔ اسی لمحہ لوگوں نے کمند پھینکا اور افراسیاب کو پانی سے باہر لے آئے اور کیخسرو کے حضور پیش کیا۔ افراسیاب کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ کیخسرو نے اس پر رحم کرنا چاہا۔ گودرز یہ سارا منظر کھڑا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً تلوار نکالی اور افراسیاب کا سر قلم کر دیا۔ اس طرح اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوئی۔ کیخسرو نے خدا کا شکر ادا کیا۔

چند سال کے بعد کیکاؤس کا انتقال ہوگیا اور ایران وتوران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھوں میں آ گئی۔ جب اس کی حکومت کو مکمل استحکام حاصل ہوگیا تو اس نے اپنا تاج وتخت لہراسپ

کے سپرد کیا اور خود جنگل کی راہ لی۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی کوئی خبر ملی۔ کیکاؤس کی مدت حکومت 150 سال پہ محیط تھی اور کیخسر و نے تقریباً 60 سال تک حکمرانی کی۔

(140) لہراسپ کی بادشاہت اور گشتاسپ کا سفر روم

جب لہراسپ تخت شاہی پہ جلو افروز ہوا تو اس نے امور سلطنت کو نئے طرز پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ سپاہیوں، تاجروں اور دوسرے ماہرین فن کو علیحدہ علیحدہ درجات و مراتب عطا کیے اور نئے وزرا مقرر کیے۔ سارے ملک میں ترقی وخوشحالی کا دور دورہ ہوا۔

لہراسپ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام گشتاسپ اور دوسرے کا نام زریر تھا۔ دونوں ہی انتہائی خوبرو اور جاذب نظر تھے۔ لہراسپ سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے کیکاؤس کی اولاد کو اپنی اولاد پر فوقیت دی۔ اس نے اپنے ساری منافع بخش ریاستوں کو ان کے سپرد کر دیا۔ گشتاسپ کو باپ کی یہ بات پسند نہ آئی اور وہ ناراض ہوکر روم چلا گیا۔ وہاں فریدون کے وارثین میں سے ایک نے اس کی پذیرائی کی اور اسے اپنے محل میں جگہ دی۔

اہل روم کی ایک عادت یہ تھی کہ جب بادشاہ کی کوئی لڑکی عہد شباب کو پہنچتی تو وہ لوگوں کو جمع کرتے۔ اس مجمع میں ایسے تمام لوگ حاضر ہوتے جو شادی کی اہلیت رکھتے تھے۔ پھر لڑکی سے کہا جاتا کہ وہ پھولوں کا ایک ہار لے کر جائے اور اس شخص کے گلے میں ڈال دے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے درمیان رفاقت ومحبت کا رشتہ قائم ہو۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ اس وقت گشتاسپ ملک روم کے سفر پر تھا اور اس موقع پر وہاں حاضر تھا۔ قیصر روم کی بڑی صاحبزادی کو نکاح کی غرض سے وہاں لایا گیا۔ جب شہزادی کی نگاہ حسین و جمیل شہزادے گشتاسپ پر پڑی تو وہ اسے دل دے بیٹھی اور پھولوں کی مالا اس کے گلے میں ڈال دیا۔ چونکہ اس محفل میں گشتاسپ کی حیثیت ایک اجنبی کی تھی اور وہ ظاہری آرائش وزیبائش سے عاری تھا۔ قیصر روم کو اپنی بیٹی کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ وہ کافی رنجیدہ ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ بلا کسی تکلف کے اسے اسی کپڑے میں اس کے شوہر کے حوالے کیا جائے اور شہر بدر کر دیا جائے۔

جب شہزادی کو گشتاسپ کے سپرد کیا گیا تو اس نے کہا ''تم ناز ونعمت میں شاہی ایوان کے اندر پلی بڑھی ہو۔ میں اس وقت ایک پردیسی ہوں اور میرے پاس مال و دولت بھی نہیں۔ شاید تمھیں یہ سب راس نہ آئے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم قیصر روم کے پاس واپس چلی جاؤ اور خوش وخرم زندگی بسر کرو۔'' شہزادی نے کہا ''میں تمھیں پیار کرتی ہوں۔ میرے نزدیک مال ومتاع کی کوئی اہمیت نہیں۔ اب یہی خدا کی مرضی ہے تو گلہ کس بات کا۔'' دونوں اسی حال میں شہر کے حدود سے باہر نکل آئے اور ایک سرسبز وشاداب مقام پر اپنا مسکن بنا ڈالا۔

جب جب گشتاسپ شکار کے لیے نکلتا قیصر روم کو خبر ہو جاتی۔ ایک دن قیصر نے گشتاسپ کو اپنے محل میں آنے کی دعوت دی تا کہ اس کا امتحان لے۔ وہ ہر امتحان میں کھرا اترا اور ہر فن میں یکتائے روزگار ثابت ہوا۔ قیصر نے معذرت طلب کی اور کہا ''مجھ سے انجانے میں بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ تمھاری صورت و سیرت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم ایک عالی نسب جوان ہو۔ آخر یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کس خاندان سے ہو؟''

گشتاسپ نے اپنا نام ونسب بتا دیا۔ بادشاہ نے بھی اس کی تصدیق کر لی۔ پھر کیا تھا اس نے اپنے داماد اور بیٹی کو بیش قیمت انعام واکرام سے نوازا۔ ایک دن قیصر نے گشتاسپ کی دعوت کی اور کہا ''اے شہزادے! کیا تم چاہتے ہو کہ ایران کی بادشاہت تمھارے ہاتھوں میں ہو؟'' گشتاسپ نے کہا ''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' قیصر نے فوراً اپنا ایک قاصد سخت پیغام کے ساتھ لہراسپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ خط میں لکھا تھا ''آپ ہر سال بلا کسی استحقاق کے مجھ سے خراج وصول کرتے ہیں اور میرے ایک وسیع علاقے پر قابض بھی ہیں۔ اگر آپ میرے مقبوضہ علاقے واپس کر دیں تو میں صلح پہ قائم رہوں گا ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔''

جب یہ خط لہراسپ کے سامنے پڑھا گیا تو وہ سمجھ گیا کہ اس جرأت کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ اس نے قاصد کا احترام کیا اور ایک جماعت کو اس پر متعین کر دیا تا کہ وہ شراب کی محفل سجائے اور جب وہ نشہ کی حالت میں ہوں تو حقیقت حال دریافت کرے۔ اس جماعت نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور جلد ہی بادشاہ کو اس حقیقت کی اطلاع بہم پہنچائی۔ لہراسپ کو بھی اپنی مملکت کی بھلائی اس بات میں نظر آئی کہ وہ اپنا تاج وتخت اپنے بیٹے

گشتاسپ کے حوالے کر دے۔لہٰذا اس نے گشتاسپ کے نام ایک خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا ''تو مجھے سارے جہاں سے زیادہ عزیز ہے۔بادشاہ کے لیےضروری ہے کہ وہ جہاں دیدہ و تجربہ کار ہو۔ چونکہ اب تو ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہو چکا ہے میں چاہتا ہوں کہ سلطنت کی باگ ڈور تیرے حوالے کردوں اور عبادت و استغفار میں لگ جاؤں۔''

لہراسپ نے گشتاسپ کے بھائی کو قاصد بنا کر بھیجا۔ باپ کا یہ پیغام مژدہ سے کم نہ تھا۔گشتاسپ بہت خوش ہوا اور قیصر روم کو بھی بڑی مسرت ملی۔قیصر نے اپنی بیٹی اور داماد کو تمام تر شان وعظمت کے ساتھ روانہ کیا۔

گشتاسپ کے ایران پہنچنے پر لہراسپ نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ایران کی سلطنت گشتاسپ کے سپرد کی،خود بلخ چلا گیا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگیا۔لہراسپ کا عہد حکومت 120 سال کی مدت پہ محیط ہے۔اس نے اپنے دورحکومت میں اچھے اور صحت مند رسوم ورواج کی بنیاد رکھی اور ملک میں امن وامان قائم کیا۔

(141) گشتاسپ کے عہد میں زرتشت کی سرپرستی

گشتاسپ بڑا ہی نیک، دانشمند اور خوش کلام بادشاہ تھا لیکن اس نے اپنے دورحکومت میں بڑی بڑی غلطیاں بھی کیں۔گشتاسپ کے عہد میں ہی زرتشت پیدا ہوا۔وہ فلسطین کا رہنے والا تھا۔ایک مدت تک وہ ایک ممتاز عالم کی خدمت میں رہا تھا اور سارے علوم پہ دسترس بھی حاصل کرلی تھی۔لیکن بعد میں وہ اپنے استاد سے منحرف ہوگیا اور بہتان تراشی پہ اتر آیا۔اس بزرگ عالم کی بددعا کے سبب اسے کوڑھ کا مرض لاحق ہوگیا۔وہ بھاگا بھاگا آذربائیجان پہنچا۔ وہاں اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گشتاسپ کی حکومت رو بہ زوال تھی۔امراووزرااس کے مطیع نہ تھے۔رستم کو بھی اس کی پرواہ نہ تھی۔

جب زرتشت کے ظہور کی اطلاع گشتاسپ کو ملی تو اس نے پوشیدہ طور پراس کے پاس اپنے قاصد روانہ کیے اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ زرتشت نے بلخ میں قیام کیا اور اپنے معجزات دکھائے۔گشتاسپ نے اس کی تصدیق کی اور اس کے پیروکاروں میں شامل ہوگیا۔

جس کسی نے بھی زرتشت کی مخالفت کی اسے موت کا مزہ چکھنا پڑا۔نتیجہ کے طور پر دین زرتشت کی جڑیں استوار ہوگئیں۔

زرتشت نے ژند و پاژند نامی کتابیں لکھیں۔ بادشاہ کے حکم سے بارہ ہزار چرم گاؤ پر اس کلام کو آب زر سے لکھا گیا اور اصطخر کے قلعے میں رکھا گیا۔گشتاسپ نے اپنی رعایا کو اس کی تعلیمات سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ زرتشت نے ناراض ہوکر بلخ کو خیر باد کہا اور دوسرے شہروں میں گھومتا رہا۔اس نے تقریباً پینتیس سال دعوت وتبلیغ میں گذارے اور ملک کے بیشتر لوگ اس کے پیرو کار بن گئے۔ اتفاقاً شہرُ نسا' میں کسی شخص نے اسے قتل کر دیا۔اس وقت زرتشت کی عمر ستہتر 77 سال کی تھی۔ جب یہ خبر جانکاہ گشتاسپ تک پہنچی تو وہ بہت ہی رنجیدہ ہوا۔ اس نے قاتل کو ڈھونڈ کر قتل کروا ڈالا۔ گشتاسپ نے جاماسپ کو زرتشت کا جانشین قرار دیا۔ جاماسپ کی رہبری میں دین زرتشت کو بڑی کامیابی ملی۔

(142) گشتاسپ اور ارجاسپ کے درمیان جنگ

گشتاسپ کے دور حکومت میں توران پر ارجاسپ کی حکمرانی قائم تھی جو افراسیاب کی اولاد میں تھا اور ایرانیوں سے انتقام کا جذبہ رکھتا تھا۔جب اسے گشتاسپ کی تبدیلی مذہب کی خبر ملی تو وہ جنگی تیاریوں میں لگ گیا۔

حسن اتفاق اسی زمانے میں گشتاسپ نے ارجاسپ کے نام ایک خط لکھا اور دین زرتشت کی دعوت دی۔ جب قاصد پیغام لے کر ارجاسپ کے پاس پہنچا تو اس نے سخت جواب ارسال کیا اور لکھا ''تم نے جو کچھ کیا ہے وہ اس قدر قابل تحسین نہیں کہ تم دوسروں کو اس دین کی دعوت دو۔اگر تم اس دین سے باز نہ آئے تو میں اپنی دینی حمیت کی خاطر فوج کشی کروں گا اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا۔''

ارجاسپ کا یہ پیغام سن کر گشتاسپ بے حد متفکر و پریشان ہوا۔سخت لفظوں میں ایک خط ارجاسپ کے نام روانہ کیا اور جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔جب جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی تو وہ روانہ ہوا۔ پہلی منزل پر پہنچ کر اس نے جاماسپ سے اپنی قسمت کے ستاروں کا حال جاننا

چاہا۔ جاماسپ نے پہلے تو کئی بہانے تراشے لیکن گشتاسپ کے بے حد اصرار پر ساری باتیں صاف صاف بتادیں۔ اس نے کہا''جنگ کے آغاز میں آپ کے بے شمار اعزا و اقارب اور وزرا و امرا مارے جائیں گے لیکن آخر کار فتح و کامرانی آپ کے حصے میں آئے گی۔'' گشتاسپ اس پیشگوئی کو سن کر بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا''موت تو برحق ہے۔ گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہے کہ وہ کسی نیک مقصد کے لیے قتل کیا جائے۔ لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور اپنے گماشتوں اور جاسوسوں کو آگے بھیجا۔

میدان جنگ میں دونوں طرف کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جنگ کے بگل بجے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ آٹھ دنوں تک آسمان خون کے آنسو روتا رہا۔ ایران کے چھ نامور سپہ سالار قتل کر دیے گئے اور بادشاہ کے دو بیٹوں نے باپ کی نظروں کے سامنے جام شہادت نوش کیا۔ جب زریر کے بیٹے اسفندیار اور دوسرے سورماؤں نے یہ منظر دیکھا تو انتہائی جوش و جذبہ کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور ایک ہی حملہ میں ترکوں کو منتشر کر دیا۔ ارجاسپ کے سپاہی شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور ارجاسپ بھی مغموم و شکست خوردہ واپس ہوا۔

جنگ میں اس شاندار کامیابی پر گشتاسپ نے اپنے سپاہیوں کی بڑی تعریفیں کیں اور انھیں انعام و اکرام سے نوازا۔ اپنی کامیابی کو یادگار بنانے کے خاطر اس نے شہر بلخ میں ایک آتش کدہ تعمیر کیا جسے لوگ آج کل ''اذرنوش'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گشتاسپ خود بلخ میں مقیم رہا اور اسفندیار کو عراق کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ اس ملک کے نظم و نسق کو درست کرے۔

(143) اسفندیار کی گرفتاری اور رہائی

اسفندیار ملک عراق پہنچ کر بادشاہت کا خواب دیکھنے لگا۔ اس مقصد کے پیش نظر اس نے اپنے باپ گشتاسپ کو معزول کرنا چاہا۔ ابھی وہ اس طرح کے منصوبے بنا ہی رہا تھا کہ گشتاسپ کے مخبروں نے اسفندیار کی بغاوت کی خبر دی۔ گشتاسپ نے فوراً جاماسپ کو عراق کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ اسفندیار کو اس کی خدمت میں حاضر کرے۔

جاماسپ سیدھے اسفندیار کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ اس کے پاس اب کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ جاماسپ کے ساتھ ہولیا اور گشتاسپ کے دربار میں پہنچا۔ بادشاہ اسے دیکھتے

ہی برافروختہ ہوگیا اور کہنے لگا ''تمھیں شرم نہیں آتی۔ میرے ہوتے ہوئے تم تخت وتاج کا خواب دیکھ رہے ہو۔ میں تمھیں ایسی سزا دوں گا کہ دوسرے بھی اس سے عبرت حاصل کریں گے۔''

گشتاسپ نے حکم دیا کہ اسفندیار کو زنجیروں میں جکڑ کر قلعہ حصین میں مقید رکھا جائے۔ قلعہ کے اندر اور باہر سخت پہرے دار مقرر کیے گئے۔ جب یہ خبر ارجاسپ کو ملی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسے سخت تعجب بھی ہوا کہ بادشاہ نے اسفندیار جیسے فرزند کو کیسے قید کیا۔ اس نے فوراً یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اب گشتاسپ کے برے دن آ گئے ہیں۔ موقع غنیمت جانا اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اچانک بلخ پر حملہ بول دیا۔

لہراسپ اب بھی زندہ تھا لیکن کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ ضعف پیری کے باوجود اس نے اچانک حملہ کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور دشمن کے ہزاروں سپاہیوں کو موت کی نیند سلا دی۔ ضعف پیری کے باوجود اس نے تقریباً ایک سو سپاہیوں کو مار گرایا۔ بعضوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسفندیار قید سے آزاد ہو چکا ہے۔ آخر کار لہراسپ جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ ترکوں نے شہر بلخ میں لوٹ مار مچائی۔ تمام آتش کدے بند کر دیے گئے۔ ستر مجوسی علما کو پھانسی دے دی گئی اور گشتاسپ کی بیٹیاں گرفتار کر لی گئیں۔

لہراسپ کی موت کی خبر سن کر گشتاسپ کافی رنجیدہ ہوا۔ وہ فوراً ایک بڑی فوج لے کر آگے بڑھا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ تین دن اور تین رات جنگ جاری رہی۔ جنگ میں گشتاسپ کا ایک بیٹا شہید ہو گیا اور بیشتر سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ گشتاسپ کو ایک پہاڑی میں پناہ لینا پڑی۔ ارجاسپ بلخ اور آس پاس کے دوسرے علاقوں پر قابض ہو گیا۔

گشتاسپ نے اس پریشانی کے عالم میں جاماسپ کو اسفندیار کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے میدان جنگ میں آنے کی تلقین کرے۔ جاماسپ برق رفتاری کے ساتھ قلعہ اصطخر پہنچا اور اسفندیار کو باپ کا پیغام سنایا۔ اسفندیار نے باپ کا عذر ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسے بغیر کسی جرم کے سزا دی گئی ہے۔ جاماسپ نے کہا ''بھائی جان! ابا جان نے جو کیا سو کیا۔ اس میں بھائیوں کا کیا قصور ہے۔ آج ہمارا بھائی ارجاسپ کے ہاتھوں شہید ہوا ہے اور ہم پر

یہ فرض ہے کہ ہم اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لیں۔ ہماری بہنیں بھی ترکوں کے ہاتھوں میں غیر محفوظ ہیں۔''

جب اسفندیار نے ساری باتیں سنیں تو اس کی غیرت وحمیت کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ساتھ جانے کے لیے راضی ہوگیا۔ جاماسپ نے لوہار کو بلاکر اسے بیڑیوں سے آزاد کیا۔ اسفندیار نے کہا''اتنے دنوں تک میرا پابہ زنجیر رہنا اختیاری تھا نہ کی جبری۔ اس میں بھی والد کی رضا کو دخل تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی رضا کے خلاف آزاد گھوموں۔''

اسفندیار نے نہادھوکر جنگی لباس زیب تن کیے اور جاماسپ کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ براہ راست اس پہاڑی کے دامن میں پہنچے جہاں ارجاسپ اپنے سپاہیوں کے ساتھ منتظر تھا۔ اسے پہاڑی کے اوپر جانے کا ایک راستہ معلوم تھا لیکن رات کافی ہوچکی تھی۔ اچانک سپاہیوں کی ایک جماعت ان کے پاس آئی اور پوچھا''آپ کون ہیں؟''اسفندیار نے کہا''ہمیں 'کراہم' نے بھیجا ہے۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ آج رات اسفندیار قلعۂ اصطخر سے یہاں پہنچا ہے اور از راہ فریب پہاڑی کے اوپر جا چھپا ہے جبکہ تم غفلت میں پڑے ہو۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم تمھاری گردن اڑادیں۔'' یہ کہہ کر وہ ان پر جھپٹ پڑا اور آن کی آن میں ان کا کام تمام کردیا۔

اس واقعہ کے بعد اسفندیار پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گشتاسپ نے اپنے کیے پر معذرت چاہی اور لطف ومہربانی سے پیش آیا۔ اسفندیار نے لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیا اور تین دنوں بعد اپنے سپاہیوں کے ساتھ پہاڑ کے نیچے آیا۔ وہاں ارجاسپ کے سپاہی پہلے ہی سے صف آرا تھے۔ جنگ کا آغاز ہوا۔ تلواریں چمک اٹھیں اور دشمنوں کی صفیں الٹ دی گئیں۔ اسفندیار بھوکے شیر کی طرح صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور دشمن خاک وخون میں نہاتے رہے۔ آخر کار ارجاسپ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بیشتر سپاہی مارے گئے یا قید کرلیے گئے۔ اسفندیار فتح وکامرانی کا پرچم لہراتا ہوا اپنے والد کے پاس پہنچا۔ گشتاسپ نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا اور خوب پذیرائی کی۔

(144) اسفندیار کا قلعہ روئین پر تسلط

ارجاسپ کے خلاف جنگ میں شاندار کامیابی کے بعد اسفندیار کا ستارہ نصف النہار پر پہنچ گیا۔ جنگ کے دوران گرفتار شدہ تمام قیدی اس کے روبرو حاضر کیے گئے۔ اس نے بعضوں کو رہا کر دیا اور بعضوں کو سزا سنائی۔ ان قیدیوں میں گرگ سار نامی ایک شخص بھی تھا جو نہایت ہی ہوشیار اور عقلمند تھا۔ اسفندیار نے چاہا کہ اس کا سر قلم کر دے۔ گرگ سار موقع کی نزاکت کو بھانپ گیا اور کہنے لگا ''اگر میرے قتل سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو سر تسلیم خم ہے۔ لیکن اگر میں جان کی امان پاؤں تو میں آپ کی ایسی خدمت کر سکتا ہوں جو لاکھوں سوار بھی نہ کر پائیں گے۔''

اسفندیار نے پوچھا ''تم کیا خدمت انجام دے سکتے ہو؟'' گرگ سار نے جواب دیا ''میں قلعہ روئین کا پتہ بتا سکتا ہوں جہاں اس وقت ارجاسپ موجود ہے۔ اس کا خزانہ بھی وہاں ہے اور تمھاری بہنیں بھی وہیں مقید ہیں۔'' اسفندیار بہت خوش ہوا اور کہنے لگا ''اگر تم یہ خدمت انجام دیتے ہو تو میں سارا ترکستان تمھیں بخش دوں گا۔ اب یہ بتاؤ کہ وہاں تک جانے کا راستہ کیا ہے اور وہ قلعہ کتنی دوری پر واقع ہے۔''

گرگ سار نے کہا ''اس قلعہ تک پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ ایک راستہ جو نہایت ہی سرسبز اور پر عافیت ہے تین ماہ کو محیط ہے۔ دوسرا راستہ جو ویران وسنسان ہے دو مہینہ میں طے کیا جا سکتا ہے۔ تیسرا راستہ وہ ہے جس پر چل کر صرف سات دنوں میں منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے لیکن اس کی ہر منزل حیرت انگیز اور محیر العقول واقعات وسانحات سے پر ہے۔ پہلی منزل پر دو بھیڑیے دکھائی دیں گے، دوسری منزل پر دو شیر ببر کھڑے ہوں گے، تیسری منزل پر ایک ایسا اژدہا ہے جس کے زہر کی ہیبت سے پہاڑ بھی کانپتا ہے، چوتھی منزل پر ایک جادوگرنی کا بسیرا ہے جو اپنے مکر وفریب سے لشکر جرار کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیتی ہے، پانچویں منزل پر ایک سیمرغ ہے جس کا مقابلہ انتہائی دشوار ہے، چھٹی منزل پر ایسی کڑاکے کی سردی پڑتی ہے جو ناقابل برداشت ہے اور ساتویں منزل پر ایک بیابان ہے جہاں پانی موجود نہیں اور اڑتی ہوئی ریت انتہائی ہلاکت خیز ہے اور کوئی بھی ان آفتوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔

اسفندیار نے کہا ''میں تو بس تیسرے راستے کو اپناؤں گا اور خدا کے فضل و کرم سے اپنا سفر جاری رکھوں گا۔ لہٰذا اس نے ایک لشکر جمع کیا اور نکل پڑا۔ گرگ سار کی رہبری میں یہ کارواں آگے بڑھتا رہا۔ جب پہلی منزل پر پہنچا جہاں دو بھیڑیوں کا خطرہ تھا اسفندیار نے اپنے لشکر کو اپنے بھائی 'پشوتن' کے سپرد کیا اور خود آگے بڑھ کر بھیڑیوں کے شر سے خلاصی حاصل کی۔ اسی طرح ہر منزل سے وہ کامیاب و کامران گذرتا رہا۔ جب سارے دشوار گزار راستے طے ہوگئے اور ساری بلاؤں سے چھٹکارا مل گیا تو ساتویں منزل پر پہنچا جو کہ آخری منزل تھی۔ گرگ سار کی اطلاع کے بموجب یہ ایک بے آب و گیاہ بیابان تھا۔ لہٰذا اسفندیار نے اپنے جانوروں کو سیراب کرنے کا حکم دیا اور راتوں رات کوچ کرنے کی ٹھانی۔ تھوڑی دوری پر اسے ایک بڑا دریا ملا۔ گرگ سار نے اسے عبور کرنے کا مشورہ دیا۔ دریا عبور کرتے ہوئے اس کے بیشتر سپاہی اور جانور ہلاک ہوگئے۔

اسفندیار نے گرگ سار سے برہمی کا اظہار کیا اور کہا ''تم نے تو اس دریا کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہا۔'' گرگ سار نے جواب دیا ''مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ تم کسی ایک خطرے کا بھی مقابلہ کر پاؤ گے۔ اگر میں جانتا کہ تم اتنی آسانی سے اس راستے کو طے کرلوگے تو میں ہرگز تمھیں اس راستے پر نہیں لاتا۔ اب مجھے سکون مل گیا کیونکہ اس طرح میں نے ارجاسپ کی نمک خواری کا حق ادا کردیا۔'' اسفندیار نے کہا ''کیا کوئی عاقل ایسا کوئی کام کرتا ہے جس سے اس کے اچھے ایام برے ایام میں تبدیل ہوجائیں۔ میں نے تو تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں ترکستان پر قابض ہوا تو اس کی بادشاہت تیرے حوالے کردوں گا۔ پھر تو نے ایسا کیوں کیا؟'' گرگ سار نے کہا ''میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ ویسے اس دریا کا ایک کنارہ ہے جہاں سے قلعہ روئین صاف دکھائی دیتا ہے۔'' اسفندیار نے اس دریا کو با آسانی عبور کرنے کے بعد چشم زدن میں گرگ سار کا تن سر سے جدا کردیا کیونکہ وہ اس کے مکر وفریب سے نالاں تھا۔

اسفندیار ایک اونچے مقام پر پہنچا اور دور سے روئین کے قلعے کو دیکھنے لگا۔ اسے اس قلعے کی تسخیر کے حوالے سے ایک تدبیر سوجھی۔ بھائی سے کہا ''تم لشکر کے ساتھ یہیں قیام کرو۔ میں اس قلعہ کے اندر جاتا ہوں اور کسی صورت اس کے بالائی حصے پر پہنچنے کو کوشش کرتا ہوں۔

تم شب و روز انتظار کرو۔ اگر دن کے وقت قلعہ کی چھت پر دھواں بلند ہوتا دکھائی دے تو رات زبردست آتش زنی دیکھو گے۔تم اسی اثنا میں اپنے لشکر کو لے کر قلعے کی طرف بڑھنا تا کہ ہم اس قلعہ پر قابض ہو جائیں۔''

الغرض اسفندیار نے ایک تاجر کا روپ اختیار کیا اور چند اونٹنیوں پر ایران کی پسندیدہ اور عمدہ چیزیں رکھیں۔ ساٹھ اونٹنیوں پر صندوق رکھے گئے اور ہر صندوق میں ایک بہادر سپاہی مع ہتھیار بٹھایے گئے۔صندوق مقفل کیے گئے۔ جب یہ کارواں قلعہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے ایک شخص کو ارجاسپ کے پاس بھیجا۔وہ اس کے دربار میں حاضر ہوا اور کہا ''میں ایران کا رہنے والا ہوں اور پیشے سے تاجر ہوں ۔ میں گھوم گھوم کر اپنا سامان تجارت فروخت کرتا ہوں۔اگر آپ کی اجازت ہو تو میں وہ ساری چیزیں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

ارجاسپ نے اس تاجر کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ وہ قلعے میں اپنا سامان فروخت کر سکتا ہے ویسے بادشاہوں کو تاجروں کی چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔ اسفندیار نے کہا'' آپ کے حضور میری درخواست یہ ہے کہ آپ میرے لیے اس قلعے کے اندر ایک ایسی جگہ مختص کر دیں جہاں میں اپنا سامان تجارت رکھ سکوں تا کہ لانے اور لے جانے کی زحمت نہ ہو اور بوقت ضرورت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بھی حاصل کرتا رہوں۔'' ارجاسپ نے قلعے کے اندر ایک محل کو خالی کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی اونٹنیاں اور سامان تجارت وہاں رکھ سکے۔ چند دنوں کی مدت میں اسفندیار کو ارجاسپ کا اعتماد حاصل ہو گیا۔

ایک دن اسفندیار نے ارجاسپ سے کہا''میں نے آپ کے وزرا و امرا کے لیے خاص تحفے تیار کیے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ انھیں یہ تحفے پیش کروں۔اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی دعوت کروں کیونکہ میں اسے ضروری سمجھتا ہوں۔ارجاسپ نے اجازت دے دی اور اسفندیار نے ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ کھانا تیار کرنے کی غرض سے اس نے بہت ساری لکڑیاں خریدیں اور قلعے کی چھت پر لے گیا۔ارجاسپ کے وزرا و امرا اس دعوت میں شریک ہوئے۔اسفندیار نے ان کی خدمت میں قیمتی شراب پیش کیے۔ وہ شراب کا لطف لیتے رہے اور پینے پلانے کا دور کافی دیر تک چلتا رہا۔

جب ارجاسپ کے سارے امرا، وزرا اور سپاہی نشے میں دھت ہو گئے تو وہ چھت پر گیا اور لکڑیوں میں آگ لگا دی۔ وہ فوراً نیچے آیا اور یکے بعد دیگرے سپاہیوں کو قتل کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے سارے صندوق کھول ڈالے اور ہر صندوق سے ایک سپاہی نمودار ہوا۔ سارے سپاہی ہاتھوں میں تلوار لیے ارجاسپ کے محل کے دروازے پر جا پہنچے۔ راستے میں جو بھی آیا، قتل کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ محل کے اندر داخل ہو گئے اور ارجاسپ کی خواب گاہ تک پہنچ گئے۔ ارجاسپ کے سپاہیوں نے زبردست مقابلہ کیا لیکن اپنے بادشاہ کی محافظت میں ناکام رہے۔ ارجاسپ کا سر تن سے جدا کیا گیا اور اسفندیار کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

ارجاسپ کے قتل کے بعد اس کے سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور جان کی امان چاہی۔ اسی اثنا میں پشوتن اپنے لشکر کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو گیا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ جلد ہی قلعۂ روئین ان کے قبضے میں آ گیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنی دو بہنوں 'طمار' اور 'بہ آفرین' کو قید سے آزاد کروایا۔ اس کامیابی کے بعد وہ اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔

(145) اسفندیار اور رستم کے درمیان جنگ

ارجاسپ کا کام تمام کرنے کے بعد اسفندیار اپنے وطن واپس آیا اور اپنے والد گشتاسپ کی خدمت میں باریابی حاصل کی۔ گشتاسپ نے اسفندیار کو اس مہم پر بھیجنے سے قبل یہ وعدہ کیا تھا کہ اس مہم کی کامیابی پر وہ اپنا تخت و تاج اس کے حوالے کر دے گا۔ جب اسفندیار اس مہم سے کامیاب لوٹا تو گشتاسپ نے بہانے تراشنا شروع کر دیے۔ اسفندیار کو یہ بات بری لگی۔ وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا ''امی جان! والد محترم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اس مہم سے واپس لوٹوں گا تو وہ اپنا تخت و تاج میرے سپرد کر دیں گے۔ اب وہ بہانے بنا رہے ہیں۔ اس طرح وہ میری محنت کو ضائع کر رہے ہیں اور وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔'' ماں نے بیٹے سے کہا ''میرے لخت جگر! ساری حکومت و سلطنت تو تمھاری ہی ہے۔ اگر تھوڑے دن اور صبر کر لو تو وہ خود بخود تمھیں ساری ذمہ داری سونپ دیں گے۔''

اسفندیار نے جب یہ دیکھا کہ اس کی ماں صرف دلاسا دے رہی ہے تو اس نے باپ کے نام ایک پیغام بھیجا جس کا مفہوم کچھ یوں تھا: ''بادشاہ کے مذہب میں وعدہ خلافی حرام ہے اور آپ ہیں کہ بہانے تراش رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟'' گشتاسپ نے جب یہ سنا تو اسفندیار کو بلا کر کہا''تم سچ کہتے ہو۔ بادشاہت کے حق دار تو تم ہی ہو۔لیکن میرے سامنے ایک اور مہم بھی ہے جسے سر کرنا باقی ہے۔ اگر تم ذرا سی زحمت کرو تو تمھارے مستقبل کے لیے بہتر ہوگا۔ ساری رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی اور میرے لیے کوئی بہانہ بھی باقی نہ رہے گا۔''

گشتاسپ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا''ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے رستم کی کیسی سرپرستی کی ہے۔ گرچہ وہ ہمارا ہی پروردہ ہے لیکن بعض معاملات میں اس نے تغافل سے کام لیا ہے اور سستی دکھائی ہے۔اگر کبھی وہ علم بغاوت بلند کرے تو ہمارے دوسرے امرا بھی اس کی پیروی کریں گے اور ایسی صورت میں تمھاری مشکلیں بڑھ جائیں گی۔بہتر یہ ہوگا کہ تم خود کو میرا نائب تصور کرو اور سیستان کا رخ کرو۔فوراً رستم کو گرفتار کر کے میرے سامنے حاضر کرو تا کہ میں تمھارے سامنے اسے برا بھلا کہوں اور کبیدہ خاطر کر دوں اور پھر تمھاری سفارش پر اسے رہا کر دوں۔ ایسی صورت میں وہ ہمیشہ تمھارا ممنون وفرماں بردار رہے گا۔اگر وہ انکار کرے تو تم اس کا کام تمام بھی کر سکتے ہو تا کہ دنیا میں تمھاری ہمت و مردانگی کا چرچا ہو۔اس مہم کو سر کرنے کے بعد زمام سلطنت تمھارے ہاتھوں میں ہوگا۔''

اسفندیار نے کہا''ابا جان! میں رستم سے خائف نہیں ہوں۔اس نے ہمارے خاندان کی بڑی خدمت کی ہے اور صرف ایک گناہ کے سبب ہم ان خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔علاوہ ازیں رستم جیسا سپہ سالار تو ہزاروں میں ایک ہے۔ اسے یونہی ہلاک کرنا مناسب نہیں۔''

گشتاسپ نے سمجھاتے ہوئے کہا''تم جو کہہ رہے ہو، میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن امور سلطنت اس قدر آسان نہیں۔اگر کوئی دانت سڑ جائے تو ہم اسے نکال پھینکتے ہیں اگر چہ وہ بڑے کام کی چیز ہوتی ہے۔رستم کی خطائیں بھی کم نہیں؛ وہ کبھی کبھی ضد پر اتر آتا ہے اور اپنی سربلندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں میرے بعد وہ تمھیں نقصان نہ پہنچائے۔اگر میری بات سمجھ میں آتی ہے تو اس پر عمل کرو، ورنہ تمھاری مرضی۔''

اسفندیار کے سامنے کوئی چارہ نہ تھا۔وہ اپنے فوجی افسروں اور اپنے بھائی پشوتن کو ساتھ لے کراس مہم پر روانہ ہوا۔ پہلی منزل پر ہی اسے غراتا ہوا ایک شیر ملا۔ اسے اس نے فال بدتصور کیا۔لیکن وہ بدستور چلتا رہا اور دریائے میرمند کے نزدیک پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے بہمن کوبطور قاصد رستم کے پاس بھیجا۔ ہدایت کے لہجہ میں بیٹے سے مخاطب ہوکر کہا''رستم سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ ایک عرصے سے جہاں پناہ نے آپ کا دیدار نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کی طرف سے بدگمان ہونے لگے ہیں۔لوگوں نے بھی آپ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ میں بادشاہ کے حکم سے آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ کو ان کی خدمت میں حاضر کروں۔ اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو پھر ہماری تلواریں ہمارا فیصلہ کریں گی۔''

بہمن یہ پیغام لے کر سیستان کی طرف روانہ ہوا۔ ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو شکل وصورت سے کسان دکھائی دیتا تھا۔اس نے اس شخص کوسلام کیا اور کہا''ایسا لگتا ہے کہ آپ رستم کے والد ہیں۔''زال نے کہا''مجھے بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم بادشاہ کے پوتے ہو۔''اس نے کہا''جی ہاں! آپ نے درست فرمایا۔ میں گشتاسپ کا پوتا اور اسفندیار کا بیٹا بہمن ہوں۔میرے والد نے مجھے آپ کے بیٹے کے پاس بھیجا ہے۔آپ ان کا پتہ بتائیں تاکہ میں انھیں بادشاہ کا پیغام پہنچاؤں۔''

زال نے اس کی تعظیم کی اور کہا''تھوڑی دیر انتظار کرو۔ رستم شکار پہ گیا ہے۔'' بہمن نے کہا''مجھے ٹھہرنے کا حکم نہیں۔''زال نے فوراً ایک شخص کواس کے ساتھ رستم کی نشاندہی کے لیے بھیجا۔بہمن نے دیکھا کہ رستم کے سامنے شراب کا ایک مشک رکھا ہے اور وہ ایک گورخر کو بھون رہا ہے۔وہ یہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ اس کے والد ایسے شخص کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے لیکن ہمت کرکے آگے بڑھا اور سلام بجالایا۔

جب رستم بہمن سے متعارف ہوا تو کھڑے ہوکر اس کی تعظیم کی، اونچے مقام پر بٹھایا اور خود ایک خادم کی حیثیت سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔شراب و کباب سے اس کی پذیرائی کی۔بہمن اس کی شخصیت اور مہمان نوازی سے کافی متاثر ہوا۔کھانے سے فارغ ہونے کے

بعد رستم نے بہمن سے اس کے آنے کا سبب دریافت کیا۔بہمن نے اسفندیار کا پیغام سنایا۔ پیغام سن کر رستم نے کہا''بہتر یہی ہوگا کہ اس پیغام کا جواب میں خود دوں۔'' وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار بہمن کے ساتھ دریائے میرمند کے کنارے جا پہنچااور کہا''بہمن! تم جا کر اسفندیار کو میری آمد کی اطلاع دواور میری باریابی کی اجازت طلب کرو۔''

بہمن نے جاکر اسفندیار کو صورت حال سے مطلع کیا۔اسفندیار نے فوراً اجازت دے دی۔ جب رستم محل میں آیا تو اسفندیار نے اس کا خیر مقدم کیا، بیٹھنے کے لیے سونے کی کرسی پیش کی اور گشتاسپ کا پیغام سنایا۔رستم متعجب ہوااور کہنے لگا''بادشاہ کو مجھ سے اطاعت وفرمانبرداری کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ پھر آپ کو اس مہم میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری شہرت چہاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔لوگ مجھے ایک دلیر و بہادر جرنیل کی حیثیت سے جانتے ہیں۔اگر مجھے گرفتار کرکے بادشاہ کی خدمت میں لے جایا گیا تو میری بڑی بدنامی ہوگی۔ دوسری طرف بادشاہ کو بھی لوگ برا بھلا کہیں گے کہ انھوں نے میری سالہا سال کی خدمات کو فراموش کر دیا۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں۔چندروز میں آپ کی خدمت کر پاؤں گا اور پھر آپ کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کروں گا۔''

اسفندیار نے کہا''میری کیا مجال جو میں بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کروں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ اپنی گرفتاری دیں ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بادشاہ کے حضور پہنچ کر آپ کو آزاد کردوں گا۔اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر آپ کو میرے ساتھ جنگ کا جواز حاصل ہوگا۔'' رستم نے کہا''اے شہزادے! میں تمھارے ساتھ مصالحت کی بات کرتا ہوں اور تم جنگ و جدال پہ مصر نظر آتے ہو۔ ہر چند میں محبت کا جام پیش کرتا ہوں اور تم زہر کا پیالہ۔آج رات میں اپنے والد سے ملاقات کی غرض سے واپس جارہا ہوں،کل پھر حاضر ہوں گا۔تم اچھی طرح غور کرلو۔''

رستم سیستان واپس ہوا۔ دوسرے دن علی الصباح پھر اسفندیار کی خدمت میں حاضر ہوااور پوچھا''آخر شہزادے نے کل رات کیا سوچا؟'' اسفندیار نے جواب دیا''بیکار باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ۔میرا تو جواب وہی ہے جو آپ پہلے سن چکے ہیں۔ یا تو آپ اپنی گرفتاری دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔''رستم کو اس کی باتیں گراں گذریں اور وہ انتہائی آزردہ

خاطر ہوا۔ دوسرے دن علی الصباح پوری تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ جنگ سے قبل رستم نے صلح کی پیش کش کی لیکن اسفندیار راضی نہ ہوا۔ دونوں باہم نبردآزما ہوئے اور ایک دوسرے کے حملوں کی مدافعت کرتے رہے لیکن کسی کو بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

چونکہ اسفندیار کو تیراندازی میں بڑی مہارت حاصل تھی اس نے تیروں کی بارش شروع کردی۔ رستم کا گھوڑا، رخش مجروح ہوکر تڑپنے لگا اور رستم زمین پہ آرہا۔ رستم جنگ کے دوران کافی حد تک زخمی ہو چکا تھا۔ وہ تھکا ماندہ اپنے گھر واپس ہونے لگا۔ اسفندیار نے آواز دی ''تم کھڑے ہوکر مقابلہ کیوں نہیں کرتے تاکہ آج ہی تمھارا کام تمام ہوجائے۔'' رستم نے کہا ''اب شام ہوچکی ہے۔ رات کی آمد آمد ہے۔ کل میں پھر آؤں گا۔'' اسفندیار نے مہلت دے دی۔ دوسرے دن صبح سویرے رستم میدان جنگ میں تر وتازہ حاضر ہوا۔ اس کے جسم پر زخموں کا کوئی اثر نہ تھا اور نہ ہی تھکن کے آثار نمایاں تھے۔

اہل ایران اس سلسلے میں ایک کہانی بیان کرتے ہیں جو عقل کی کسوٹی پر کھری نہیں اترتی۔ کہتے ہیں کہ جب رستم زخمی ہوکر زال کے پاس آیا تو زال بہت مضمحل ہوا اور اسی پریشانی کے عالم میں سیمرغ کے ایک پر کو آگ پر رکھا۔ اسی اثنا میں سیمرغ حاضر ہوگیا۔ زال نے سارا ماجرا بیان کیا۔ سیمرغ نے تسلی دی اور رستم کے رخش کو نزدیک بلاکر اسے اپنے پروں سے ملا۔ پھر کیا تھا زخم کے نشانات مندمل ہونے لگے اور وہ بالکل تازہ دم نظر آنے لگا۔ پھر اس نے کہا ''رستم اسفندیار کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ اسفندیار کے پاس زرتشت کی تعویذیں ہیں۔ کوئی بھی ہتھیار اس پر کارگر نہیں ہوسکتا۔ ہاں، جنگل میں ایک خاص قسم کی لکڑی پائی جاتی ہے۔ اگر تم اس لکڑی کی مدد سے تیر بناؤ اور اس عقاب کے پر کو اس کے ساتھ باندھو جسے میں جانتا ہوں تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔'' زال نے فوراً اس طرح کی تیروں کو تیار کرنے کا حکم جاری کیا۔

دوسری صبح پو پھٹنے سے پہلے ہی رستم اپنے مخصوص گھوڑے رخش پر سوار اسفندیار کے خیمے کے قریب جا پہنچا۔ وہ اس وقت محوخواب تھا۔ رستم نے آواز لگائی ''اے سونے والے! ہمارے ساتھ صلح کرلے تاکہ ہم بھی سوسکیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہوجا۔'' اسفندیار بیدار ہوگیا۔ رستم اور اس کے گھوڑے کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب گیا۔ اسے قطعی یقین

نہیں ہورہا تھا ۔اسے یہ گمان بھی نہ تھا کہ رستم میدان جنگ میں حاضر بھی ہو پائے گا۔ اسفند یار اپنے بھائی سے مخاطب ہوکر کہنے لگا''پشوتن ! دیکھا زال کتنا بڑا جادوگر ہے۔وہ رستم جس کا ہاتھ کل ٹوٹ گیا تھا آج صحیح وسالم میدان جنگ میں حاضر ہے۔رخش جو کل بری طرح زخمی تھا آج تروتازہ میدان میں کھڑا ہے۔اگر میں نے کل انھیں مہلت نہ دی ہوتی تو آج ہمیں رنج نہ اٹھانا پڑتا۔''

پشوتن نے کہا''بھائی جان! میری بات مانیں تو آپ جنگ سے پرہیز کریں اور رستم کے ساتھ مفاہمت کرلیں۔رستم نہایت ہی جری اور بہادر ہے اور خوش قسمت بھی۔ایسا نہ ہو کہ ہمیں پچھتانا پڑے۔''اسفند یار نے اس کی باتوں پہ دھیان نہ دیا۔اپنے گھوڑے پر سوار خیمے سے باہر آیا اور رستم پر جھپٹ پڑا۔کچھ دیر تک دونوں طرف سے شدید حملے ہوتے رہے لیکن دونوں کے وار خالی جاتے رہے۔رستم نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا''یا الٰہی! تو اچھی طرح جانتا ہے اس جنگ میں میری حیثیت ایک دافع کی ہے نہ کہ حملہ آور کی۔میں تو صلح و آشتی کا طالب ہوں۔اب تو ہی ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔'' یہ کہہ کر اس نے تیر کمان پر رکھا اور پوری شدت کے ساتھ اسفند یار کی جانب پھینکا۔وہ تیر سیدھے اسفند یار کی آنکھ کے حلقے میں پیوست ہوگیا اور وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آرہا۔جب یہ خبر جانکاہ ایرانی سپاہیوں کے درمیان پہنچی تو وہ ننگے پاؤں ننگے سر اس کی طرف دوڑے اور غم و اندوہ سے چور اس کے گرد بیٹھ گئے۔

رستم بھی اپنے کیے پر پشیمان تھا۔وہ بھی نوحہ کرنے والوں میں شامل ہوگیا۔جب اسفند یار نے رستم اور دوسرے ساتھیوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھا تو رستم کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا''میں نے جو آج موت کا مزہ چکھا ہے وہ میری قسمت میں لکھا تھا۔آپ نے مجھے ہلاک نہیں کیا بلکہ میرے والد کی بد اندیشی میری موت کا سبب بنی۔میری موت کے بعد میرا بیٹا ہی تخت و تاج کا وارث ہوگا۔میری درخواست ہے کہ آپ اس کی تربیت فرمائیں اور اس کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئیں۔میں اپنا جرم قبول کرتا ہوں اور اس پر شرمندہ بھی ہوں۔'' رستم نے کہا''وہ تو میری آنکھوں کی روشنی، دل کا سرور اور روح کی خوشبو بن کر میرے ساتھ رہے گا۔میں ہمیشہ اس کی خدمت میں کمربستہ رہوں گا اور سلطنت کی کارگذاریوں میں اس کا بھرپور تعاون کروں گا۔

(146) شغاد کے ہاتھوں رستم کی موت

رستم کے ہاتھوں اسفندیار کے قتل کے بعد سارا عجم غم واندوہ کی تصویر بن گیا۔ آہ وزاری کی صدائیں ہر چہار طرف سے بلند ہونے لگیں۔ زال نے رستم سے کہا ''تم یہ نہ سمجھو کہ تم نے اسفندیار کو قتل کر دیا بلکہ یوں سمجھو کہ تم نے خود کو قتل کیا ہے۔ میں نے حکیموں اور دانشوروں سے سنا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے خاندان کی وقعت کم ہو جائے گی۔'' رستم نے جب یہ باتیں سنیں تو وہ فکر وتردد کے بھنور میں ڈوب گیا۔

رستم کا ایک بھائی جس کا نام شغاد تھا رستم کا جانی دشمن واقع ہوا تھا۔ اس کی ولادت کے وقت نجومیوں نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ اس کے ہاتھوں سام کا خاندان تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس کی شادی بادشاہ کابل کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ شغاد نے رستم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ کابل پر اپنا تسلط قائم کرے لیکن رستم نے کوئی دلچسپی نہ دکھائی۔ شغاد اور زیادہ حاسد ہو گیا۔ آخر کار اس نے رستم کو کابل بھیجنے کا ایک منصوبہ تیار کیا تا کہ اپنے طلسم کے ذریعہ وہ رستم کو وہیں ہلاک کر دے اور کابل و زاول اس کے تصرف میں آ جائیں۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے وہ ایک دن رستم کے پاس گیا اور اس سے خسرو کی شکایت کی۔ وہ کہنے لگا ''خسرو ہم دونوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ہمیں رنج پہنچاتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اس کی سرزنش کریں کیونکہ مال و دولت کی فراوانی کے سبب وہ کافی مغرور ہو گیا ہے۔''

رستم نے کہا ''وہ اتنا طاقتور نہیں کہ میں سپاہیوں کے ساتھ اس کے پاس جاؤں۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں شکار کے بہانے کابل سے گذروں۔ اگر وہ میرے پاس آتا ہے تو میں اس کی لعنت و ملامت کروں اور اگر مخالفت کرے تو اسے گرفتار کر لوں۔'' شغاد نے کہا ''بہتر یہ ہوگا کہ میں آپ سے قبل وہاں جاؤں اور اس پر نگاہ رکھوں۔'' رستم راضی ہو گیا اور شغاد آگے چلا۔

شغاد نے خسرو کو بھی اس مہم کی اطلاع دے دی۔ دونوں آپس میں مل گئے اور راستے میں گڑھے کھدواتے رہے۔ گڑھے کے اندر نیزے اور تلوار قرینے سے رکھ دیے گئے اور پھر انھیں نازک لکڑیوں سے ڈھک دیا گیا۔ شغاد خود رستم کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جب رستم وہاں

پہنچا تو اس نے گھوڑے سے اتر کر اس کا خیر مقدم کیا اور کہا ''مجھے قطعی خبر نہ تھی کہ حضور والا اس طرف سے گذریں گے ورنہ میں آپ کا خاطر خواہ استقبال کرتا۔اب وہ رستم کے آگے آگے چلنے لگا۔گڑھے کے نزدیک پہنچا اور انتہائی احتیاط اور سبک خرامی کے ساتھ اس پر سے گذر گیا۔رستم جو اس کے پیچھے تھا اپنے گھوڑے رخش پر سوار تھا۔اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گڑھے میں گر پڑا اور تلواروں اور نیزوں کے درمیان پھنس کر شدید طور پر زخمی ہو گیا۔پھر شغاد اور خسرو نے رستم کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور انھیں تہہ تیغ کر ڈالا۔شغاد نے رستم کو اسی گڑھے میں پڑا رہنے دیا تا کہ وہ موت کا شکار ہو جائے۔

رستم نے ہمت سے کام لیا اور بڑی مشکل سے گڑھے سے باہر آیا۔اچانک اس کی نظر شغاد پر پڑی جو ایک درخت کے پیچھے کھڑا رستم کو تکے جا رہا تھا۔رستم نے کہا ''تو نے بہت برا کیا۔تو نے نہ صرف مجھے بلکہ خود کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا۔میرے ہاتھوں میں تو موت کا جام آ ہی چکا ہے۔اب تیرے لیے شربت مرگ تیار کیا جا رہا ہے۔مجھے ایک کمان اور دو تین تیر عنایت کرتا جا،تا کہ میں شیر اور بھیڑیے کے حملوں کا دفاع کر سکوں۔''چونکہ شغاد دام غرور میں گرفتار تھا،فوراً ایک کمان اور دو تیر اس کے حوالے کیے اور خود واپس ہونے لگا۔رستم نے تیر سے اس کی پیٹھ پر نشانہ سادھا اور اس کا کام تمام کر دیا۔رستم نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔اس نے کہا ''خداوندا! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اتنی قوت عطا کی کہ میں اپنے دشمن کو اپنے ہاتھوں موت کی نیند سلا دیا۔''ابھی یہ الفاظ اس کے لبوں پر تھے کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

رستم کی موت کی خبر سن کر سیستان کے لوگوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ہر طرف سے آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔زال بھی بیٹے کے سوگ میں مبتلا تھا۔اس نے رستم کے بیٹے فرامرز کو کابل کی طرف بھیجا تا کہ وہ باپ کے خون کا انتقام لے۔فرامرز ایک لشکر جرار لے کر کابل پہنچا اور پے در پے کئی جنگیں لڑیں اور کامیاب ہوا۔اس نے خسرو اور اس کے سپاہیوں کو تہہ تیغ کیا،عمارتیں تباہ کر دیں،خزانے لوٹے اور عورتوں کو پا بہ زنجیر کیا۔آخر الامر فرامرز نے باپ اور چچا کی لاشیں سیستان پہنچائیں۔

رستم اس قدر قوت و جوانمردی کے باوجود بھی فلک کی ستم ظریفیوں کا مقابلہ نہ کر پایا اور لقمہ اجل بن گیا۔ کسی عاقل و دانا کو ہرگز اس دنیا پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، چاہے وہ کتنا ہی قوی و توانا ہو۔

(147) بہمن کی جانشینی

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ رستم نے اسفندیار کو قتل کرنے کے بعد گشتاسپ کے نام ایک خط لکھا تھا اور معذرت طلب کی تھی۔ جب یہ خط گشتاسپ کے پاس پہنچا تو وہ اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا کیونکہ بیٹے کو کھونے کا غم نا قابل برداشت تھا۔

پشوتن کی گواہی نے بھی رستم کی بے گناہی پر مہر ثبت کر دی اور گشتاسپ نے رستم کی معذرت قبول کر لی۔ اس نے رستم سے یہ درخواست کی کہ وہ اسفندیار کے بیٹے بہمن کو اس کے پاس بھیج دے۔ اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

گشتاسپ نے 160 سال تک حکومت کی اور اپنے پوتے بہمن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ بہمن بڑا ہی نیک سیرت و خوش مزاج واقع ہوا تھا۔ اس کے عہد میں ملک ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوا اور دین زرتشت کو خوب ترقی ملی۔ اطراف کی بیشتر ریاستیں اس کے زیر نگیں ہو گئیں۔ لیکن اس کے دل میں اب بھی اپنے والد اسفندیار کی موت کا زخم تازہ تھا اور وہ ساری زندگی رستم اور اس کے اقربا سے انتقام لینے کا خواہشمند رہا۔

جب بہمن سیستان کے نزدیک پہنچا تو زال بہ نفس نفیس اس کے خیر مقدم کو آیا اور یہ درخواست کی کہ اس کے قتل کے لیے وہ تلوار اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کرے کیونکہ اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے کے قریب ہے۔ بہمن کو اس کے حال پر رحم آیا اور اس نے زال کی جان بخش دی۔

حسن اتفاق اسی دوران رستم کا بیٹا فرامرز مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آ گیا۔ زبردست مقابلہ ہوا لیکن فرامرز مارا گیا اور بہمن کو کامیابی نصیب ہوئی۔ بہمن نے تقریباً 114 سال تک حکومت کی اور آخر الامر ابدی نیند سو گیا۔

(148) بہمن کی بیٹی ہما کی جانشینی

بہمن کا کوئی بیٹا نہ تھا۔اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہما تھا۔ وہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ اتفاقاً ہما حاملہ ہوگئی۔ بادشاہ نے مجوسی علما سے مشورہ کیا اور کہا کہ میں اپنے بعد اپنی بیٹی کو اپنا ولی عہد قرار دینا چاہتا ہوں۔اگراس نے بیٹا جنا تو وہ تخت و تاج کا وارث ہوگا اوراگر بیٹی پیدا ہوئی تو یہ ہما کے صواب دید پہ منحصر ہوگا کہ وہ جسے چاہے ملک کا انتظام و انصرام سونپ دے۔ جب ہما تخت پہ بیٹھی تو اس نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نیک سیرت لوگوں کا احترام کیا اور بدکرداروں کو سزائیں دیں۔اس کے 30 سالہ دورحکومت میں ملک میں امن و امان قائم رہا۔

(149) داراب کی پیدائش اور تخت نشینی

بہمن کے انتقال کے بعد جب ہما تخت پر بیٹھی تو وہ حاملہ تھی۔ ہما یہ جانتی تھی کہ اگرعوام کو اس حمل کے بارے میں پتہ چلا تو یہ اس کے لیے وبال جان بن جائے گا۔لہٰذا اس نے اپنے حمل کو چھپائے رکھا۔

نو مہینے کے حمل کے بعد اس نے ایک بیٹے کو جنا جو نہایت ہی خوبرو تھا۔ وہ اسے مار دینا چاہتی تھی لیکن شفقت مادری کے سبب اس فعل سے باز رہی۔اس نے ایک صندوق تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس صندوق میں اس نوزائیدہ بچے کو رکھا گیا۔اس کے ساتھ چند قیمتی گوہر اور اشرفیوں کی ایک پوٹلی بھی رکھی گئی۔ پھر اس صندوق کو دریا میں بہتا ہوا چھوڑ دیا گیا۔

اتفاقاً صبح سویرے ایک دھوبی کپڑے دھونے کی غرض سے دریا پہ آیا۔جب اس نے ایک بہتے ہوئے صندوق کو اپنے نزدیک پایا تو لپک کر اپنی گرفت میں لے لیا۔اسے کھول کر دیکھا تو ایک خوبصورت بچہ پہ نظر پڑی۔یاقوت کا ایک ٹکڑا اس کے بازو سے بندھا تھا اور مروارید کے دانے اور اشرفیاں صندوق میں بکھرے پڑے تھے۔دھوبی اس صندوق کو اپنے گھر لے آیا اور بیوی سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

حسن اتفاق اسی ہفتہ دھوبی کی بیوی کا ایک نوزائیدہ بچہ فوت ہوگیا تھا۔اس کے پستان میں اب بھی دودھ باقی تھا۔اس نے اپنا پستان اس بچہ کے منھ سے لگایا اور وہ دودھ پینے لگا۔ وقت گذرتا رہا اور ان کے دلوں میں بچے کی محبت پروان چڑھنے لگی ۔انھوں نے اس بچے کا نام داراب رکھا۔

بچہ جب بڑا ہوگیا تو ایک دن اس نے دھوبی سے کہا''مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ تو میرا باپ نہیں ہے۔میرا باپ کوئی ناموراور بہادر شخص ہوگا۔میری صورت بھی تجھ سے نہیں ملتی!''دھوبی نے کہا''پتھر سے ہی موتی نکلتا ہے، ریشم بھی ایک کیڑے سے وجود میں آتا ہے اور شہد جو ایک مقوی غذا ہے حقیر مکھی ہی تیار کرتی ہے۔اگر تو ایک معمولی آدمی کا بیٹا ہے تو اس میں کون سی حیرانی کی بات ہے؟''داراب ان باتوں کو ہضم نہ کر پایا۔دھوبی بھی اپنی بات پہ اڑا رہا۔

ایک دن داراب کو موقع مل گیا۔اس نے دھوبی کو گھر میں بیٹھا ہوا پایا اور تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہوگیا۔دریافت کیا''صحیح صحیح بتادے کہ میری اصلیت کیا ہے ورنہ میں تیرا سرتن سے جدا کردوں گا۔''دھوبن کو خوف لاحق ہوا۔اس نے سارا حال بیان کردیا۔یاقوت اور زر و جواہر جو اس کے پاس تھے داراب کے سامنے لاکر رکھ دیے۔پھر کہنے لگی''یہ ساری چیزیں تیری ہیں ۔اس میں سے کچھ ہم نے تجھ پر خرچ کیے ہیں۔اگر تو یہ سب لے لے تو یہ تیرا حق ہے۔ہماری خواہش صرف یہ ہے کہ تو ہمیں اپنے دیدار سے محروم نہ کر۔''داراب نے کہا''آپ نے جو کچھ میرے والدین کی حیثیت سے میرے ساتھ کیا ہے آپ کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔''داراب نے زر و جواہر کی مدد سے اپنے گھوڑے کو آراستہ کیا اور ایک سپہ سالار سے جا ملا۔جلد ہی وہ عزت وتوقیر کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہما اپنے بلند و بالا محل سے اپنی فوج کا معائنہ کر رہی تھی۔ سپاہیوں کے دستے یکے بعد دیگرے اس کے سامنے سے گذر رہے تھے۔داراب بھی ان میں سے ایک تھا۔اس نوجوان کو دیکھتے ہی ہما کے دل میں شفقت مادری جوش مارنے لگی۔اس نے فوراًاس نوجوان کو حاضر کرنے کا حکم صادر کیا۔جب داراب اس کے حضور پیش ہوا تو اس نے اس کا حسب ونسب دریافت کیا۔داراب نے صاف صاف ساری باتیں بتادیں اور یاقوت و

مروارید اس کے سامنے رکھ دیے۔ ہما فوراً سمجھ گئی کہ وہ اس کا لخت جگر ہے۔وہ بے اختیار ہوکر کہنے لگی ''میں ہی وہ تیری بدنصیب ماں ہوں اور تو ہی میرا بیٹا ہے، بہمن تیرا باپ تھا۔''

اس واقعہ کے بعد اس نے اپنے درباریوں اور افسروں کو بلایا اور انھیں پوشیدہ حقیقتوں سے باخبر کیا۔درباریوں نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ پھر داراب کے سر پر تاج رکھا گیا۔تخت نشین ہونے کے بعد داراب نے دھوبی اور اس کی بیوی کو دربار میں طلب کیا اور انھیں انعام واکرام سے نوازا۔اس نے دھوبی کو اپنے پیشے سے دستبردار ہونے کی درخواست کی لیکن دھوبی نے کہا''میں اس پیشے کو کیسے چھوڑ دوں جس کے سبب آج مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے؟''

داراب نے ملک کی ترقی وخوشحالی کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ دوسرے صوبے داروں اور حکمرانوں نے اس کی اطاعت قبول کی لیکن روم کے بادشاہ فیلاقوس نے اس کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ داراب نے فوج کشی کی اور ایک خون آشام جنگ کے بعد روم پر قابض ہوگیا۔فیلاقوس کو گرفتار کرلیا گیا۔داراب نے اس سے اس کی بڑی صاحبزادی کا ہاتھ مانگا۔بادشاہ فوراً راضی ہوگیا۔ داراب نے خوش ہوکر فیلاس کو آزاد کر دیا اور اس کی حکومت اس شرط پر واپس کردی کہ وہ ہر سال اس کی خدمت میں چالیس مثقال کے وزن کے ایک ہزار سونے کے انڈے خراج کی صورت میں ادا کرتا رہے۔

تقریباً 12 سال حکومت کرنے کے بعد داراب اس دنیا سے چل بسا اور اس کا بیٹا دارا اس کا جانشین قرار پایا۔

(150) دارا کی حکومت

داراب کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا دارا تخت پر بیٹھا۔ایام جوانی سے ہی وہ سلطنت کا کام کاج سنبھالنے لگا تھا۔ وہ انتہائی ظالم و جابر بادشاہ ثابت ہوا۔ پڑوسی ریاستیں بھی اس کی بے جا مداخلت سے تنگ آ چکی تھیں۔قرون اولیٰ کے حکمرانوں میں وہ ایران کا آخری بادشاہ گذرا ہے۔

(151) دارا اور سکندر کے درمیان رنجش کی ابتدا

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے داراب نے فیلاقوس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اول شب جب وہ اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا تو اس کے منہ سے ناخوشگوار بدبو نے اسے بے چین کر دیا۔ اس نے اسے واپس روم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ فیلاقوس نے شرمندگی کے سبب اس شادی کو صیغۂ راز میں رکھا۔ جس دوا سے شہزادی کے دانتوں کا علاج ممکن ہوا، اس کا نام اسکندروس تھا۔ چند دنوں کے بعد شہزادی نے ایک بیٹا جنا جس کا نام دوا کے نام کی مناسبت سے سکندر رکھا گیا۔

فیلاقوس نے اس بچہ کو اپنا بیٹا قرار دیا۔ نجومیوں نے یہ بتایا کہ وہ ایک دن سارے عالم کو مسخر کر لے گا۔ فیلاقوس نے کافی جتن کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ جب سکندر بڑا ہوا تو ملک کے مشاہیر علما کے زیر نگرانی اس کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ مختصر مدت میں اس نے علم و حکمت کے اسرار و رموز سیکھے۔ جب سکندر زیور تعلیم سے آراستہ ہو چکا تو فیلاقوس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس نے سکندر کو تخت پہ بٹھایا اور خود اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

ادھر داراب کے بیٹے دارا نے سکندر کو ایک خط لکھ کر فیلاقوس کی موت پر تعزیت کی اور خراج کا طالب ہوا۔ سکندر نے جواب میں لکھا کہ وہ چڑیا جو انڈا دیتی تھی مر چکی ہے۔ تم بھی اس خراج کو بھول جاؤ۔ اس جواب سے ناراض ہو کر دارا نے گیند، چوگان اور ایک مشکیزے میں تل کے دانے بھر کر سکندر کے پاس بھیجا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ گیند اور چوگان سے کھیلے ورنہ حکم عدولی کی صورت میں وہ تل کے دانوں کے برابر فوج لے کر حملہ آور ہوگا۔ جب یہ چیزیں سکندر کے حضور پیش کی گئیں تو اس نے اسے اپنے لیے فال نیک سمجھا۔ گیند کو اس نے کرۂ ارضی سے تشبیہ دی اور چوگان کو اس بات کا اشارہ سمجھا کہ اس کی مدد سے زمین کی ساری آبادی اس کے تابع ہوگی۔

سکندر نے دارا کے قاصد کو ایک تھیلی رائی اور ایک پنجرے میں قید ایک چڑیا بھیجی تا کہ دارا یہ سمجھ جائے کہ اس کے سپاہی رائی کے دانوں کی مانند نا قابل شمار ہیں۔ چڑیا اس بات کا

اشارہ دے رہی تھی کہ تل کے دانے کو چگنا بہت آسان ہوگا۔ جب سکندر کا جواب پہنچا تو دارا ایک لشکر جرار لے کر روم کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے سکندر نے بھی پیش قدمی کی۔

(152) سکندر کے ہاتھوں دارا کی شکست

جب دارا روم کے حدود میں داخل ہوا تو سکندر نے اپنے سپاہیوں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ خود ایک عام آدمی کے بھیس میں اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ دارا کے خیمہ میں پہنچ گیا۔

دارا کو یہ اطلاع دی گئی کہ بادشاہ روم کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے۔ دارا نے باریابی کی اجازت دی۔ قاصد نے سکندر کا پیغام پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا''بادشاہ خداوند کردگار کی رحمتوں کا سایہ ہوتا ہے۔ اس کا کام امن وامان قائم کرنا ہے، نہ کہ فتنہ وفساد کو ہوا دینا۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ جنگ سے باز رہیں اور مفاہمت سے کام لیں۔ لیکن اگر آپ جنگ کرنے پر مصر ہیں تو یہ آپ کا معاملہ ہے۔ کم از کم میں تو اس قتل وغارت گری کا ذمہ دار نہیں کہلاؤں گا۔''

دارا نے اس پیغام کو سن کر قاصد (سکندر) سے کہا''ہم نے تمھارا پیغام سن لیا۔ اب جواب کا انتظار کرو۔ آج تم ہمارے مہمان ہو۔ اس نے محفل رقص وسرود آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ سکندر نے جب اس کے گفتار وکردار میں کمزوریاں دیکھیں تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ ہر حال میں اس پر غالب رہے گا۔ وہ جام پہ جام پیتا گیا اور پیالوں کو اپنی قبا کی جیب میں رکھتا گیا۔ ساقیوں نے جب اس فعل پر اپنی حیرت کا اظہار کیا تو سکندر نے کہا کہ ہمارے قاصد ایسا ہی کرتے ہیں۔ دارا نے بھی درگذر سے کام لیا۔ محفل دیر رات تک چلتی رہی۔ اتفاقاً وہ قاصد جو دارا کی طرف سے سکندر کے پاس قبلاً جا چکا تھا داخل ہوا۔ وہ فوراً سکندر کو پہچان گیا اور دارا کو اس بات کی اطلاع دینے کی غرض سے باہر آیا کہ وہ قاصد کوئی اور نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔

سکندر بلا کا ذہین واقع ہوا تھا۔ وہ فوراً معاملہ کی نزاکت کو بھانپ گیا۔ وہ استنجا کے بہانے خیمہ سے باہر آیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر فرار ہوگیا۔ جب تک دارا کو یہ خبر ہوتی اور وہ اسے طلب کرتا سکندر اپنے خیمہ میں پہنچ چکا تھا۔ بعد میں اسے یہ احساس ہوا کہ یہ اس کی فاش غلطی تھی کیونکہ کوئی بھی عاقل خود کو دشمن کے جال میں پھنسنے کی کوشش نہیں کرتا۔

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں تو دارا کی فوج میں سے ایک جماعت سکندر کی فوج کے ساتھ جا ملی اور اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ابھی جنگ کا باضابطہ اعلان بھی نہ ہوا تھا کہ دارا کے دو خاص مصاحبوں نے دارا پر دو نیزے پھینکے۔ دارازخمی ہوکر گھوڑے سے زمین پر گرا۔آناً فاناً یہ خبر لشکر گاہ میں عام ہوگئی اوردارا کے سپاہی بے یارومددگار مایوسی کے شکار ہوگئے۔

سکندر نے جب دارا کو زمین پر گرا ہوا پایا تو فوراً اس کی طرف دوڑ کراس کے سرہانے جا بیٹھا اور کہنے لگا''جو کچھ بھی ہوا اس میں میری کوئی خطا نہیں۔اگر آپ کو میں زندہ پاتا تو آپ کے لیے سپر بن جاتا۔خیر اب بہت دیر ہوچکی ہے، مداوا ممکن نہیں۔آپ حکم فرمائیں تاکہ میں بجالاؤں اور اپنی غلطیوں کا ازالہ کروں۔''

دارا نے کہا''میری تم سے تین درخواستیں ہیں۔پہلی درخواست یہ ہے کہ میرے قاتلوں سے قصاص ضرور لینا،دوسری یہ ہے کہ میری بیٹی سے نکاح کرلینا اور تیسری یہ کہ آتشکدوں کو برباد نہ کرنا۔میری آخری وصیت یہ ہے کہ بدکردار لوگوں کو نیک سیرت لوگوں پر ترجیح نہ دینا کیونکہ آج جو میرے ساتھ ہوا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔''

سکندر جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے دارا کی نصیحتوں پر عمل کیا۔اس کے قاتلوں کو ہلاک کیا اور اس کی بیٹی روشنک کو اپنی زوجیت میں لیا۔آتشکدوں کو مسمار کردیا اور آتش پرستوں کو تہ تیغ کرڈالا۔گائے کے چمڑوں کو جن پر ژند و پاژند کے الفاظ تحریر تھے نذر آتش کردیا اور بیشتر ایرانی عمارتوں کو مسمار کردیا۔سکندر نے نئی عمارتیں بنوائیں اور نئے شہر آباد کیے۔بعض دانشوروں کے نزدیک سکندر کو پیغمبری حاصل تھی اور بعض اسے پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ ایک نیک انسان، عادل اور طاقت ور بادشاہ تھا۔

(153) ہندوستان پر سکندر کا تسلط اور اس کی موت

ایران کو زیرنگیں کرنے کے بعد سکندر نے دوسرے ممالک کو تسخیر کرنے کی ٹھانی۔اسے یہ خبر ملی کی ہندوستان میں 'فور' نامی ایک بادشاہ ہے جس کے پاس ایک مستحکم وخوشحال حکومت

ہے اور قیمتی خزانے ہیں۔سکندر نے 'فور' کے نام ایک خط لکھا اور اسے اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی۔فور نے انکار کیا۔ جب سکندر کو یہ اطلاع ملی تو اس نے بطلیموس کو ایران میں اپنا نائب مقرر کیا اور ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی۔راستے میں جو بھی ممالک آئے قبضہ کرتا چلا گیا اور حاصل شدہ مال و دولت روم کی جانب بھیجتا رہا۔

جب سکندر فور کی ریاست کے نزدیک پہنچا تو فور کو اپنے ہاتھیوں اور سپاہیوں کے ساتھ کھڑا پایا۔سکندر ہاتھیوں کو دیکھ کر قدرے خوفزدہ ہوا اور سوچنے لگا کہ کہیں ان ہاتھیوں کے حملوں سے اس کے گھوڑے نہ بدک جائیں۔اس نے اپنے مشیروں کے ساتھ مشورہ کیا اور ایک طلسماتی چال چلی۔اس کے سپاہیوں نے تانبے کے 600 ہتھیار بند سوار تیار کئے۔جب جنگ کا وقت قریب آیا تو انھوں نے ان کے پیٹ کے اندر آگ جلا دی اور رتھوں پر رکھ کر میدان جنگ میں لے گئے۔

جب صف بندی ہوئی تو ہندوستانی لشکر نے اچانک دھاوا بول دیا۔رومیوں نے پیٹھ دکھائی اور پیچھے کی طرف بھاگے لیکن تانبے سے بنے وہ ہتھیار بند سوار بدستور کھڑے رہے۔ ہاتھیوں نے اپنے سونڈھ سے ان پر حملہ کیا۔ ان کے سونڈھ جلنے لگے کیونکہ ان مجسموں کے اندر آگ دھک رہی تھی۔ ہاتھیوں نے پریشان ہوکر پیچھے کا رخ کیا اور اپنے ہی سپاہیوں کو روندنے لگے۔رومی لشکر نے موقع غنیمت جانا اور اپنی اپنی تلواروں کے ساتھ آگے بڑھے اور مردانہ وار لڑتے رہے۔ ہندوستانی فوج انتشار کا شکار ہوئی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔

دوسرے دن ہندوستانی سپاہی پھر میدان جنگ میں آئے۔اس طرح یہ جنگ تقریباً بیس دنوں تک جاری رہی۔مشرکوں کی بڑی تعداد لقمہ اجل بنی۔آخر کار سکندر نے 'فور' کو یہ پیغام بھیجا کہ یہ جنگ تو تمھارے اور میرے درمیان ہے، بے گناہ سپاہی بیکار مارے جا رہے ہیں۔بہتر یہ ہوگا کہ تم میدان جنگ میں آؤ اور ہم ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔اگر میں کامیاب ہوا تو حکومت میرے ہاتھوں میں ہوگی اور اگر تم فاتح ہوئے تو تمھارا حکم نافذ العمل ہوگا۔

فور ایک قوی ہیکل اور طاقتور شخص تھا اور سکندر دبلا پتلا اور کوتاہ قد نوجوان۔سکندر کو دیکھ کر فور بہت خوش تھا کیونکہ کامیابی اس کے نزدیک کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں طرف سے سپاہیوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ جنگ سے پرہیز کریں۔فور اور سکندر ایک دوسرے سے نبرد

آزما ہوئے۔ بیشتر اوقات فور غالب نظر آیا لیکن جب قسمت یاوری کرے اور خدا کی مدد بھی ساتھ ہوتو انسانی قوت وعظمت کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ ابھی یہ دونوں جنگ میں مشغول تھے کہ اچانک ہندی لشکر کے درمیان ایک شور برپا ہوا۔شور کا سننا تھا کہ فور ادھر متوجہ ہوا۔ جوں ہی فور نے اپنی گردن گھمائی سکندر نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا کیا اور اپنے لشکر کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ ہندوستانی فوج پسپا ہوئی اور سکندر فاتح قرار پایا۔

فور کی سلطنت پر قابض ہونے کے بعد سکندر نے اس کے بیٹوں میں ایک کو بادشاہت عطا کی اور خراج مقرر کیے۔ وہاں سے وہ براہمہ کی حکومت کی جانب بڑھا۔سکندر کو اس سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اور براہمہ نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔اس کے بعد وہ 'کید ہندی' نامی راجا کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی اطاعت کا طالب ہوا۔کید نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔

جب تمام ہندوستان (یہاں مراد شمالی ہند کا خطہ ہے) سکندر کے زیرنگیں ہوگیا تو وہ شمال مغرب کی طرف بڑھا۔وہاں ایک خاتون کی بادشاہت تھی جس کا نام قیذافہ تھا۔وہ مقابلہ کے لیے آگے بڑھی لیکن سکندر کے آگے اس کی ایک نہ چلی اور وہ مغلوب ہوئی۔پھر وہاں سے اس نے مغرب کی طرف پیش قدمی کی اور آفتاب کے غروب ہونے کا مشاہدہ کیا۔ سکندر مغرب سے پھر مشرق کی طرف آیا اور چین کا رخ کیا۔چینی فرماں روا نے اس کی اطاعت قبول کی اور اس کی خدمت میں بیش قیمتی تحائف بھیجے۔

سکندر کی فتح و کامرانی کی داستان بڑی طویل ہے۔مختصر یہ کہ جب اس کی عمر اپنی اڑتیسویں منزل پر پہنچی تو وہ ساری دنیا پر اپنا تسلط قائم کر چکا تھا۔اب اس نے دریائے جیحوں کو عبور کرنے کے بعد عراق کا رخ کیا تاکہ چند روز وہاں قیام کرے۔جب وہ شہر قومس پہنچا تو بیمار پڑ گیا۔اس نے اس موقع پر بطلیموس کو جو کہ علم نجوم میں یکتائے روزگار تھا طلب کیا اور اپنی قسمت کا حال دریافت کیا۔بطلیموس نے یہ بتایا کہ اس کی موت ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں کی زمین لوہے کی ہوگی اور آسمان سونے کا ہوگا۔سکندر کو قدرے اطمینان ہوا۔

سکندر نے اپنا سفر جاری رکھا اور سفر کی ساری مشقتیں برداشت کرتا ہوا شہر زوزن پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وہ اتنا نحیف و ناتواں ہوگیا کہ آگے چلنے کی تاب نہ رہی۔اس نے ایک خیمہ نصب

کرنے کا حکم دیا تاکہ تھوڑی دیر آرام کرے۔مال و اسباب آگے جا چکے تھے اور خیمہ نصب کرنے کے لیے کوئی سامان موجود نہ تھا۔مجبوراً لوہے کے زرہ بکتر زمین پر بچھا دیے گئے اور سنہرے ڈھال کو اس کے سر پر رکھا گیا تاکہ سایہ ہوجائے۔جیسے ہی وہ اس کے سائے میں لیٹا اس کی نظر اوپر گئی اور اس نے دیکھا کہ بطلیموس کی پیشن گوئی کے مطابق اس کے سر پر زریں سایہ موجود ہے۔وہ فوراً سمجھ گیا کہ اب اس کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔

سکندر نے فوراً اپنے دبیر کو طلب کیا اور اپنی والدہ کے نام ایک خط لکھا اور ماں کو یہ وصیت کی کہ وہ اس کی موت کی خبر پا کر صبر وتحمل سے کام لے اور اپنے بیٹے کی تسکین روح کی خاطر دعوت طعام کا اہتمام کرے جو بادشاہوں اور حکمرانوں کے شایان شان ہو۔اس دعوت میں ایسے لوگوں کو مدعو کرے جنھیں زندگی میں کسی غم واندوہ کا سامنا ہی نہ ہوا ہو۔

جب یہ خط سکندر کی ماں کے پاس پہنچا تو اس نے تعزیت کی اور ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا۔اس نے یہ اعلان کروایا کہ صرف وہی شخص اس دعوت میں شریک ہوسکتا ہے جس نے زندگی میں کبھی دکھ اور مصیبت کا سامنا نہ کیا ہو۔کہتے ہیں کہ ایک سال تک منادی مسلسل آواز لگا تا رہا لیکن کوئی بھی اس دعوت میں شریک نہ ہوا۔

ذوالقرنین یعنی سکندر کی ماں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ اس کے بیٹے کا منشا یہ تھا کہ اس کی ماں یہ جان لے کہ دنیا میں صرف وہ تنہا ایک ایسی ماں نہیں جسے اپنے بیٹے کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا ہے۔

مختصر یہ کہ سکندر نے دنیا کے بہت سارے ممالک پر اپنا تسلط قائم کیا اور بیشتر بادشاہوں کو اپنا باج گزار بنایا لیکن آخر کار اسے بھی اس دار فانی کو الوداع کہنا پڑا۔

(154) سکندر کی حکمت عملی

سکندر نے سارے عالم کو مسخر کرنے بعد اپنے استاد اور وقت کے ممتاز دانشور ارسطا طالیس کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔سکندر نے ان سے دریافت کیا کہ آخر اتنی وسیع وعریض سلطنت کا نظم ونسق کس طرح قائم رکھا جاسکتا ہے۔ارسطا طالیس نے کہا ''اگر ہر طرف تمھارے دشمن

پیدا ہو جائیں تو تم ہرگز چین سے نہ بیٹھ پاؤ گے اور اگر دشمن کی طرف سے غافل بیٹھو گے تو وہ بھی تمھارے لیے درست نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ تم ہر ریاست میں اپنے ہوشمند و عاقل گورنر نامزد کردو۔ اپنے جاگیرداروں کو طاقت وقوت عطا کرو لیکن ان کے ذمہ وسیع علاقے نہ ہوں اور وہ ایک دوسرے سے نزدیک بھی ہوں۔ ایسی صورت میں وہ ہمیشہ آپس میں برسرِ پیکار رہیں گے اور تم چین کی نیند سوسکو گے۔ سکندر کو اپنے استاد کی بات پسند آئی اور وہ اپنی مملکت کے نظم ونسق کے سلسلے میں اسی منصوبے پر عمل پیرا رہا۔

سکندر کی موت کے بعد ایک عرصے تک اس کی مملکت میں امن و امان برقرار رہا اور وسیع علاقے میں پھیلی ساری ریاستیں اس کی تابع رہیں۔

(155) اشک کی حکمرانی اور قیصرِ روم کا حملہ

سکندر کے انتقال کے بعد اس کی عظیم الشان مملکت مختلف ریاستوں میں منقسم ہوگئی۔ ہر ریاست میں ایک امیر مقرر کیا گیا۔ ہر امیر مستحکم اور خود کفیل تھا لیکن دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے احتراز کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ترکستان سے لے کر مصر وشام کی سرحد تک تقریباً 70 ریاستیں تھیں۔

سکندر کی حکمرانی کی مدت کیا تھی اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مورخوں نے اس کی حکمرانی کی مدت 533 سال بتائی ہے۔ محمد جریر طبری نے لکھا ہے کہ سکندر کے بعد دریائے دجلہ سے رے تک کے علاقے پر 'اشک' نامی بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی جو دارائے کبیر کی اولاد میں سے تھا۔ اگرچہ آس پاس کے حکمراں اس کے تابع نہیں تھے لیکن اس کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔

سکندر کی حکمرانی کے حوالے سے یہ مشہور ہے کہ ملک روم سے انطیخیس نامی ایک بادشاہ دریائے دجلہ عبور کر کے عراق سے لے کر اہواز، پارس اور رے تک کے علاقے پر قابض ہوگیا۔ سکندر نے اپنے دورِ حکومت میں اشک کے بڑے بھائی کو جو 'دارائے صغیر' کے نام سے مشہور تھا موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس وقت اشک جو کم سن اور قوت انتقام سے محروم تھا روپوش ہوگیا۔

سکندر کی موت کے بعد جب انطیخیس کی حکومت قائم ہوگئی تو 'اشک' قعر گمنامی سے باہر آیا اور دوسری ریاستوں سے تعاون کی درخواست کی۔ دوسری ریاستوں نے اس خاندان کی حرمت کی خاطر اپنے لشکر روانہ کیے۔ 'اشک' کی رہنمائی میں یہ فوج انطیخیس پر حملہ آور ہوئی اور چشم زدن میں اس کے زیر تسلط سارے علاقے اشک کے قبضے میں آ گئے۔

اشک ایک کامیاب حکمراں تھا۔ وہ شان وشوکت کا متمنی نہ تھا اور نہ ہی پڑوسی ریاستوں سے تعرض کیا کرتا تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے موتی کا ہار اور درفش کاویانی اس کی ملکیت تھی۔ وہ کئی سال تک سریر آرائے سلطنت رہا۔ جب قسطنطین نامی ایک رومی بادشاہ نے دریائے دجلہ عبور کر کے اس پر چڑھائی کی تو شہر حصین کا فرمانروا بنفس نفیس اس کی مدد کو آیا۔ الغرض چار لاکھ سپاہی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حصین کے فرمانروا کی سربراہی میں یہ فوج رومی لشکر پر حملہ آور ہوئی اور دشمنوں کو شکست فاش کا منھ دیکھنا پڑا۔ رومی بادشاہ قسطنطین روم کی جانب بھاگ کھڑا ہوا اور وہاں اس نے قسطنطنیہ نامی ایک مضبوط قلعہ کی بنیاد رکھی۔

(156) اشکانی خاندان کا عروج وزوال

ابومنصور ثعالبی اپنی کتاب ''درّ غرر وسیر'' میں قلمبند کرتے ہیں کہ اسکندر کے بعد عراق، پارس اور دریائے دجلہ سے شہر رے تک کا علاقہ ''فغفور'' نامی بادشاہ کے ماتحت آ گیا۔ وہ اشکانی خاندان کا چشم وچراغ تھا جس کا نسب یافث بن نوح سے جا ملتا ہے۔ فغفور نے صرف دو سال حکومت کی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاپور تخت پر بیٹھا اور تقریباً 53 سال سریر آرائے سلطنت رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنی مملکت اپنے بیٹے گودرز کے سپرد کی۔ اس نے ملک کی ترقی کے لیے منصوبے بنائے، بنی اسرائیل پر لشکر کشی کی اور فاتح رہا۔ گودرز کے عہد حکومت میں ہی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

گودرز نے اپنے دور حکومت میں بڑے مظالم ڈھائے اور لوگوں کو اذیتیں پہنچائیں۔ آخرکار 57 سال حکومت کرنے کے بعد شکار کھیلتے ہوئے لقمہ اجل بن گیا۔ اس کی موت پر لوگوں نے خوشیاں منائیں۔

گودرز کی موت کے بعد اس کا بھائی ''ایران'' تخت کا وارث ہوا۔ وہ نہایت ہی عقلمند و ذہین تھا۔اس نے بڑی حکمت کے ساتھ اپنی ریاست کو نئے طریقے سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور ملک میں عدل وانصاف کی فضا قائم کی۔اس کی عدل گستری اور کرم فرمائی کے سبب اس کی رعایا اس کی گرویدہ ہوگئی۔جب اس کی حکمرانی کے (47) سال مکمل ہوگئے تو اس نے اپنے بیٹے گودرز کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

گودرز (دوئم) اپنے والد کے نقش قدم پر عمل پیرا رہا اور بڑی ذکاوت و فطانت کے ساتھ سلطنت کا کام کاج سنبھالتا رہا۔اس نے تقریباً 31 سال تک حکمرانی کی۔اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا نرسی تخت نشین ہوا۔بعضوں کے نزدیک نرسی ایران کا بیٹا تھا۔ بہرکیف نرسی نے اپنے آباواجداد کی سنتوں پر عمل کیا اور اچھے اور صحت مند آداب ورسوم رائج کیے۔

نرسی نے چار شہزادیوں سے چار شادیاں رچائیں۔اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ چاروں آپس میں شیر وشکر رہیں لیکن اس کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ایک بیوی نے اسے زہر دے کر مار ڈالا۔اس کی موت کے بعد ملکہ بلاش کا بیٹا ہرمز تخت کا وارث ہوا۔اس نے سارے ملک کا دورہ کیا اور اس کے عدل وانصاف کے سبب رعایا کو امن وراحت کی زندگی نصیب ہوئی۔

ہرمز اپنے غلاموں پر فدا تھا اور یہ کہتا تھا کہ یہ غلام فراغت کے اوقات میں عورتوں جیسی لطافت کے حامل ہوتے ہیں اور کام کاج کے دوران مردانہ قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اسے شکار کا بڑا شغف تھا اور اس کی موت بھی شکار کے دوران واقع ہوئی۔

ہرمز کی موت کے بعد اس کا بیٹا فیروز تخت وتاج کا وارث قرار پایا۔اس نے ایک مضبوط ومستحکم حکومت کی بنیاد رکھی اور عدل وانصاف کے حوالے سے اپنے باپ دادا کے قائم کردہ اصولوں پہ کاربند رہا۔کہتے ہیں کہ فیروز کو بھی غلاموں سے بڑی رغبت وانسیت تھی۔وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا۔ایک بار حکیموں اور وزیروں کی ایک جماعت نے اسے متنبہ کیا اور کہا''ان پر ہرگز اعتماد نہ کرو۔ان کا کام تو صرف اطاعت وفرمانبرداری ہے اور وہ بھی عارضی اور وقتی، ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔یہ کب تمھارے دشمن ہوجائیں۔'' فیروز نے ان کی نصیحتوں پر عمل کیا اور غلاموں کی مصاحبت سے توبہ کی۔

اس توبہ کے بعد فیروز نے عورتوں سے میل جول بڑھانا شروع کردیا۔اس اختلاط کے نتیجے میں ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام خسرو رکھا گیا۔ شباب کے زینے پر قدم رکھتے ہی خسرو تخت و تاج کا خواب دیکھنے لگا۔ جب فیروز کو اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے اس کی گرفتاری کا پروانہ جاری کیا۔ایام اسیری کے دوران اس کی ایسی تعلیم و تربیت کی گئی کہ وہ مطیع و فرماں بردار ہوگیا۔ فیروز نے اطمینان کا اظہار کیا اور اسے بخش دیا۔ فیروز نے 39 سال تک حکومت کی۔

فیروز کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا خسرو تخت پر بیٹھا۔ اس نے فنکاروں اور ہنرمندوں کی خوب سرپرستی کی اور زمانے کے چہرے سے ظلم و جبر کی کالک کو صاف کیا۔ 40 سال تک حکمراں رہنے کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

خسرو کی موت کے بعد اردوان اس کا جانشین قرار پایا۔ اس نے ایک وسیع و عریض سلطنت قائم کی۔ عراق ، پارس، جبال سے لے کر رے تک کے علاقے اس کے زیر نگیں ہوگئے۔ اس نے بیشتر پڑوسی ریاستوں کو بھی اپنا باج گزار بنا لیا۔اس کی مدت حکومت 55 سال پہ محیط ہے۔ اس کی موت کے ساتھ اشکانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

(157) اردشیر بابکان اور ساسانی خاندان کا عروج

کہتے ہیں کہ اردوان کے ایام حکومت کے دوران پارس کے علاقے میں بابک نامی ایک افسر رہتا تھا۔ بہت ہی کم عرصے میں وہ اپنی حکمت عملی کے سبب کافی طاقتور بن بیٹھا اور مشہور ہوگیا۔ بابک کے مصاحبوں میں ایک شخص تھا جس کا نام ساسان بن ساسان بن بہمن بن اسفندیار تھا۔

برہان الدین مطرزی کی تالیف ''شرح مقامات'' میں مذکور ہے کہ جب بہمن بن اسفندیار نے اپنی بیٹی ہما کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو بہمن کا بیٹا ساسان یہ سمجھ گیا کہ اس کا باپ اسے تخت و تاج سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی جان بچانے کی خاطر پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا اور ادھر ادھر گھومنے لگا۔ درویشوں کی ایک ایسی جماعت اس کے گرد جمع ہوگئی جو خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی اور سائل بن کر کسب معاش کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ جماعت ساسانی کے نام سے مشہور ہوگئی۔

ساسان کے بیٹے کا نام بھی ساسان تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد وہ بابک کی فوج میں شامل ہوگیا۔ چند ہی دنوں بعد میں وہ فوج کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ جب بابک نے اس کے چہرے پر بزرگی کے آثار نمایاں دیکھے تو اس کی تربیت میں لگ گیا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ ساسان کی پیشانی پر چاند اور سورج درخشاں ہیں ۔ بیدار ہوتے ہی اس نے ساسان کو بلایا۔ ساسان نے بھی ٹھیک ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔ بابک فوراً سمجھ گیا کہ یہ باتیں سچ ثابت ہونے والی ہیں کیونکہ وہ اس نوجوان کی دانائی و ہوشمندی کا پہلے ہی سے قائل ہو چکا تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچی اور اپنی بیٹی کو اس کے سامنے پیش کیا۔ رفتہ رفتہ ساسان بھی اس کے قریب ہوتا گیا اور بات عروسی تک جا پہنچی۔ دونوں کی شادی ہوگئی اور وہ خوش و خرم رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد بابک کی بیٹی کو حمل ٹھہر گیا۔ قبل اس کے کہ وہ گوہر آبدار صدف سے باہر آتا ساسان کی موت واقع ہوگئی۔

چند دنوں کے بعد بابک کی بیٹی نے ایک بچے کو جنم دیا جو انتہائی خوبصورت و پرکشش تھا۔ اس کی پیشانی سے بزرگی و شرافت کا نور ہویدا تھا۔ بابک نے اس کا نام اردشیر رکھا اور اس کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس کا نام جلد ہی اس کے نانا کے ساتھ جڑ گیا اور لوگ اسے اردشیر بابک کے نام سے پکارنے لگے۔

جب اردشیر بڑا ہوا تو اس کی شرافت ونجابت کے قصے اردوان کے کانوں تک پہنچے۔ اس نے بابک سے یہ درخواست کی کہ اردشیر کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ بابک کے مشیروں نے بھی حامی بھر لی تاکہ اس کی صحیح تعلیم و تربیت ہو سکے۔ لہٰذا بابک نے اردشیر کو اردوان کے پاس بھیج دیا۔ اردوان اسے دیکھتے ہی اس کا گرویدہ ہوگیا، اپنے بچوں کے ساتھ اس کی پرورش کی اور سواری اور جوانمردی کے سارے آداب سکھائے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اردشیر اردوان کے بچوں کے ساتھ شکار پہ گیا۔ اردوان بھی پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے پیچھے گیا تاکہ ان کے علم و ہنر کا مشاہدہ کرے۔ وہ خود ایک پہاڑ پہ چڑھ گیا جہاں سے شکارگاہ کا سارا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اردشیر اس کے بیٹوں کے مقابلے میں ہر فن میں زیادہ طاق ہے تو وہ حسد کا شکار ہوگیا۔

دوسرے دن اس نے اردشیر کو بلا کر کہا ''تمھارا باپ تو ایک معمولی افسر تھا۔لہٰذا ملک کا انتظام و انصرام تمھارے بس کی بات نہیں۔ میں ڈاک کا محکمہ تمھارے حوالے کرتا ہوں تم اس میدان میں اپنا نام روشن کرو۔'' اردشیر نے اپنی جان کی اماں کی خاطر سرِ تسلیم خم کیا اور اس کام میں مشغول رہنے لگا۔

ایک روز اردشیر اصطبل میں بیٹھا تھا کہ اچانک اردوان کے محل کے ایک گوشے سے ایک پتھر کا ٹکڑا اس کے نزدیک آ کر گرا۔ اس نے دیکھا کہ ایک حسین و بے باک کنیز اس کی طرف پتھر پھینک رہی ہے۔اسے اس دوشیزہ کی ادا اتنی بھائی کہ وہ اسے دل دے بیٹھا لیکن اردوان کے خوف سے اپنے عشق کو چھپاتا رہا۔ وہ کنیز ہمیشہ اپنے عاشق سے ملاقات کی خواہاں رہتی اور جب بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ آتا اردشیر کو اردوان کے منصوبوں سے باخبر کرتی رہتی۔

شب و روز یوں ہی گذرتے رہے۔ جب اردشیر کو بابک کی موت کی خبر ملی تو وہ غمزدہ و بے قرار ہو اٹھا۔ اردوان سے درخواست کی کہ اسے اپنے وطن واپس بھیج دیا جائے لیکن اس نے توجہ نہ دی۔اس کی جگہ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو اردشیر کے وطن کی جانب بھیجا۔اردشیر انتہائی کبیدہ خاطر و ناامید ہو گیا۔اتفاقاً وہی کنیز حاضر ہوئی اور یہ بتائی کہ منجموں کے مطابق اس کے ملک کی حکومت اب کسی اور کے ہاتھوں منتقل ہونے والی ہے۔اردشیر یہ سن کر اور بھی مغموم ہوا۔اس نے کنیز سے کہا کہ اگر وہ اسے یہاں سے فرار ہونے میں مدد کرے تو وہ ہمیشہ اس کا ممنون رہے گا۔

کنیز نے کہا ''جب تک میری جان میں جان ہے میں تیری محبت و الفت سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ تو مجھے صرف اس بات کی اجازت دے کہ میں چند ہیرے جواہرات اپنے ساتھ لے لوں تاکہ راستے میں پریشانیوں کا سامنا نہ ہو۔'' وہ فوراً گئی اور ہیرے و جواہرات لے کر واپس آئی۔اردشیر نے بھی دو تیز رفتار گھوڑے تیار کر رکھے تھے۔ دونوں اتنی تیزی سے بھاگے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

جب اردوان کو ان دونوں کے فرار ہونے کی خبر ملی تو اس نے ان کے پیچھے سوار بھیجے جو پیچھا کرتے ہوئے تقریباً 60 فرسنگ کی دوری تک گئے لیکن کامیابی ہاتھ نہ آئی۔ اردوان اپنی غفلت پر نادم تھا پر اب کوئی چارہ بھی نہ تھا۔اردشیر سیدھے اسطخر پہنچا جہاں اردوان کا بیٹا

گورنر تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور اپنے والد کے چند مصاحبوں کی مدد سے اردوان کے بیٹے پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر ڈالا۔

اردشیر جلد ہی سارے علاقے پر قابض ہوگیا اور اپنے پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کو خطوط روانہ کیے تاکہ وہ اس کی مدد کو آئیں۔ چند ہی دنوں میں ہر چہار جانب سے لشکروں کی آمد شروع ہوگئی۔ اردشیر کی روزافزوں بڑھتی ہوئی قوت سے اردوان خوفزدہ تھا۔ اس نے بھی فوجیں جمع کیں لیکن جب اردشیر کا سامنا ہوا تو اس کی فوج خس و خاشاک کی مانند بہہ گئی۔ اردوان بھاگ کھڑا ہوا لیکن جلد ہی اردشیر نے اسے ڈھونڈ نکالا اور اس کا کام تمام کر دیا۔

محمد جریر طبری کے مطابق جنگ کے دوران اردشیر نے خود اردوان کو گھوڑے سے گرادیا اور اس کے سر پر ٹھوکریں مارتا رہا یہاں تک کہ اردوان کی موت ہوگئی۔ اردوان کی موت اردشیر کے عروج کی غمازی کر رہی تھی۔ وہ ایک وسیع خطے کا شہنشاہ قرار پایا۔ اس نے ہمدان پر فوج کشی کی اور جبال، نہاوند اور دینور کے علاقوں پر قابض ہوگیا۔ پھر اس نے آذربائیجان کا رخ کیا اور آرمینیہ، موصل اور سواد پر فتح و کامرانی کے پرچم لہرائے۔ اس نے تقریباً 14 سال تک حکمرانی کی اور راہی ملک عدم ہوا۔

(158) ملک شاپور کی حکومت

محمد جریر طبری اپنی تصنیف 'تاریخ طبری' میں قلمبند کرتے ہیں کہ جب اردشیر نے اپنی حکومت قائم کر لی اور ہر چہار طرف اس کی سطوت شاہی کے ڈنکے بجنے لگے تو بزرگوں کی ایک جماعت نے کہا "تیرے دادا ساسان ہمیشہ اس گھڑی کے منتظر رہتے تھے۔ وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ اگر تخت و تاج ان کے قبضے میں آجائے تو وہ اشکانیوں کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیں لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے لڑکے کو اس عہد کی پاسداری کی وصیت کی اور کہا "اگر تجھ سے یہ کام ممکن نہ ہوسکے تو اپنی اولاد کو اس بات کی وصیت کرنا۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن میرا یہ خواب سچ ثابت ہوگا۔"

اردشیر ساسانی خاندان کا اولین بادشاہ تھا۔ اس نے اشکانیوں کو تہ تیغ کرنے میں اپنی ساری توانائی صرف کی اور انھیں ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر کے اپنے دادا جان کے خواب کی تکمیل کی۔

ایک دن اشکانی خاندان کا ایک شخص مارا گیا۔ اس کا مال ومتاع، غلام وکنیز اردشیر کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ ان میں ایک کنیز تھی جو حسن و جمال میں بے نظیر اور گفتار میں شیر وشکر تھی۔ اردشیر نے اسے اپنے لیے پسند کیا۔ چند دنوں کے بعد وہ کنیز حاملہ ہوگئی۔ ایک دن اس نے کنیز سے اس کی بندگی کا حال دریافت کیا۔ کنیز نے کہا ''میں دراصل کنیز نہیں ہوں بلکہ اشکانی خاندان کی ایک باعزت وعفت پردہ نشین خاتون ہوں۔'' اردشیر یہ سن کر پشیمان تھا اور پریشان بھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اس کنیز کا کام تمام کرنا چاہا۔ فوراً اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اس کنیز کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ وزیر اسے اپنے گھر لے گیا اور چاہا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرے۔ کنیز نے کہا ''میں بادشاہ کی طرف سے حاملہ ہوں۔'' وزیر کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے ایک زمین دوز گھر بنایا اور اسے وہیں ٹھہرایا۔ اس نے اپنا آلۂ تناسل کاٹ کر ایک ڈبیہ میں رکھا اور اسے سر بہ مہر کر دیا۔

دوسرے دن وہ دربار میں حاضر ہو کر کہنے لگا ''جہاں پناہ! میں اس ہیرے کو اپنے گھر پر نہیں رکھ سکتا۔ آپ خازن سے کہیں کہ وہ اسے اپنے خزانے میں رکھے اور جب میں طلب کروں حاضر کر دے۔'' یہ کہہ کر اس نے وہ ڈبیہ اردشیر کے حوالے کیا۔

چند مہینے بعد اس کنیز نے ایک بچے کو جنا۔ اس کا نام شاپور رکھا گیا یعنی بادشاہ کا بیٹا۔ وزیر نے اس کی پرورش وپرداخت کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھائی اور شاہی آداب و رسوم سکھائے۔ ایک دن جب وزیر اردشیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے انتہائی غمزدہ پایا تو پوچھا ''آخر اس فکر وتردد کی وجہ کیا ہے؟'' اردشیر نے کہا ''گرچہ مجھے سارے عالم کو فتح کرنے کا شرف حاصل ہے، مجھے یہ فکر دامن گیر ہے کہ اگر میری موت ہوگئی تو میرا وارث کون ہوگا۔ میرے تو کوئی بیٹا نہیں ہے۔''

وزیر نے کہا ''جہاں پناہ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا ایک فرزند ارجمند موجود ہے۔ وہ انتہائی خوبصورت اور ذہین ہے اور اس کی پیشانی پر بادشاہت کے سارے

آثار موجود ہیں۔'' بادشاہ نے پوچھا'' آخر وہ کہاں ہے؟ وزیر نے کہا'' اگر واقعی وہ اس کا حال جاننا چاہتا ہے تو پہلے اپنے خازن سے کہے کہ وہ سر بہ مہر ڈبیہ جو میں نے امانت کے طور پر رکھنے کے لیے دیا تھا حاضر کرے۔'' خازن نے وہ ڈبیہ پیش کی۔ جب اس کا ڈھکن کھولا گیا تو اس میں اس کا آلہ تناسل پایا گیا۔ بادشاہ کو تعجب ہوا۔ وزیر نے اب سارا ماجرا کہہ سنایا۔

وزیر نے یہ کہا کہ جب کنیز نے یہ بتایا کہ وہ حاملہ ہے تو میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ حمل جو بادشاہ کے نطفہ سے ہے ضائع ہو جائے۔ دوسری طرف یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ایک نہ ایک دن یہ راز فاش ہو جائے گا اور دشمن طعنہ زنی کریں گے۔ لہٰذا میں نے اپنا آلۂ تناسل کاٹ ڈالا اور اس ڈبیہ میں بند کر کے بادشاہ کے خزانے میں رکھوا دیا۔''

اردشیر یہ سن کر حیران رہ گیا لیکن اس نے اس کام کو مستحسن قرار دیا اور کہا'' تم اس لڑکے کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ میرے سامنے پیش کرو تا کہ میں دیکھوں کہ میں اسے پہچان پاتا ہوں یا نہیں۔'' وزیر نے چند لڑکوں کو سجا سنوار کر پیش کیا۔ شاپور بھی ان کے درمیان تھا۔ اردشیر فوراً اسے پہچان گیا۔ شفقت پدری نے جوش مارا، شاپور کو اپنا بیٹا تسلیم کیا اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

(159) شاپور بن اردشیر کا تذکرہ

اردشیر کے انتقال کے بعد شاپور تخت پر متمکن ہوا۔ اس نے امور سلطنت کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا اور باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ اس طرح وہ رعایا میں مقبول ہو گیا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ قسطنطین کا بادشاہ حد سے تجاوز کرنے لگا ہے تو اس نے روم کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں اس کا گذر شہر نصیبین کے نزدیک سے ہوا جو ان دنوں ملک شام میں واقع تھا اور رومی بادشاہ کے ماتحت تھا۔ شاپور نے چاہا کہ قبل اس کے کہ وہ روم پر حملہ آور ہو، نصیبین کے دفینوں اور خزینوں کا مالک بن بیٹھے۔

شہر نصیبین کے لوگوں نے شہر کے دفاع کی خاطر حصار بندی کر رکھی تھی۔ شاپور نے اطراف کے ممالک سے مدد طلب کی، فوجوں کو صف بستہ کیا اور منجنیق نصب کیے۔ پلک جھپکتے

ہی شہر تباہ و برباد ہوگیا اور زمین پر خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ جو کچھ بھی خزانے اور قیمتی ہیرے وجواہر ہاتھ آئے شاپور نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کردیے۔

اس واقعہ کے بعد قیصر روم پر سکتہ طاری ہوگیا۔اسے مفاہمت میں ہی اپنی بھلائی نظر آئی۔ اس نے معذرت پیش کی اور سفیر بھیجے۔شاپور اس کامیاب مہم کے بعد اپنے وطن واپس ہوا۔

(160) شاپور کا حضر موت پر تسلط

شاپور جب اپنے وطن لوٹ رہا تھا تو اس کا گذر حضر موت سے ہوا جو دریائے دجلہ وفرات کے درمیان واقع تھا۔اس شہر پر ساطرون نامی بادشاہ کی حکومت قائم تھی جسے لوگ ''ضیزن'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ بہت طاقتور ہو چکا تھا اور اسے اہل عرب اور اہل پارس کی ہمدردی بھی حاصل تھی۔ ہمیشہ وہ عراق کے اطراف میں حملے کرتا اور جزائر کی ریاستوں کو پریشان کرتا۔شاپور کو اس سے خطرہ لاحق ہوا۔

شاپور شہر حضر موت کے نزدیک پہنچا اور فرات کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ضیزن نے بھی اپنے شہر کے دفاع کی خاطر لشکر جمع کر چکا تھا اور قلعہ کو بھی استحکام بخش چکا تھا۔شاپور نے اس قلعہ کی تسخیر کے لیے اپنے سپاہی روانہ کیے لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔

ایک دن شاپور شکار کی غرض سے روانہ ہوا۔ شکار کھیلتے کھیلتے اپنے لشکر گاہ میں آ گیا اور حالات کا جائزہ لینے لگا۔اتفاقاً اسی لمحہ ایک پری رخ حسینہ کی نظر جو قلعہ کے برج پر کھڑی محو نظارہ تھی شاپور پر جا ٹکی۔اس کے استفسار پر لوگوں نے بتایا کہ وہ مخالف فوج کا سپہ سالار اور عجم کا بادشاہ ہے۔وہ حسینہ دراصل ضیزن کی بیٹی تھی ۔شاپور کو دیکھتے ہی اس پر مر مٹی اور فوراً ایک خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا: ''وہ اس قلعہ کی تسخیر کے طریقے سے واقف ہے۔اگر بادشاہ اس کی مدد کا خواستگار ہے تو وہ اس کی مدد کر سکتی ہے۔شرط یہ ہے کہ وہ قلعہ پر قابض ہونے کے بعد اسے اپنی شریک حیات بنائے گا۔''اس نے اپنے خط کو ایک تیر کے ساتھ باندھ کر شاپور کے نزدیک پھینکا۔شاپور نے بھی اچھا سا جواب لکھا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اس کی خواہش ضرور پوری کرے گا۔''

ضیزن کی بیٹی نے جب یہ خط پڑھا تو ہزار جان سے اس پر فدا ہوگئی۔اس نے ایک خط لکھ کر شاپور کو ان خفیہ راستوں سے مطلع کیا جو اندرون شہر تک جا تا تھا۔حملہ کے لیے اس نے رات کا وقت متعین کیا۔ جب سورج غروب ہوگیا تو ضیزن کی بیٹی نے مخصوص مقام کے پہرے داروں کو شراب و طعام بھجوائے ۔ابھی وہ ان کھانوں سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ شاپور اپنے منتخب جانبازوں کے ساتھ خفیہ راستے سے قلعہ کے اندر داخل ہوکر ضیزن کے محل تک پہنچ گیا۔ضیزن کا سر قلم کیا اور نیزے پر رکھ کر محل کی چھت پر لایا۔ چونکہ سردار کا سر قلم ہو چکا تھا رعایا نے بھی اپنے سر تسلیم خم کر دیے۔الغرض حضر موت کا شہر شاپور کے تسلط میں آ گیا۔شاپور نے فتح و کامرانی کا جشن تزک و احتشام کے ساتھ منایا اور ضیزن کی بیٹی سے اپنی شادی رچائی۔

ایک رات جب شاپور اپنی شریک حیات کے ساتھ محوِ خواب تھا، اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ۔اس نے بستر پر خون کے نشان دیکھے۔تفتیش کرنے پر پتہ چلا کہ آس کے ایک پتہ کے سبب شہزادی کی چمڑی پر خراش آ گیا تھا اور خون کا سبب بھی وہی خراش تھا۔شاپور کو اس کی نازک اندامی پر سخت تعجب ہوا۔اس نے پوچھا ''آخر تمھاری اس نازک اندامی کا سبب کیا ہے؟'' شہزادی نے جواب دیا ''میرے والد مجھے مرغی کے انڈے کی زردی، مکھن، بالائی اور شہد کھلاتے تھے۔''

شاپور نے جب یہ سنا تو تھوڑی دیر تأمل کے بعد کہنے لگا ''تو نے جب ایسے باپ کے ساتھ حق وفاداری نہیں نبھائی اور صرف اپنی شہوت کی خاطر اس کی جان کو خطرے میں ڈال دیا، پھر میں تجھ سے وفا کی امید کیسے رکھوں؟'' اس نے یہ حکم دیا کہ اس کے بالوں کو سرکش گھوڑے کے لگام سے باندھا جائے اور پھر اسے خاردار جھاڑیوں کے درمیان کھینچا جائے تا کہ یہ جھاڑیاں اس کے خون سے آلودہ ہو جائیں۔''

شاپور اعظم کے زمانے میں ایران کو بڑی ترقی و خوشحالی نصیب ہوئی۔وہ عظیم فتوحات سے ہمکنار ہوا۔اس نے جنگلوں میں سرائے تعمیر کروائے ۔اپنے بیٹے ہرمز کو خراسان کی امارت عطا کی اور جب اسے رعایا پر مہربان، ظالموں پر سخت گیر اور مظلوموں کا ہمدرد پایا تو اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

محمد جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ رقمطراز ہے کہ شاپور کے بیٹے ہرمز کو لوگ 'قطیع' کے نام سے بلاتے تھے کیونکہ اس نے اپنا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ خراسان کی امارت کے زمانے میں جب اس نے نظم وضبط قائم کر لینے کے بعد بہت ساری فوجیں جمع کر لیں اور خزانے اکٹھے کر لیے تو شاپور نے اسے واپس بلا بھیجا۔ ہرمز نے یہ سمجھا کہ لوگوں نے اس کے خلاف بادشاہ کے کان بھر دیے ہیں۔اس نے اپنا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا اور اپنے والد کی خدمت میں بھیج دیا اور یہ لکھ بھیجا کہ شاید کسی جماعت نے آپ کے کان بھر دیے ہیں کہ میں آزادی کا خواہاں ہو گیا ہوں ۔ لیجیے میرا ایک ہاتھ حاضر خدمت ہے۔ شاپور اس واقعہ سے کافی ملول خاطر ہوا۔اس نے لکھا ''تم نے ایسا کام کیوں کیا؟ بیشک تم ہی میرے ولی عہد ہو۔اب چونکہ تم نے یہ سب میری رضا کی خاطر کیا ہے، یہ تمھاری سعادت مندی کی دلیل ہے۔'' شاپور نے فوراً ہرمز کی ولی عہدی کا اعلان کیا۔شاپور نے کل تیس 30 سال تک حکومت کی۔

(161) ملک ہرمز کا دور اقتدار

ہرمز نے اپنے دور حکومت میں امور نظم ونسق بحسن وخوبی انجام دیے۔عدل وانصاف کی فضا قائم کی اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر عمل پیرا رہا لیکن اس کی مدت حکمرانی مختصر تھی۔ وہ صرف دو سال برسر اقتدار رہا۔اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا بہرام تخت پر بیٹھا۔

(162) بہرام بن ہرمز کا دور اور مانی کا ظہور

بہرام ایک بہادر، ثابت قدم اور ذی وقار بادشاہ تھا۔ جب رعایا نے اس کے حلم وتدبر کو دیکھا تو اس کی مطیع وفرمانبردار ہوگئی۔ مانی نامی ایک زندیق اس کے دور حکومت میں پیدا ہوا جس نے زندقہ کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس مذہب کی دعوت دی۔ ناپاک اور بے دین لوگ اس کی حمایت کو آئے۔آج اس باطل مذہب کے ماننے والوں کو باطنی کہا جاتا ہے۔

(163) بہرام کے ہاتھوں مانی کا خاتمہ

اعراض الریاستہ فی اغراض السیاستہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ مانی کا ظہور بہرام بن ہرمز کے زمانے میں ہوا۔ وہ ایک ماہر نقاش اور عقلمند انجینئر تھا اور اپنے مکر و فریب سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔ اس نے ایک واہیات دین کی بنیاد رکھی۔اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کے جسم کے اندر روح مقید ہے۔ چونکہ اس روح کا تعلق دوسری دنیا سے ہے اس جسم میں وہ مجبور و مقہور ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پرندہ پنجڑے میں بند ہو اور اپنی آزادی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہو۔ انسان کو بھی یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جتنی جلد ممکن ہو اس کی پاکیزہ روح اس قفس عنصری سے آزاد ہوجائے۔لوگ اس کی ان سب باتوں کے گرویدہ ہوگئے اور اس کے فریب میں آ گئے۔

جب یہ باتیں بہرام کے کانوں تک پہنچیں تو اس نے اسے دربار میں طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے اس کی تعلیمات کے بارے میں دریافت کیا۔مانی نے اپنی باتیں دہرائیں۔ بہرام نے پوچھا''تو یہ بتا کہ تیری زندگی بہتر ہے یا پھر تیری موت؟''اس نے کہا''میری موت۔''

بہرام نے کہا''میں تیرے قول کے مطابق عمل کروں گا۔ چونکہ تو موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ میں تجھے تکلیف میں رکھنا نہیں چاہتا۔ تجھے جہنم رسید کرنا چاہتا ہوں۔''اس نے فوراً مانی کو پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا اور اس شر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

(164) بہرام بن بہرام کا دور اقتدار

اس بہرام کو لوگ بہرام صلف کے نام سے جانتے تھے کیونکہ نزاکت و تکلف میں دوسرے بادشاہوں سے آگے تھا اور معمولی غلطیوں کے لیے سخت سزائیں تجویز کرتا تھا۔ رعایا اس سے تنگ آ چکی تھی۔اسی پریشانی کے عالم میں لوگ معابدوں اور دانشوروں کے پاس گئے اور مدد کے خواستگار ہوئے۔ان سے ایک معابد نے کہا''ہم تو تمھارے مقابلے میں زیادہ عاجز ہیں اور تم بیمار سے علاج پوچھنے آئے ہو۔ بہرکیف اگر سارے ملازم ہمارے مشورے پر

عمل کریں تو کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کل صبح کوئی بھی ملازم اس کے پاس نہ جائے اور کوئی کام انجام نہ دے۔ مثلاً اگر وہ گھوڑا طلب کرے تو کوئی رکاب دار اس کے پاس نہ ہو۔ اگر روٹی کا طالب ہو تو خانساماں غائب ہو۔''

دوسرے دن تمام ملازموں نے اس معابد کے مشورے پر عمل کیا۔ کوئی اس کے پاس نہیں گیا۔ بہرام پریشان ہوا، بھوکا رہا اور بے قرار ہو اٹھا۔ اسی اثنا میں ایک معابد اس کے پاس آیا اور کہا ''تو یقین کر، ایک تنہا شخص حکمرانی بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تیری رعایا تیری اطاعت نہ کرے تو تیرا یہ حکم کس کام کا؟''

الغرض بہرام نے اپنی نازک مزاجی سے توبہ کی اور ایک مدت تک نظام حکومت سنبھالنے کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا تخت پہ بیٹھا۔ اسے بھی اسی نام سے پکارا گیا۔

محمد جریر طبری نے اپنی تالیف 'درّ غرر و سیر' میں لکھا ہے کہ اس کی بادشاہت کی مدت چار ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے اپنے دور حکومت میں عدل و انصاف کی فضا قائم کی اور اپنے احسان و کرم کے ذریعہ عوام کو خوش و خرم رکھنے میں کامیاب ہوا۔ چونکہ وہ صاحب اولاد نہ تھا اس کی موت کے بعد اس کا بھائی تخت کا وارث ہوا اور نرسی کہلایا۔

(165) نرسی بن بہرام کی حکومت

نرسی بڑا ہی مہربان اور خوش خلق بادشاہ تھا۔ رعایا اس کے عدل و انصاف کے سایہ میں آسودہ تھی۔ اس نے تقریباً 9 سال تک حکومت کی۔ آخر کار وہ دریائے غم میں ڈوب کر راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا ہرمز اس کا ولی عہد قرار پایا۔

(166) ہرمز بن نرسی کی حکومت

ہرمز نے تخت نشین ہوتے ہی ظلم و استبداد کا راستہ اپنایا۔ رعایا اس سے ہراساں اور خوفزدہ ہوگئی۔ ایک دن اس نے ایک دانشمند سے پوچھا ''مجھے کیسا ہونا چاہیے؟ دانشمند نے

کہا''چونکہ تو لوگوں کا بادشاہ ہے تجھے فرشتہ جیسی صفت کا حامل ہونا چاہیے تاکہ امور سلطنت صحیح طور پرانجام پائے۔''

ہرمز کو یہ باتیں اتنی پسند آئیں کہ وہ یکسر بدل گیا۔ وہ انتہائی حلیم و بردبار ہوگیا اوراپنی نیک سیرتی کے سبب عوام میں کافی مقبول ہوا۔تقریباً سات سال اور نو مہینے تک سریرآرائے سلطنت رہا۔اتفاقاً شکار کے دوران وہ کسی مہلک بیماری کا شکار ہوگیا جو اس کی موت کا سبب بنی۔

(167) ملک شاپور ذوالاکتاف کے کارنامے

ہرمز کی موت کے وقت اس کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اس کی ایک بیوی حمل سے تھی۔اس نے معابدوں کو بلایا اور کہا''میری فلاں بیوی حاملہ ہے۔اگر اس نے لڑکے کو جنم دیا تو وہی میرا ولی عہد ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ چل بسا۔

دو تین مہینے گذرنے کے بعد ایک ایسے بچے نے جنم لیا جو حسن و ملاحت میں یگانۂ روزگار تھا۔اس بچے کا نام شاپور رکھا گیا۔لوگوں نے اس کی ولادت پر خوشیاں منائیں اور تاج شاہی کو اس کے گہوارے کے ساتھ باندھ دیا۔اس کی تعلیم وتربیت کے بہترین انتظامات کیے گئے۔وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اس نے نیکی و بدی میں تمیز کرنا شروع کردیا۔ابھی وہ سات یا آٹھ سال کا ہی تھا کہ اس نے اپنا پہلا فرمان جاری کیا۔

ایک دن ملک شاپور اپنے محل کی چھت پر کھڑا تھا۔لوگ دریائے دجلہ سے گذر رہے تھے اور فریاد کررہے تھے۔شاپور نے پوچھا''یہ کیسی فریاد ہے؟'' مصاحبوں نے کہا''لوگوں کے گذرنے کے لیے ایک پل کافی نہیں۔بعض ایک طرف سے آتے ہیں اور بعض دوسری طرف سے اور ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔اس ٹکراؤ کے نتیجے میں کچھ لوگ دریائے دجلہ میں گر کر موت کی نیند سوجاتے ہیں۔'' شاپور نے حکم جاری کیا کہ ایک اور پل کی تعمیر کی جائے تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب معابدوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے خوشیاں منائیں اور بادشاہ کی بلندیٔ اقبال کے لیے دعائیں کیں۔

جب شاپور جوان ہوا تو اس نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ عربوں کی بیخ کنی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ عربوں کے کاندھوں کو نکال لیتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے ذوالاکتاف کا لقب دیا۔ عربوں کی ایذا رسانی سے فارغ ہونے کے بعد اس نے قیصر روم کے ساتھ جنگ کی ٹھانی۔ وجہ یہ تھی کہ قیصر روم نے عربوں کی ایک جماعت کو پناہ دی تھی اور کسی صورت وہ انھیں لوٹانا نہیں چاہتا تھا۔

ملک شاپور نے سلطنت روم کی تباہی کا منصوبہ بنایا۔ حملہ سے قبل وہ قیصر کی عسکری طاقت کا اندازہ لگانے کی خاطر ایک درویش کے بھیس میں روم پہنچا۔ یہ اس کی ایک فاش غلطی تھی۔ خطا خطاست اگر چہ از وصواب آید۔ غلطی بہر حال غلطی ہوتی ہے، چاہے کتنا ہی فائدہ مند کیوں نہ ہو۔

ایک دن قیصر نے جشن کا اہتمام کیا۔ تمام رعایا اس کے دربار میں حاضر ہوئی۔ محل میں داخلے کے لیے کوئی پابندی نہیں تھی۔ شاپور نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور محل کے اندر آ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ لیکن اس کا جلال و جمال لوگوں کی دلچسپی و رغبت کا سبب بنا۔ قیصر کے ایک درباری نے اسے پہچان لیا اور بادشاہ کو اس کی اطلاع بہم پہنچائی۔ اس وقت قیصر کے ایک ندیم کے ہاتھ میں ایک جام خسروانی تھا جس میں شاپور کا عکس صاف جھلک رہا تھا۔ قیصر نے اسے فوراً گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ شاپور پا بہ زنجیر کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں ایک گائے کو قربان کیا گیا اور اس کی کھال کے اندر شاپور کو محبوس کر دیا گیا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا اور ایران کا رخ کیا۔ شاپور کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ قیصر سے اس معاملے میں دو غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ایک یہ کہ جب دشمن ہاتھ آ گیا ہوتو اسے زندہ چھوڑنے سے کیا فائدہ۔ دوسری یہ کہ اگر مصلحتاً اس کی زندگی کا کوئی فائدہ بھی ہوتو اس بوجھ کو ڈھونے کا کیا مطلب۔

قیصر روم اپنے سپاہیوں کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوا۔ شہروں کو ویران و برباد کرتا ہوا شاپور کے دارالخلافہ نیشاپور تک آ پہنچا۔ ملک کے امرا و مشاہیر نے شہر کی حصار بندی کی اور قیصر کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ دوسری طرف شاپور چمڑے کے اندر محبوس تیز دھوپ میں جلتا رہا۔ حسن اتفاق یہ کہ شب عیدی کے موقعہ پر قیصر روم کے لشکر کے افراد عبادت و قربانی میں مشغول ہو گئے۔ پہرے دار جو شاپور کی نگہداشت کے لیے متعین تھے غفلت میں پڑ گئے۔ شاپور کی نگاہ

تیل کے مشکوں پر پڑی اور اس نے قیدیوں سے کہا کہ وہ اس کے چمڑے پر تیل ڈال دیں۔ تیل انڈیلنے کے سبب چمڑا نرم پڑ گیا اور شاپور با آسانی قید سے آزاد ہو گیا۔

شاپور فوراً شہر کے دروازے پر پہنچا۔ شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ حصار کے اندر آ گیا۔ لشکر اور رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور شب کے آخری حصے میں شب خون ماری۔ رومی سپاہی تہہ تیغ کر دیے گئے۔

قیصر کو ایک بورے میں بھر کر شاپور کے حضور پیش کیا گیا۔ غالب اب مغلوب ہو چکا تھا۔ شاپور نے کہا ''میں وہ نہیں کروں گا جو تو نے کیا تھا۔ لیکن ایران میں جو تباہی و بربادی ہوئی ہے اس کی بھرپائی تجھے کرنا ہو گی اور شہر کو دوبارہ تعمیر کرنا ہو گا تا کہ اس کی کھوئی ہوئی رونق واپس آ جائے۔ شاپور نے ساری شرطیں مان لیں اور شہر کی دوبارہ تعمیر شروع ہوئی۔

محمد جریر طبری کے مطابق شاپور نے اس کے پاؤں کو زنجیروں سے آزاد کیا اور ایک گدھے پر بٹھا کر روم کی طرف روانہ کر دیا۔ شاپور نے کل 7 سال تک حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور راہی ملک عدم ہوا۔

(168) اردشیر کی تخت نشینی اور ہلاکت

شاپور کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام اردشیر تھا اور دوسرے کا بہرام۔ دونوں ہی عاقل و ہوشیار تھے۔ شاپور کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت نشین ہوا۔ شروع شروع اس نے لشکر اور رعایا کے ساتھ نرمی برتی لیکن بعد میں ظلم و بربریت پر اتر آیا۔ اس نے شاپور کی یادگار عمارتوں کو مسمار کیا اور بہت سارے لوگوں کو مار ڈالا۔ رعایا نے تنگ آ کر بغاوت کی اور اس کی جگہ شاپور بن شاپور کو تخت پہ بٹھایا۔ اس نے ملک کے نظم نسق کو بخیر و خوبی سنبھالا اور امن و امان کی فضا قائم ہو گئی۔ اس کے چچا نے بھی اس کی اطاعت قبول کی۔ علاوہ ازیں دوسرے امرا بھی اس کے تابع ہو گئے۔ اس نے پانچ سال تک حکومت کی۔

ایک دن وہ صحرا کی طرف نکلا تا کہ شکار کے مزے لوٹے۔ خدام اسے ایک خیمہ کے اندر لے گئے۔ اچانک ایک تیز آندھی چلی اور اس کا خیمہ زمین بوس ہو گیا۔ اس حادثہ میں اس

کی موت واقع ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس دن رعایا کے تعلق سے اس کی نیت میں فتور آ گیا تھا اور وہ ان پر ظلم کرنا چاہتا تھا۔ خدائے عزوجل نے اسے فرصت نہ دی کہ وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنائے۔ الغرض اس کی رعایا کو اس کے شر سے نجات ملی اس کی موت کے بعد بہرام بن شاپور تخت نشین ہوا۔

(169) بہرام بن شاپور کی حکومت

جب بہرام بن شاپور اپنے بھائی کا جانشین بنا تو اس نے بڑی نیکی اور خوش خلقی سے کام لیا۔شہر کرمان کی بنیاد رکھی۔ آج بھی اس شہر کو کرمان شاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد اس کے اخلاق و کردار میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ عدل وانصاف کو پس پشت ڈال کر وہ ظلم و بربریت پہ اتر آیا۔ رعایا پریشان ہوگئی اور اس کے محل میں فساد برپا ہوگیا۔ کسی شخص نے اس پر تیر کا نشانہ سادھا۔ وہ تیر سیدھے اس کے حلق میں پیوست ہوگیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزدجرد مسند شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

(170) یزدجرد اثیم کی حکومت

یزدجرد اثیم نہایت ہی ظالم و جابر اور بدخلق بادشاہ تھا۔ اس کی بدکرداری کے سبب لوگ اسے یزجرد بدکردار کے نام سے بلاتے تھے۔ اس کی بری خصلتوں میں ایک خصلت یہ تھی کہ وہ کسی کی شفاعت نہیں سنتا اور نہ ہی کسی مظلوم کی دادرسی کرتا۔ ظالموں کو ظلم سے نہیں روکتا۔ ان سب وجوہات کے سبب اس کی رعایا عاجز ہوکر اس کے حق میں بدعا کرنے لگی۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی کیونکہ وہ مظلموں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتا۔

ایک روز ایک گھوڑا اس کے خیمہ کے نزدیک آ کر کھڑا ہوگیا۔ گھوڑے کے ڈیل ڈول اور خوبصورتی کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ یزدجرد کو اطلاع دی گئی اور وہ خیمہ سے باہر آیا۔ گھوڑے کی پشت پر زین رکھا گیا۔ گھوڑا کسی کو بھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دے رہا تھا۔ یزدجرد نے اس کے نزدیک جا کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ گھوڑا ساکت وساکن کھڑا رہا۔ جیسے

ہی اس نے چاہا کہ اس کے سر پر لگام ڈالے گھوڑے نے لات ماری اور یزدجرد زمین پہ ڈھیر ہو گیا۔اس طرح خدا نے عوام الناس کو یزدجرد کے ظلم و بربریت سے نجات بخشی۔

(171) بہرام گور کی پرورش و پرداخت

کہتے ہیں کہ یزدجرد کی کوئی بھی اولاد جو دنیا میں آتی زندہ نہ رہتی۔اس بات سے وہ کافی پریشان تھا۔اتفاق سے اس کے محل میں ایک نہایت ہی خوبصورت بچے نے جنم لیا۔اس کے چہرے سے بزرگی کے آثار نمایاں تھے اور اس کے حرکات وسکنات سے فرماں روائی کی خصلتیں ہویدا تھیں۔اس خوف سے کہ کہیں وہ بھی فوت نہ ہو جائے، یزدجرد نے اسے نعمان بن منذر کے سپرد کیا جو عرب کا امیر حرب اور حیرہ کا فرماں روا تھا۔حیرہ ملک عراق کا ایک شہر تھا اور ایک صحت بخش مقام کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔

نعمان اس بچہ کو لے کر حیرہ آ گیا اور تن من دھن سے اس کی پرورش و پرداخت میں مشغول ہو گیا۔مہربان خادم اور مشفق اساتذہ مقرر کیے۔تین ایسی دایوں کا اہتمام کیا جن کا تعلق شرفا کے خاندان سے تھا۔ایک عربی تھی، دوسری ایرانی اور تیسری ترک نژاد۔مقصد یہ تھا کہ اسے عربوں کی فصاحت، ایرانیوں کی سخاوت اور ترکوں کی شجاعت نصیب ہو اور تینوں زبانوں میں یکساں عبور حاصل ہو۔نعمان نے اس کی خاطر دو عالیشان محل تعمیر کیے۔ایک محل کا نام سدیر اور دوسرے کا خورنق رکھا۔بہرام نے اس شاندار ماحول میں پرورش پائی۔اس کی بہادری کے چرچے عام ہوئے۔تیراندازی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

نعمان بن منذر کے پاس ایک گھوڑا تھا جو ہوا سے باتیں کرتا تھا۔اس نے یہ گھوڑا بہرام کے حوالے کیا اور ساری دولت اس پر خرچ کر دی۔وہ ہمیشہ کہتا کہ ''میرا سارا ملک اور میری کل جائداد تمھاری ہے۔'' بہرام نہایت ہی ناز و نعمت کے ساتھ پرورش پا رہا تھا۔اسے کسی بات کی فکر نہ تھی کیونکہ نعمان جیسا فیاض و مہربان سرپرست ہر دم اس کی خدمت میں کمر باندھے کھڑا رہتا تھا۔

(172) بہرام گور کی وجہ تسمیہ

بہرام کو بہرام گور کے نام سے کیوں پکارتے ہیں اس کی ایک وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز بہرام نعمان بن منذر کے ساتھ شکار کھیلنے گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شیر جنگلی گدھے کو پھاڑ کھانا چاہتا ہے۔ بہرام نے فوراً اپنے تیر سے نشانہ سادھا۔ تیر سیدھے شیر کی پیٹھ سے گذرتا ہوا جنگلی گدھے کے پیٹ کو چیرتا ہوا باہر آیا اور زمین میں گڑ گیا۔ دونوں ہی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ نعمان نے جب اس واقعہ کو دیکھا تو کہہ اٹھا ''اچھا ہوا کہ میں نے یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر میں نے یہ بات کسی کی زبانی سنی ہوتی تو مجھے ہرگز یقین نہ ہوتا۔''

(173) بہرام کے تعلق سے یزدجرد کی لاپرواہی

جب بہرام کی شہرت چہاردانگ عالم میں پھیل گئی تو اس نے چاہا کہ اپنے والد کا دیدار کرے اور ان کی صحبت وتربیت سے مستفید ہو۔ نعمان سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ نعمان نے کہا ''تم جو کہتے ہو وہ بالکل صحیح ہے۔ ایک بیٹے کی حیثیت سے تمھارا یہ فرض بنتا ہے کہ تم اپنے والد کی قدم بوسی کرو۔ لیکن تمھارا باپ ایک حاسد اور بدکردار شخص ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی ذات سے تمھیں کوئی تکلیف پہنچے اور تم کبیدہ خاطر ہو جاؤ۔'' بہرام نے کہا ''چاہے کچھ بھی ہو، میں چاہتا ہوں کہ ایک بار اپنے والد کا دیدار کروں۔'' لہٰذا نعمان نے اس کے سفر کی تیاری شروع کر دی اور بہرام کو مال واسباب اور خدام کے ساتھ شہر مداین کی طرف روانہ کیا۔

جب بہرام اپنے والد یزدجرد کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی لطف و مہربانی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ تمام دن وہ اپنے والد کے سامنے غلاموں کے درمیان کھڑا رہا اور یزدجرد بدستور تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اچانک اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ اونگھنے لگا۔ باپ نے اس کو تنبیہ کی اور قید خانے میں ڈال دیا۔

بہرام ایک عرصہ تک قید خانے میں رہا۔ حسن اتفاق کہ قیصر روم کا ایک قاصد یزدجرد کے دربار میں آیا اور اس کی ملاقات بہرام سے ہوئی۔ بہرام نے قید سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اس قاصد سے مدد کا خواستگار ہوا۔

قیصر روم کے قاصد نے یزدجرد سے کہا ''جہاں پناہ! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نوجوان کی پرورش و پرداخت عربوں کے درمیان ہوئی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ اسے نعمان کے پاس واپس بھیج دیں۔ وہاں اس کی روزی روٹی کا بندوبست بھی کر دیں تاکہ اس پر نعمان کے احسانات کا بوجھ کچھ کم ہو۔''

یزدجرد کو اس قاصد کی بات پسند آئی اور اس نے اس کی رہائی کا حکم جاری کیا۔ جب بہرام نعمان کے پاس آیا تو بہت خوش ہوا کیونکہ اس کی بڑی خاطر و مدارات ہوئی اور خوشیاں منائی گئیں۔ وہ نعمان کے ساتھ خوش وخرم زندگی گذارنے لگا۔ ایک مدت کے بعد اسے اپنے والد کی موت کی خبر ملی۔

(174 الف) بہرام گور کا عروج

جب یزدجرد کا انتقال ہوگیا تو سارے امرا، اہل علم وفضل اور سپہ سالار جمع ہوئے اور کہنے لگے ''ہمیں یزدجرد کے ہاتھوں ایسی اذیتوں کا شکار ہونا پڑا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آج ہماری دعا قبول ہوئی اور ہم نے نجات پائی ہے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کا ایک بیٹا ملک عرب میں رہتا ہے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ اس کی نسل کا کوئی شخص ہمارا بادشاہ بنے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی سنت کو زندہ کرے اور ہم بے دست و پا ہو جائیں۔''

ان کے درمیان اردشیر کی اولاد میں ایک شخص موجود تھا جسے وہ کسریٰ کے نام سے پکارتے تھے۔ تمام لوگوں نے سلطنت کی باگ ڈور اس کے سپرد کردی۔ جب یہ خبر بہرام کو ملی تو وہ بہت غمگین ہوا۔ عرب کے سپاہیوں کو جمع کیا، شام کے جنگجوؤں کو اپنی مدد کے لیے آواز دی اور ایک لشکر جرار لے کر مداین کی طرف روانہ ہوا۔

جب ایران کے امیروں اور سرداروں نے یہ بات سنی تو خوفزدہ ہوئے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی فتنہ برپا ہو اور لوگ ہلاک ہوں۔ موبدوں اور دانشوروں کی ایک جماعت بہرام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ ہمیں تو آپ کے والد سے کافی تکلیف پہنچی ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ اس نسل کا کوئی شخص ہمارا بادشاہ ہو۔''

بہرام نے ان سے نرم لہجہ میں گفتگو کی اور کہا ''میں جانتا ہوں کہ میرے والد نے اپنی رعایا کے ساتھ کیسے معاملات کیے ہیں۔لیکن میں تو عدل وانصاف سے کام لینے والا ہوں۔ جو کچھ کہ انھوں نے بگاڑا ہے، میں اس کا ازالہ کروں گا۔ اگر آپ نے مجھے بادشاہ بنایا تو میں آپ کے اس عمل کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔کل آپ لوگ شاہی تاج لے کرآئیں اور اسے دوخوفناک بھوکے شیروں کے درمیان رکھ دیں۔ہم دونوں میں سے جو بھی ان شیروں کے درمیان سے تاج اٹھا کر سر پر رکھ لے گا وہی بادشاہت کے لائق سمجھا جائے گا۔''

جب اس جماعت نے بہرام کی یہ باتیں سنیں تو وہ اس کی شیریں گفتاری، جمال وکمال، نیک ارادوں اور وعدوں سے حددرجہ متاثر ہوئی اور لوگوں کو بہرام کی خوبیوں سے روشناس کرایا۔ دوسرے دن ملک کے امرا و وزرا مداین کے دروازے پر جمع ہوئے۔ انھوں نے دوبھوکے شیروں کی زنجیریں کھول دیں اور ان کے درمیان شاہی تاج لاکر رکھ دیا۔ بہرام آگے آیا اور کسریٰ بھی جسے مداین کے لوگ بادشاہ تسلیم کر چکے تھے آگے بڑھا۔ کسریٰ ان بھوکے شیرں کو دیکھ کر گھبرا گیا اور کہنے لگا۔''میری جان مجھے ملک سے زیادہ عزیز ہے''۔ بہرام آگے بڑھا اور کہنے لگا ''جس کے سر پہ تاج ہوتا ہے وہ جان کی پرواہ نہیں کرتا۔''

ہر آنکہ پای نہد در قمار خانۂ عشق
یقین کہ مال و سر و ہر چہ ہست درباز د

(جوعشق کے قمارخانے میں قدم رکھتا ہے یقین جانو، جان و مال اور دیگر ساری چیزوں کو قربان کردیتا)۔

بہرام ایک گرز لے کر شیر پر حملہ آور ہوا۔ جب شیروں نے اس پر حملہ کیا تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور ایک ہی جست میں شیر کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ دوسرا شیر جب نزدیک آیا تو اس کے کان پکڑ لیے اور دونوں کے سروں کو ٹکرادیا۔ یہ تصادم کچھ اس قدر شدید تھا کہ دونوں کے مغز سروں سے باہر آ گئے اور دونوں ہی زمین پہ ڈھیر ہوگئے ۔بہرام نے فوراً تاج اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔جس شخص نے سب سے پہلے اس کی بادشاہی تسلیم کی وہ کوئی دوسرا نہیں بلکہ خود کسریٰ تھا۔ دوسرے تمام لوگ اس کے سامنے زمین بوس ہوئے اور اس کی بادشاہت قبول کی ۔

الغرض بہرام تخت وتاج کا مالک بن بیٹھا،رعایا کے ساتھ ہمدردی وانصاف سے پیش آیا اورنعمان کی بڑی خدمت کی۔ظالموں کا قلع قمع کیا اور رعایا کے خراج جو واجب الادا تھے معاف کردیے۔لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا وہ شراب وشباب کا عادی ہوتا گیا۔نشاط کی محفلیں سجنے لگیں اوراس کی طرف سے انتظامی امور میں کوتاہی شروع ہوگئی۔

جب ترک امیر خاقان کو بہرام کی ان ساری کمزوریوں اور غفلتوں کی خبر ملی تو وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ ایران کی طرف روانہ ہوا۔دوسری طرف بہرام بدستور حالات سے بے خبر نشاط وسرمستی میں ڈوبا رہا۔

(174 ب) بہرام کے ہاتھوں ایران کی بازیافت

بہرام کی کمزوریوں اور خامیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خاقان چین نے دریائے ترمذ عبور کرلیا اور ملک ایران کے نزدیک آپہنچا۔بہرام کے پاس سپاہیوں اور جنگی وسائل کی بڑی کمی تھی لیکن اس نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا۔مستزاد یہ کہ کہنے لگا ''میرا بھروسہ لشکر پر نہیں بلکہ خداوند قدوس پر ہے۔جس کسی کو وہ بادشاہت عطا کرتا ہے وہ اس کی نگہبانی بھی کرتا ہے۔'' بہرام نے دشمن کی قطعی پرواہ نہ کی اور نہ ہی اپنے بزم طرب کو چھوڑ کر میدان رزم میں آیا۔

جب خاقان چین ایران کی سرحد میں داخل ہوگیا تو بہرام نے اپنے بھائی نرسی کو اپنی نیابت سونپی اوراپنے چند ممتاز جنگجوؤں اور بہادروں کی ایک جماعت کے ساتھ آذربائیجان کے راستے شکار کے بہانے ملک ایران سے باہر نکل آیا اورایک آتش کدہ میں چھپ کر عبادت وریاضت میں مشغول ہوگیا۔

عوام کو گمان ہوا کہ شاید بہرام نے اپنی جان بچانے کی خاطر راہ فرار اختیار کی ہے۔ زیادہ تر لوگ خاقان کے شر سے محفوظ رہنے کی خاطر اس کی آؤ بھگت کرنے اور تحفے تحائف بھیج کر اس کے دل میں جگہ بنانے لگے۔خاقان بھی مطمئن ہوگیا اوراپنے سواروں،امیروں اورافسروں کو خراج کی وصولیابی کے لیے دور دراز کے سفر پر روانہ کرنے لگا۔

ادھر بہرام نے اپنے مخبر چھوڑ رکھے تھے تاکہ وہ خاقان کی کارروائیوں پر نظر رکھیں۔ جب انھوں نے خاقان کو حالات سے غافل پایا تو فوراً بہرام کو اطلاع بہم پہچائی۔بہرام نے

موقع غنیمت جانا اور بھوکے شیر کی مانند خاقان پر جھپٹ پڑا اور اس کے سپہ سالار کو ہلاک کر ڈالا۔ فوج میں افراتفری مچ گئی اور خاقان بھاگ کھڑا ہوا۔ مال واسباب جو لوٹے گئے تھے دوبارہ اہل ایران کے تصرف میں آ گئے۔ بہرام بڑی شان وعظمت کے ساتھ مداین میں داخل ہوا اور تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ امرا و وزرا جو خاقان سے مل گئے تھے معذرت خواہ ہوئے اور اپنے جرائم کا اعتراف کیا۔ بہرام نے ان سارے لوگوں کو معاف کر دیا۔ قیصر روم نے مال وخراج قبول کیے اور دوبارہ بہرام کی حکومت قائم ہوگئی۔

(175) بہرام کا سفر ہندوستان اور رشتہ ازدواج

جب بہرام دوبارہ مضبوط و مستحکم حکومت کا فرماں روا بن بیٹھا تو اس نے ملک ہندوستان کو قریب سے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ ملک کا نظم ونسق اپنے بھائی نرسی کے سپرد کیا اور خود ایک تاجر کے بھیس میں ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ اس زمانے میں شنکل وہاں کا راجہ تھا اور جاہ وحشمت، خزانے کی کثرت اور فوج کی فراوانی کے اعتبار سے دوسرے راجاؤں پر فوقیت رکھتا تھا۔ بہرام اس کی مملکت میں آیا اور ایک شہر میں مقیم ہو کر اہل ہند کے احوال کا جائزہ لینے لگا۔

اسی دوران اس شہر کے قریب ایک جنگل سے ایک قوی الجثہ ہاتھی نمودار ہوا۔ اس نے سارے لوگوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ راستے مسدود ہو گئے اور فوجیں عاجز آ گئیں۔ بہرام سے رہا نہ گیا۔ وہ تنہا آگے بڑھا اور اس ہاتھی کو زمین پر دے مارا۔ جب یہ خبر راجا کو پہنچی تو اس نے بہرام کو بلایا اور پوچھا ''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' بہرام نے کہا ''میں ایران کا رہنے والا ہوں۔ اس ملک کے بادشاہ نے میری کسی حرکت پر ناراض ہو کر مجھے قتل کرنا چاہا۔ میں اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گیا ہوں''۔ الغرض شنکل نے اس کا احترام کیا اور اس کی خدمت میں کمر بستہ رہا۔

اتفاق کی بات ہے کہ راجا کا ایک دشمن اس پر حملہ آور ہوا۔ راجا نے اس کے ساتھ نرمی برتی اور مال وزر کی پیش کش کی لیکن بہرام آگے بڑھا اور دشمن کو مار بھگایا۔ جلد ہی اس کی

بہادری کے چرچے لوگوں میں عام ہونے لگے۔ راجا شنکل اس کی دلیری ومردانگی سے کافی متاثر ہوا اور اس کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بہرام راجا شنکل کے دربار میں بیٹھا جام وسبو سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شراب کے نشے میں دھت وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا اور فارسی زبان میں یہ شعر پڑھنے لگا۔

منم آن شیر شرزہ منم آن پیل یلہ
نام من بہرام گور و کنیتم بوجبلہ

(میں ایک خوفناک شیر ہوں یا پھر ایک آزاد ہاتھی ہوں۔ میرا نام بہرام گور ہے اور کنیت بوجبلہ ہے)

جب راجا شنکل کو یہ اطلاع ملی کہ وہ بہرام ہے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب معذرت خواہ ہوا۔ کہنے لگا ''مجھے جہاں پناہ کی شناخت میں بڑی دیر ہوئی۔ آپ درگذر فرمائیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر حکم فرمائیں تو میں اپنی سلطنت بھی آپ کو سونپ دوں۔''

بہرام نے کہا'' آپ نے میری خاطر وتواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ آپ نے وہ کام انجام دیا ہے جس کی مجھے قطعی توقع نہ تھی۔ اب میری خواہش یہ ہے کہ آپ اپنی خوبصورت بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں تا کہ ہماری دوستی رشتہ داری سے مبدل ہو جائے۔ شنکل نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اپنی دختر ارجمند کو قیمتی تحفے تحائف کے ساتھ اس کی زوجیت میں دے کر رخصت کیا۔

جب بہرام ایران واپس لوٹا تو لوگوں نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا اور عیش وسرود کی محفلیں برپا کیں۔ اپنی رعایا کی طرف سے اس پر تپاک خیر مقدم سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے آئندہ سات سال کے لیے خراج معاف کر دیے اور یہ حکم جاری کیا کہ سات سالوں تک اس کے عوام عیش کریں۔ نتیجہ کے طور پر عوام تجارت وحرفت وزراعت سے دور ہو گئے۔ غلے مہنگے ہو گئے اور لوگوں کی پریشانی بڑھنے لگی۔ تب بہرام نے یہ حکم جاری کیا کہ عوام اب اپنے دن کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ دن کا ایک حصہ تجارت وزراعت میں صرف کریں اور دوسرے حصے میں عیش ونشاط کی محفلیں برپا کریں۔ اہل ایران کے عیش ونشاط کے یہ ایام تیزی سے گذر گئے۔

(176) بہرام کی اچانک موت

کہتے ہیں کہ ایک دن بہرام شکار پہ گیا اور دیکھا چند تاجر کشتی کے کنارے بغیر کسی مطرب کی موجودگی میں شراب پی رہے ہیں۔دریافت کیا''کیاوجہ ہے کہ تمھارے پاس کوئی مطرب نہیں؟''لوگوں نے جواب دیا''جہاں پناہ! آپ کے دورحکومت میں مطربوں کی مانگ بڑھ گئی ہے۔آج ہم نے ایک مطرب کوسو دینار پیش کیے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔''

بہرام نے جب یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا''ٹھہرو میں کوئی انتظام کرتا ہوں۔''اس نے راجاشنکل کے نام ایک خط لکھا تاکہ وہ مطربوں کی ایک جماعت روانہ کرے۔راجا نے فوراً ایک ہزار خوش آواز مطربوں کوروانہ کیا۔ وہ جلد ہی ایرانی آبادی میں ضم ہوگئے ۔موجودہ لولیان کی یہ نسل انھیں لوگوں کی یادگار ہے۔

جب بہرام کی حکومت کے 65 سال پورے ہوگئے تو ایک دن وہ شکار کی غرض سے نکلا۔ اس نے ایک گورخر کو دیکھا اور اس کا پیچھا کیا۔اچانک اس کا گھوڑا ایک گہرے کنویں میں جاگرا۔سپاہیوں کوخبر ہوئی۔وہ بہرام کی ماں کوساتھ لے کراس کنویں پر پہنچے۔گھوڑے کوکنویں سے باہر نکالا گیا لیکن بہرام کا کچھ پتہ نہ چلا۔بہرام کی ماں ایک مدت تک اس کنویں کے دہانے پر بیٹھی رہی اور پھرمحروم ونامراد واپس ہوئی۔

(177) یزدجرد کے بیٹے فیروز کی حکومت

بہرام کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزدجرد تخت نشین ہوا۔ وہ نہایت ہی حسین وجمیل، عدل گستر، نیک سیرت اورشیریں گفتار تھا۔اس نے وسیع وعریض مملکت پراپنا تسلط قائم کیا اورخوش خلقی اور نیکی کواپنا شعار بنایا۔ جب اس کے دورحکومت کے اٹھارہ سال مکمل ہوگئے تو اس نے اپنی مملکت کو اپنے دوبیٹوں ہرمز اور فیروز کے درمیان تقسیم کردیا۔ فیروز کوسجستان کا والی مقرر کیا۔ ہرمز باپ کی خدمت میں لگا رہا اور باپ کی موت کے بعد تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔

فیروز ہیاطلہ کے بادشاہ سے جاملااور اس کی مدد سے ہرمز کے خلاف صف آرا ہوا۔ جنگ میں ہرمز مارا گیا اور تمام علاقے فیروز کے تسلط میں آ گئے۔سات سال کی حکمرانی کے بعد بارش نہ ہونے کے سبب ملک قحط سالی کا شکار ہوگیا۔ فیروز نے لوگوں سے کہا کہ وہ امرا سے روٹیاں چھین کرعوام میں تقسیم کریں۔فرمان جاری کیا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی شدت کے سبب مرتا ہے تو مالدار کو تختہ دار پر چڑھایا جائے گا۔اس نے خراج معاف کردیے،خزانے کھول دیےاورلوگوں کی مدد کی۔قحط سالی کا یہ سلسلہ سات سال تک جاری رہالیکن بادشاہ کے عدل وتدبر کے سبب کوئی بھی شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب بھوکا نہیں سویا۔

فیروز کے اس عمل سے خوش ہوکر رب کائنات نے باران رحمت بھیج دی اور ملک میں ایک بار پھر خوشحالی لوٹ آئی۔کسی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ایک عادل بادشاہ، برسنے والے بارش سے بہتر ہوتا ہے۔کیونکہ بارش کے قطرے بعض علاقوں کو سیراب کرتے ہیں بعض کو نہیں لیکن بادشاہ کی عدل گستری سے ساری مخلوق مستفید ہوتی ہے۔

فیروز تقریباً23 سال سریرآرائے سلطنت رہا۔اس نے عمارتیں بنوائیں اور شہر آباد کیے۔ زندگی کے آخری ایام میں جنگ کی غرض سے وہ ہیاطلہ گیا اور وہیں مارا گیا۔

(178) خشنوار کے ہاتھوں فیروز کی شکست

خشنوار نہایت ظالم وسفاک حکمراں تھا اور اپنی رعایا کو ستاتا رہتا تھا۔اس نے قوم لوط کی سیرت پر عمل کرنا شروع کیا۔ جب بھی وہ کسی خوبصورت لڑکے کو دیکھتا اسے اپنے حرم میں لے آتا۔ان خصلتوں کے سبب اس کی رعایا اس سے بدظن ہوگئی اور فیروز سے انصاف کی طلبگار ہوئی۔فیروز نے اس کے دربار میں قاصد بھیجے اور اسے اس فعل قبیح سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن خشنوار نے کوئی توجہ نہ دی۔فیروز نے سپاہیوں کو جمع کیا اور ملک طخرستان کی طرف روانہ ہوا۔

خشنوار کو جب اس کے آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے فوجی سپہ سالاروں سے مشورہ طلب کیا۔ایک شخص نے کہا’’ جہاں پناہ! اگر آپ میرے بال بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول فرمائیں تو میں خود کو خطرے میں ڈال کر آپ کی مملکت کو بچا سکتا ہوں۔‘‘

الغرض خشنوار نے اس کے اہل خانہ کی کفالت کا یقین دلایا اور ایک خطیر رقم عطا کی۔ وہ دراصل ایک مشہور سپہ سالار تھا۔اس شخص نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور فیروز کے راستے پر جا بیٹھا۔جب فیروز وہاں پہنچا تو اس نے دریافت کیا ''تمھارا یہ حال کیسے ہوا؟'' اس نے کہا ''میں ہمیشہ خشنوار کو بہتر مشورے دیا کرتا تھا۔ایک دن میں نے کہا کہ جب تم فیروز کے مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے تو مفاہمت کی راہ کیوں نہیں اپناتے۔لیکن اس نے ایک نہ سنی اور میرے ہاتھ کاٹ ڈالے۔اب میں راستے پر آ بیٹھا ہوں تا کہ میں اپنی ذلت کا بدلہ لے سکوں۔اب میں تمھیں اس کا پتہ بتاتا ہوں۔وہ جس مقام پہ ہے یہاں سے تقریباً بیس روز کی مسافت پر واقع ہے۔میں تمھیں پانچ دنوں میں اس مقام تک پہنچاؤں گا تا کہ تم اس کا کام تمام کرسکو۔''

فیروز اس کے دام فریب کا شکار ہوگیا۔لشکر کو حکم دیا کہ وہ پانچ دنوں کا کھانا اور پانی محفوظ کرلے۔وہ شخص اسے ایک ایسے بیابان میں لے گیا جہاں پرندے پر بھی نہیں مار سکتے تھے۔پانچ دنوں کے گذر جانے کے بعد وہ آب و دانہ کے لیے محتاج ہو گئے۔فیروز اور اس کے لشکر کو ان حالات میں چھوڑ کر وہ شخص وہاں سے فرار ہوگیا کیونکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔

فیروز بیس دنوں تک سنسان بیابان ریگ زار میں گشت کرتا رہا۔پچاس ہزار نفوس پر مشتمل لشکر میں اب کم و بیش ایک ہزار افراد زندہ تھے۔کسی طرح خشنوار کی سلطنت کے حدود سے باہر نکلا۔اپنا ایک قاصد اس کی خدمت میں بھیج کر معذرت طلب کی اور صلح کی درخواست کی۔خشنوار اس شرط پر راضی ہوگیا کہ فیروز اپنی معینہ سرحد سے باہر نہ نکلے گا۔فیروز نے پتھر کا ایک مینار بنوایا اور اسے چونے سے محکم کیا۔اس نے قسم کھائی کہ وہ اس مینار سے آگے نہیں بڑھے گا اور خشنوار کے علاقے میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔

تین سال کی مدت گذر جانے کے بعد فیروز کے دل میں پھر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔اس نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا اور خشنوار کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کیا۔ملک کے عالموں اور معابدوں کی ایک جماعت فیروز کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُسے بدعہدی سے باز رہنے کا مشورہ دیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔فیروز پر انتقام کا بھوت سوار تھا۔وہ اپنے سپاہیوں

کو ساتھ لے کر اس مینار کے نزدیک پہنچا اور اسے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ منہدم شدہ مینار کے پتھروں کو ایک رتھ پر رکھا گیا جسے پچاس ہاتھی کھینچتے تھے۔

جب یہ خبر خشنوار کو ملی تو اس نے صحرا میں ایک وسیع و عمیق خندق کھودنے اور پانی سے بھر دینے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اس کے سروں کو کمزور لکڑیوں سے ڈھک دیا اور اس پر مٹی ڈال دی۔ اس خندق کے درمیان سے ایک تنگ راستہ بھی تیار کیا۔ جب فیروز کا لشکر مقابلے کے لیے آگے بڑھا تو خشنوار اس عہد نامہ کو جو ان دونوں کے درمیان طے پایا تھا اپنے نیزے پر رکھ کر کہنے لگا "اب یہ عہد نامہ میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گا۔"

ابھی صف بندی جاری تھی اور فیروز نے حملہ بھی نہیں کیا تھا کہ خشنوار کے سپاہی اسی تنگ راستے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے ہی فیروز کے سپاہی ان کے پیچھے دوڑے خندق نے ان کا استقبال کیا اور وہ اس میں گرنے لگے۔ خشنوار اپنے سپاہیوں کے ساتھ واپس لوٹا اور انھیں موت کے گھاٹ اتارتا گیا۔ فیروز کو مردہ اس خندق سے باہر نکالا گیا۔ اس کے بازو میں ایک تعویذ بندھا تھا جس میں اس کے خزانوں کی نشانیاں تھیں۔ اس تعویذ کو اس کے بازو سے جدا کیا گیا اور دفن کر دیا گیا۔ اس طرح فیروز کے ظلم و جبر کا خاتمہ ہوا۔ جب بھی کوئی ظلم کرتا ہے تو عاقبت کار وہ اس کے وبال کا شکار ہوتا ہے۔

(179) خشنوار اور سوخرا کے درمیان معاہدہ

جب فیروز نے خشنوار پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی تو اس نے اپنی سلطنت کو 'سوخرا' نامی ایک شخص کے ہاتھ میں سونپ دیا تھا جو بہادری و جوانمردی میں نادر روزگار تھا۔ وہ حد درجہ وفا شعار و باوقار تھا اور حلم و حیا کی صفات سے بھی مزین تھا۔

جب سوخرا کو فیروز کی موت کی اطلاع ملی تو اس کی غیرت کو زبردست دھکا لگا۔ اس نے انتقام لینے کی ٹھانی۔ سپاہیوں کو جمع کیا اور پڑوسی ممالک سے مدد کا خواہاں ہوا۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ خشنوار کی مملکت کی طرف بڑھا۔ خشنوار اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کسی بھی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خشنوار نے سوخرا کے پاس اپنے قاصد کو امن کے پیغام کے ساتھ بھیجا۔اس نے لکھا کہ ''فیروز کی موت میں میرا کوئی قصور نہیں ۔ دراصل فیروز کو اپنی بدعہدی کی سزا ملی ہے۔ میرے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔اگر تم مجھ سے تعرض کرتے ہو تو تمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔الغرض سوخرا نے صلح ومفاہمت کو ترجیح دی اور معاہدہ میں یہ طے پایا کہ ایرانی سپاہیوں اور گھوڑوں کے علاوہ فیروز کا وہ تعویذ جو اس کے بازو سے بندھا تھا اور وہ تمام مال ودولت جو اس کے ہاتھ لگے تھے واپس کر دیے جائیں۔صلح نامہ پر دونوں جانب سے مہر رضا مندی ثبت کر دیے گئے۔سوخرا واپس ہوا اور رعایا کی نظروں میں اس کی قدر وعظمت اور بڑھ گئی۔سپہ سالاروں نے اسے تخت پر بٹھانا چاہا لیکن اس نے قبول نہ کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ فیروز کے دو شہزادوں میں سے کسی ایک کو تخت پہ بٹھایا جائے۔فیروز کے دو بیٹے تھے۔ایک کا نام بلاش تھا اور دوسرے کا قباد۔سپاہیوں نے بلاش کو تخت وتاج کا وارث قرار دیا۔قباد بھاگ کھڑا ہوا اور خاقانِ چین سے جاملا۔اس طرح بلاش کی حکومت قائم ہوئی۔

(180) بلاش کا زوال اور قباد کی تخت نشینی

بلاش نے اپنی تخت نشینی کے بعد ملک کا سارا نظم ونسق سوخرا کے سپرد کیا۔سوخرا کی ہوشمندی کے سبب ملک کا نظام چست ودرست رہا،رعایا خوشحال ہوگئی اور آبادی میں اضافہ ہوا۔اس نے عراق کی سرزمین پہ ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام ''بلاشاباذ'' رکھا۔اس کی مدت حکمرانی چار سال تک قائم رہی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بلاش کی تخت نشینی کے بعد اس کا بھائی قباد خاقانِ چین سے جاملا تھا۔اتفاقاً شہر اسفراین میں جو کہ شاپور کے قریب واقع تھا وہ ایک کسان کے گھر میں مہمان رہا۔کسان اس کی شناخت نہ کر پایا پر تواضع میں کوئی کمی نہ کی۔قباد نے کسان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جو نہایت ہی شیریں گفتار اور حسین وجمیل تھی۔اس نے کسان سے اس لڑکی کا ہاتھ مانگا اور وہ راضی ہوگیا۔دونوں کی شادی ہوگئی۔

چند دنوں بعد لڑکی حاملہ ہوگئی۔قباد نے اپنی اہلیہ کو اس کے باپ کے سپرد کیا اور خود خاقان کے ملک کی جانب چل پڑا۔نو مہینے بعد اس لڑکی کے بطن سے چودھویں کے چاند جیسا

خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔اس کا نام نوشیرواں رکھا گیا۔قباد تقریباً چار سال تک ترکستان میں مقیم رہا تب جا کر خاقان نے ایک لشکر اس کے حوالے کیا تا کہ وہ اپنے ملک کو آزاد کرائے ۔جب قباد مع لشکر اسفراین واپس آیا تو اس بچے کو دیکھ کر اس کی خوشی ومسرت کی کوئی انتہا نہ رہی ۔

حسن اتفاق اسی دن ایران سے ایک قاصد نے آ کر قباد کو بھائی کے موت کی اطلاع دی اور یہ خوشخبری بھی دی کہ ایران کے عوام اس کی تلاش میں ہیں اور اسے تاج وتخت سونپنے کے لیے بے قرار ہیں ۔قباد نے اس بچے کو فال نیک قرار دیا اور اسے مداین لے گیا۔بغیر کسی زحمت وتردد کے وہ پایہ تخت ایران پہنچا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔

سلطنت کا نظم ونسق بدستور سوخرا کے سپرد کیا ۔قباد نے شہر' کا زرون' کی بنیاد رکھی اور شہر'حلوان' کو بھی آباد کیا۔جب اس کی حکمرانی کے پانچ سال گذر گئے تو قباد خود کو بے اختیار محسوس کرنے لگا کیونکہ امور سلطنت کے معاملات میں سوخرا اس کے مشورہ کے بغیر سارا کام انجام دینے لگا تھا ۔قباد اس کی خودانانیت سے تنگ آ چکا تھا۔ اسے قید کرنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔آخر کار قباد نے اپنے سپہ سالار شاپور سے سوخرا کی شکایت کی ۔شاپور نے بادشاہ سے کہا'' آپ فکر نہ کریں میں کل اس کا کام تمام کر دوں گا۔''

دوسرے دن جب سوخرا دربار میں آیا تو شاپور نے اس سے مخاطب ہوکر کہا ''تم اپنی حیثیت کیوں نہیں پہچانتے ۔طاقت کے نشہ نے تمھیں مست ومغرور بنا دیا ہے اور تم اپنے حد سے تجاوز کرنے لگے ہو۔بادشاہ کے حکم کے بغیر انتظامی امور میں مداخلت کرتے ہو۔'' قبل اس کے کہ وہ شاپور کو جواب دیتا شاپور اپنا کمر بند اس کے گلے میں ڈال چکا تھا۔شاپور نے اسے فوراً قید خانے میں لے جا کر ہلاک کر دیا۔اس طرح قباد کو سوخرا سے نجات مل گئی اور انتظامی امور شاپور کے ہاتھوں میں آ گئے ۔سوخرا کی زندگی بھر کی خدمت پل بھر میں بادشاہ کے غضب کا شکار ہوگئی ۔

عقلمندوں کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔بہتر یہی ہے کہ اس قبیل کے حکمرانوں کی خدمت سے اجتناب کیا جائے تا کہ ان کے عتاب وعقوبت سے محفوظ و مامون رہا جا سکے۔

(181) جاماسپ اور قباد کے درمیان دشمنی

جب قباد کی حکومت مستحکم ہوگئی تو اس کے اخلاق وکردار میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وہ عدل گستری کی راہ سے منحرف ہوگیا اور سوخرا کو جو اس کی حکومت کا ایک اہم ستون تھا مروا ڈالا۔ برے لوگوں کی عزت افزائی کی اور نیکوکاروں پر ظلم ڈھائے۔ ظلم وستم سے تنگ آ کر لوگوں نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی جاماسپ کو تخت پہ بٹھایا۔

جاماسپ بہت زیادہ خوش نصیب اور کامیاب واقع نہیں ہوا۔ ملک کے انتظام وانصرام میں اس سے بڑی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ پہلی غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنے بھائی قباد کو بزرجمہر کے سپرد کیا جو سوخرا کا بیٹا تھا تاکہ وہ اس سے اپنے باپ کا انتقام لے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بزرجمہر اس سے زیادہ عقلمند ہے۔ بزرجمہر نے اس کی امید کے برخلاف قباد کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا اور احترام سے پیش آیا۔

جب جاماسپ کو ان باتوں کا علم ہوا تو اس نے بزرجمہر کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بزرجمہر نے قباد کو ساری باتیں بتائیں اور کہا ''اگر تم بہتر سمجھو تو ہم ملک ہیاطلہ سے مدد طلب کریں تاکہ جاماسپ کو راہ راست پہ لایا جا سکے۔قباد نے اس کے مشورے کو پسند کیا۔ دونوں نے تیاری کی اور خفیہ طور پر ملک سے باہر نکل گئے۔ جب تک کہ جاماسپ کو خبر ہوتی وہ بہت دور جا چکے تھے اور ان کو ڈھونڈنا ناممکن تھا۔قباد کو بڑی ندامت ہوئی۔

جب قباد ملک ہیاطلہ پہنچا تو خشنوار نے اس کا شاندار خیر مقدم کیا۔ اس نے کہا ''میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے خاقان پر فوقیت دی۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ میں فوراً ایک لشکر آمادہ کروں تاکہ آپ فتح وکامرانی کے سایے میں اپنے وطن واپس جائیں۔'' الغرض اس نے بیس ہزار سوار مہیا کیے اور قباد کو روانہ کیا۔

جب قباد نے لشکر کشی کی تو جاماسپ کے سپہ سالاروں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس حملہ کی تاب نہیں لا سکتے۔انھوں نے صلح وآشتی کے مدنظر جاماسپ کو گرفتار کر لیا اور معذرت طلب کی۔ قباد نے انھیں معاف کر دیا اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

(182) قباد کے دور میں دین مزدک کا عروج

جب قباد دوبارہ تخت پر بیٹھا تو اس نے بزرجمہر کے احسانات کے اعتراف میں اسے اپنا وزیر نامزد کیا۔گرچہ قباد کا اقبال بلند ہوا لیکن اس نے تخت و تاج کا حق ادا نہیں کیا۔اس کے زوال کا ایک اہم سبب مزدک کا ظہور تھا۔قباد کے عہد میں مجوسی علما کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے جس کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد متزلزل ہو گئے۔مزدک نے ضعف اعتقاد کا فائدہ اٹھایا اور اپنی چرب زبانی سے بہت ساری بے بنیاد باتوں کو پھیلانا شروع کر دیا۔اس نے ایک آزاد مذہب کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کیا۔ وہ کہنے لگا کہ خدائے عزوجل نے دنیا کو تمام لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے، مال اور نعمتوں پر تمام لوگوں کا حق ہے، کوئی شخص کسی بھی وقت کسی دوسرے کے مال اور عورت پر تصرف کا حق رکھتا ہے اور کوئی بھی نعمت کسی کے لیے حرام نہیں۔

مزدک کی شہرت بڑھنے لگی پھر بھی قباد نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اس کے پیروکاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔مزدک ایک بہانے سے قباد کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنے دلکش و دلفریب مکالموں سے اسے اپنا گرویدہ بنالیا۔بہت جلد وہ قباد کے مقربوں میں شامل ہو گیا۔

اتفاقاً اسی سال ملک قحط سالی کا شکار ہو گیا اور لوگ پریشان ہو گئے۔ایک روز مزدک قباد کے پاس آ کر کہنے لگا ''میرا ایک سوال ہے، آپ اس کا جواب دیں۔قباد نے کہا'' کیا پوچھتے ہو؟ پوچھو۔'' مزدک نے سوال کیا''اگر آپ کے ملک میں کسی شخص کو ایک سانپ کاٹ لے اور وہ ہلاکت کے قریب ہو اور جس شخص کے پاس تریاک ہو وہ اس کا علاج نہ کرے تو ایسی صورت میں کیا وہ شخص جسے سانپ نے کاٹا ہے جس طریقے سے چاہے دلجوئی سے ہو یا قوت سے اس تریاک کو حاصل کر سکتا ہے''۔قباد نے کہا''ہاں، نہ دینے کی صورت میں وہ بہ زور بازو اس سے چھین سکتا ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے۔اگر اس کوشش میں وہ کسی کی جان بھی لے لے تو جائز ہے۔

مزدک نے جب یہ سنا تو فوراً باہر آیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا ''بادشاہ کا فرمان ہے کہ اب تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ تم تونگروں کے مال میں سے بقدرِ ضرورت لے سکتے ہو اور ان کی عورتوں کے ساتھ شہوت رانی کر سکتے ہو۔ اگر وہ مزاحمت کریں تو تم انھیں قتل بھی کر سکتے ہو کیونکہ خدا نے تمام نعمتیں بندوں کی خاطر پیدا کی ہیں۔ تمام بندے آدم کی اولاد ہیں۔ عوام کو اس کی بات پسند آئی اور وہ دوسروں کے مال اور عورتوں پر اپنا تصرف قائم کرنے لگے۔

جب اس کی اطلاع قباد کو پہنچی اس نے مزدک کو بلا کر کہا ''تجھے کس نے کہا کہ لچے لفنگوں کو عوام پر مسلط کردے۔ میں نے ایسا فرمان کب جاری کیا؟ تیری کیا مجال کہ تو میرے نام سے جھوٹے فرمان جاری کرواتا پھرے!'' مزدک نے کہا ''میں نے جو کہا ہے وہ بادشاہ کا ہی فرمان تھا۔ میں نے جہاں پناہ سے تریاک کے حوالے سے ایک سوال کیا تھا اور آپ نے اس کا جواب دیا تھا اور جو فرمان آپ نے مجملاً جاری کیا تھا میں نے مفصلاً عوام تک پہنچا دیا۔ پھر اس نے کہا ''اب آپ ہی بتائیں کہ وہ کون سا زہر ہے جو بھوک سے زیادہ شدید اور کاٹ کھانے والا ہے اور وہ کون سا تریاک ہے جو خوراک سے زیادہ نفع بخش اور عوام کی بہتر معیشت کا سبب بھی ہے؟'' قباد اس کے ان بیہودہ کلمات پر فریفتہ ہو گیا اور اس کا یہ جھوٹ اور فریب عوام میں مقبول ہوتا گیا۔ الغرض مزدک کے کھلم کھلا جھوٹ اور فریب کا یہ مذہب سارے علاقے میں پھیل گیا اور بہت سارے لوگ اس مذہب میں داخل ہو گئے۔

جب مزدک کے قول کا فساد قباد پر منکشف ہوا تو وہ کافی شرمندہ ہوا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ چونکہ قباد اس باطل مذہب کی ترویج و اشاعت پر بڑی محنت کر چکا تھا اور علما و حکما کی ان سنی بھی کی تھی، لوگوں میں شورش برپا ہو گیا۔ اس شورش کے نتیجے میں قباد کو تخت سے معزول کر دیا گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے لیکن مزدکیوں نے شدید مخالفت کی اور جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ عظیم فتنہ کے پیش نظر عوام نے قباد کو قید خانے میں ڈال دیا اور امور سلطنت اس کے بھائی کے ہاتھوں میں سونپ دیے۔

قباد کسی بہانے قید خانے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور خاقان سے جا ملا۔ پھر ترکوں کی مدد سے اپنے ملک کو آزاد کرایا۔ اس بار اس نے مزدک کو اہمیت نہ دی۔ تقریباً

چالیس سال کی حکمرانی کے بعد وہ اس جہاں فانی سے کوچ کر گیا۔اس کی موت کے بعد اس کا تخت وتاج نوشیرواں کے ہاتھوں میں آیا۔

(183) نوشیرواں کے ہاتھوں مزدک کا قتل

جب نوشیرواں تخت پر بیٹھا تو سارے عالم میں عدل وانصاف کی فضا قائم ہوئی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ ہوا۔تخت وتاج کی شان وعظمت میں اضافہ ہوا۔اس کی عدل گستری کے حوالے سے سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ''میری ولادت باسعادت ایک عادل بادشاہ کے ایام حکومت میں ہوئی۔''

نوشیرواں نے تخت نشینی کے بعد فوجی اصلاحات نافذ کیے۔امرا کو انعام واکرام سے نوازا اوران سے امور سلطنت کے معاملہ میں استمداد چاہی۔ایک دن مزدک اورامیر منذر بن عمرو جوعرب کے بادشاہ تھے اس کے پاس بیٹھے تھے۔نوشیرواں نے کہا''میری تین دیرینہ خواہشیں تھیں۔پہلی یہ کہ میں تاجپوشی کا جشن مناؤں۔خدا کا شکر ہے کہ یہ خواہش مکمل ہوگئی۔ دوسری یہ کہ منذر بن عمرو کو عرب کی بادشاہت عطا کروں۔یہ بھی پوری ہوگئی۔میری تیسری خواہش یہ تھی کہ میں مزدک کو ہلاک کروں اور مزدکیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں۔مزدک نے جب یہ سنا تو کہنے لگا ''آپ چاہیں تو سارے انسانوں کو قتل کردیں۔لیکن ایسی صورت میں آپ حکمرانی کس پر کریں گے۔فی زمانہ عوام کی اکثریت میرے ساتھ ہے،میرے تابع ہے اور میرے ہی دین ومذہب پر چلتی ہے۔میں ان تمام باتوں کے باوجود آپ کی بندگی بجا لاتا ہوں۔اگر آپ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں تو یہی بہتر ہوگا۔''

نوشیرواں یہ سن کر برانگیختہ ہوا اور کہنے لگا''اے کتے!تو یہاں موجود ہے!''پھر اس نے اس کے سر کو تن سے جدا کرنے کا حکم دیا۔اس کا کٹا ہوا سر بازار میں پھینک دیا گیا۔مزدک کے پیروکاروں نے مزاحمت کا ارادہ کیا لیکن نوشیرواں کے لشکر کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ آخرالامر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مختلف ممالک میں جاکر بس گئے۔نوشیرواں نے ان کو واپس بلا بھیجا اور انھیں ایک قلعہ میں محبوس کردیا۔یہاں تک کہ ایک دن میں اسی ہزار مزدکیوں

کوجہنم رسید کیا۔ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو ان کے دلوں میں بادشاہ کی ہیبت بیٹھ گئی۔ کتاب غرروسیر اورتاریخ طبری میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارے ملتے ہیں لیکن موخرالذکر کتاب میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ نوشیرواں نے مزدک کو قباد کی زندگی میں ہی ایک خوبصورت بہانے سے قتل کروادیا تھا۔

(184) نوشیرواں کا عہد زریں

نوشیرواں کی فاتحانہ سرگرمیوں کے دوران اکثر و بیشتر قیصر روم حملہ آور ہوتا اور اسے پریشان کرتا۔نوشیرواں نے بھی جوابی حملے کیے اور روم کے بیشتر شہروں پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جن میں شہر انطا کیہ بھی ایک تھا۔نوشیرواں کوشہر انطا کیہ کی رعنائی وخوبصورتی اتنی بھائی کہ اس نے ایران میں مقیم اپنے نائب کو یہ حکم جاری کیا کہ وہ انطا کیہ کے مانند ایک شہر کی تعمیر کرے۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور بہت ہی قلیل مدت میں یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

جب نوشیرواں روم، یمن بحرین اورعمان پر قابض ہونے کے بعد ایران لوٹا تو اس نے انطا کیہ کے مانند ایک شہر تیار پایا۔اس نے اہل انطا کیہ کو دعوت دی اور ان کے قیام کے لیے مکانات مہیا کیے۔نوشیرواں نے اس شہرکو رومیّہ کا نام دیا۔

اس تعمیری کام کے بعد نوشیرواں نے بلخ کا رخ کیا اور ترکستان کو دشمنوں کے تسلط سے آزاد کروایا۔اپنے جد امجد کے انتقام کی خاطر اس نے ایک لشکر جرار خشنوار کی طرف روانہ کیا جوطخرستان کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔خشنوار کا کام تمام کرنے کے بعد نوشیرواں نے شام پر حملہ کیا۔وہاں کے بادشاہ حطیانوس نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔نوشیرواں نے یمن کے بادشاہ سیف ذی یزن کی مدد کی اور اسے اہل حبشہ کے حملوں سے نجات دلائی۔الغرض شام، عراق، یمن وعرب کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آ گئیں۔

جب نوشیرواں کی حکمرانی کے چالیس سال مکمل ہوئے تو رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب طلوع ہوا۔اس نے اپنے دورحکومت میں عدل وانصاف کی فضا قائم کی اور اپنی عدل گستری کے سبب خودکو تا روز قیامت امر کر گیا۔

(185) نوشیرواں کے بیٹے ہرمز کا عہد

نوشیرواں کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ہرمز تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ ہرمز خاقان کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ اس کی طبیعت ظلم و تعدی سے مملو تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے نوشیرواں کی خوش خلقی، عدل گستری، حلم واحسان کی تمام روایات کو پس پشت ڈال دیا اور کمزور رعایا پر ظلم وتشدد برپا کرنے لگا۔ رعایا اس سے بدظن ہوگئی اور امرا وشرفا بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔

جب ہرمز کی حکمرانی کے گیارہ سال مکمل ہوگئے تو خانِ ترکستان ایک لشکر جرار کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوا اور دوسری جانب سے قیصر روم نے بھی دھاوا بول دیا۔ آرمینیہ کی طرف سے خزر کے بادشاہ نے بھی چڑھائی کردی اور وہ سارے علاقے جو نوشیرواں کے عہد میں ایرانی حکومت کا حصہ بن چکے تھے ہرمز کے ہاتھوں سے چھین لیے گئے۔ عباس الاحول اور عمروالارزق جو عرب سپہ سالار تھے فارس کے بعض علاقوں پر قابض ہوگئے۔ اطراف و جوانب سے دشمنوں نے متواتر حملے کرنے شروع کردیے۔

ہرمز، مداین میں مقیم رہا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اب اس نے اپنے سپہ سالاروں کو جمع کیا اور مشورے طلب کیے۔ موبدوں نے مشورہ دیا کہ حالات کے پیش نظر بہتر یہی ہوگا کہ بادشاہ اپنے دشمنوں سے صلح کرلے کیونکہ اس وقت خاقان ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ انھوں نے یہ کہا کہ قیصر روم سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ صرف ان علاقوں سے دلچسپی رکھتا ہے جسے نوشیرواں نے ان سے چھینا تھا۔ لہٰذا انھیں وہ علاقے لوٹا دیے جائیں۔ یہ عرب جو بادیہ نشین ہیں مفلسی و ناداری کے سبب اپنے ملک سے باہر آئے ہیں، ان کے کھانے اور کپڑے کا وافر انتظام کردیا جائے تو وہ خاموش ہوجائیں گے۔ وہ جماعت جو ملک خزر سے آئی ہے، ان کا مقصد صرف مال و متاع حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا آرمینیہ کے عاملوں کو یہ حکم جاری کیا جائے کہ وہ ان کا قلع قمع کریں۔ ان تمام مسائل کو یکے بعد دیگرے حل کرنے کے بعد خاقان چین کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ ہرمز نے موبدوں کے مشوروں کو پسند کیا اور ان پر عمل پیرا ہوا۔

اس نے قیصر رروم کے علاقے واپس کردیے، عربوں کو تحفے تحائف سے نوازا اور ملک خزر کے لوگوں کو مال ومتاع عطا کیے۔ پھر خاقان چین کے ساتھ مقابلہ کا ارادہ کیا۔

اب خاقان چین کے ساتھ مقابلہ تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ لشکر کی سربراہی بہرام چوبین کے ہاتھوں میں سونپی جائے جو شجاعت و بہادری میں بے مثال ہے۔ چونکہ وہ انتہائی دبلا پتلا تھا لوگ اسے بہرام چوبین کے نام سے پکارتے تھے۔ بہرام نے اس ضمن میں اپنی رضا مندی ظاہر کی اور یہ قسم کھائی کہ ''جب تک میں دشمنوں کو پا بہ زنجیر کرکے آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔''

بہرام نے بارہ ہزار جری و بہادر نوجوانوں پر مشتمل ایک لشکر کا انتخاب کیا اور دشمن کی سرکوبی کے لیے آگے بڑھا۔ خاقان بھی اپنی زبردست فوج کے علاوہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ جب میدان جنگ میں خاقان کا سامنا بہرام سے ہوا تو اس نے بہرام کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے ہاتھیوں کے جتھے کو آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ تیراندازوں کو یہ حکم دیا کہ دشمنوں کو چیونٹیوں کی طرح مسل دیں۔ آگ برسانے والوں سے کہا کہ وہ آگ کے گولے پھینکتے رہیں۔ میدان جنگ چشم زدن میں گردوغبار اور دھویں سے بھر گیا۔

چند ہی منٹوں میں جنگ کا پاسہ پلٹنے لگا۔ ہاتھیوں کا جتھا اس آتش بازی کی تاب نہ لا سکا اور از خود خاقان کے سپاہیوں کو روندنے لگا۔ دشمن کی فوج سراسیمہ ہوکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ بہرام نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور خاقان پر دھاوا بولا۔ خاقان اس اچانک حملہ سے بوکھلا گیا اور زمین پر آرہا۔ خاقان کو اس جنگ میں ذلت آمیز شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

بہرام بحیثیت فاتح اپنے خیمہ میں واپس آیا۔ خیمہ میں داخل ہوتے ہی اسے یہ خبر ملی کہ خاقان کا بیٹا ایک فوجی دستے کے ساتھ مقابلہ کی غرض سے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار میدان جنگ میں آیا۔ خاقان کا بیٹا موقع کی نزاکت کو تاڑ گیا اور قلعے میں جا چھپا۔ بہرام نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور اس پر قابض ہونے کے منصوبے پر غور کرنے لگا۔

خاقان کے بیٹے نے ایک سفیر کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس قلعہ کو سونپنے کے لیے راضی ہے بشرطیکہ اسے اپنے تمام مصاحبوں اور مال و متاع کے ساتھ شہنشاہ ہرمز کی

خدمت میں بھیج دیا جائے۔ بہرام نے صلح نامہ پر دستخط کردیے۔ بغیر کسی جنگ کے قلعہ اس کے تصرف میں آ گیا۔ صلح نامہ کے مطابق بہرام نے اسے مردان شاہ کی مصاحبت میں ہرمز کے پاس بھیج دیا۔

ہرمز نے اس کا والہانہ استقبال کیا کیونکہ وہ اس کا خالہ زاد بھائی تھا۔ چالیس روز تک مہمان نوازی کرنے کے بعد ہرمز نے اسے مردان شاہ کی مصاحبت میں ترکستان روانہ کیا۔ مردان شاہ نے وہ تمام ہیرے جواہر اور گھوڑے جو بہرام نے ارسال کیے تھے ہرمز کے حضور پیش کردیے۔ ہرمز نے مسرت کا اظہار کیا اور کہنے لگا ''بہرام نے میری تربیت کا حق ادا کردیا۔''

ہرمز کے دربار میں ایک عقلمند وزیر تھا جس کا نام یزدان بخش تھا۔ اس نے نہایت ہی تحقیر آمیز لہجے میں کہا ''جہاں پناہ! بہرام نے جو کچھ بھیجا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔'' ہرمز نے کہا ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' یزدان بخش نے کہا ''یہ بہت ہی معمولی پیشکش ہے۔ اب بھی اس کے پاس بیش بہا اور بے مثال ہیرے جواہر موجود ہیں۔''

ہرمز چونکہ غیر مستقل مزاج واقع ہوا تھا، نتیجہ سے بے خبر فوراً بہرام کے نام ایک مکتوب لکھا۔ مکتوب کے ساتھ لوہے کی ایک ہنسلی، ایک چرخا اور کچھ روئی بھیجی۔ اس مکتوب میں لکھا تھا ''تم نے میری ملکیت میں خیانت کی ہے۔ لہٰذا تمھارے جیسے خائن کی گردن کے لیے لوہے کی یہ ہنسلی ہی مناسب ہے۔''

جب مردان شاہ نے وہ مکتوب بہرام کو دیا تو اس نے مضمون پڑھتے ہی اس ہنسلی کو اپنے گلے میں ڈال لیا اور چرخا اور روئی کو سامنے رکھا۔ پھر سپاہیوں کو بلا بھیجا تاکہ وہ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ سپاہیوں کے استفسار پر یہ کہنے لگا ''شاہ ہرمز نے میری ساری خدمات بھلادیں ہیں اور میرے لیے یہ خلعت بھیجی ہے۔ انھوں نے بہ یک زبان کہا ''اگر خدمت کا بدلہ یہ ہے تو پھر ہمارے ساتھ وہ کیا سلوک کرے گا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' الغرض ان سپاہیوں نے ہرمز کے ساتھ مقابلہ کی تیاری شروع کردی۔

ہرمز نے اپنے بیٹے پرویز کو جو بڑا باکمال، ہنرمند اور بہادر تھا اس مہم پر بھیجنا چاہا۔ بہرام کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو وہ سوچنے لگا کہ اگر پرویز میدان میں آتا ہے تو ممکن ہے اس کے سپاہی

اسے چھوڑ کر پرویز سے جاملیں۔اس نے اس انجانے خوف سے بچنے کی خاطر ایک مکر آمیز منصوبہ تیار کیا۔اس کے حکم کے مطابق پرویز کے نام کے سکے جاری کیے گئے اور مداین کے بازار میں بھیج دیے گئے۔ ہرمز کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو وہ یہ سمجھا کہ پرویز اور بہرام دونوں آپس میں مل گئے ہیں اور اسے تخت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔اسی خدشہ کے پیش نظر اس نے پرویز کو بھی باغی قرار دیا۔پرویز نے قسمیں کھائیں اور باپ کو یہ یقین دلایا کہ وہ بے گناہ ہے اور یہ ساری کارستانیاں بہرام کی ہیں۔ ہرمز نے اسے معاف کر دیا لیکن اس کے دل میں پرویز کے لیے کدورت باقی رہی۔

پرویز خوفزدہ ہو کر آذر بائیجان کی طرف بھاگا۔ پرویز کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھا کر بہرام نے مداین کا قصد کیا۔ ہرمز نے بہرام کے مقابلہ کے لیے یزدان بخش کو بھیجا۔ یزدان بخش کے ساتھ اس کا چچا زاد بھائی بھی تھا جو اس کا بدخواہ تھا۔ اس بد بخت نے راستے ہی میں یزدان بخش کا کام تمام کر دیا اور سر قلم کر کے بہرام کے حضور پیش کیا۔ بہرام یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ وہ یزدان بخش کے جرم کو معاف کر دے اور اس کے ہمراہ ہرمز کی خدمت میں حاضری دے۔ بہرام کافی جز بز ہوا اور کہنے لگا ''میں نے تجھ سے کب کہا تھا کہ تو اسے قتل کر دے؟ تو نے ایسا کیوں کیا؟'' یہ کہتے ہوئے وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اسے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔

جب یہ خبر مداین پہنچی تو لشکر کے سردار اور دوسرے افسران کبیدہ خاطر ہوئے۔انھوں نے علم بغاوت بلند کیا اور ہرمز کو تخت سے معزول کر کے اس کی آنکھیں نکال لیں۔اسی لمحہ اس کا تاج پرویز کی خدمت میں بھیج دیا۔ پرویز ہوا سے باتیں کرتا ہوا مداین پہنچا۔ باپ کی خدمت میں حاضری دی اور اپنی بے گناہی کا یقین دلایا۔اس نے کہا ''جو کچھ بھی ہوا یقینی طور پر میں اس سے خوش نہیں ہوں۔اگر میں بادشاہت قبول نہ کرتا تو ہمارا خانوادہ تخت وتاج سے محروم ہو جاتا۔''

ہرمز نے پرویز سے کہا ''جو کچھ بھی ہوا اس میں خدا کی مشیت شامل ہے لیکن میری تم سے صرف یہی گزارش ہے کہ تم میری تین خواہشیں پوری کر دو۔اول یہ کہ تم ہر روز میرے پاس آیا کرو تا کہ میں تمھارا دیدار کر سکوں؛ دوم یہ کہ تم دشمنوں سے میرا انتقام لو اور انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکو، خاص کر بہرام چوبین کو جو میرا نمک خوار ہو کر بھی احسان فراموش ثابت ہوا ہے،اس کے

ساتھ کوئی رعایت نہ کرو؛ سوم یہ کہ ایک خوش سخن اور تعلیم یافتہ لطیفہ گو میری خدمت میں مامور کرو جو میری تنہائی کا ساتھی ہو اور عجیب وغریب حکایتوں اور روایتوں سے میرا دل بہلائے۔''

پرویز نے کہا'' آپ کی یہ تینوں خواہشیں ضرور پوری ہوں گی۔ آپ کی خدمت میں حاضری تو میرے لیے عین فرض بھی ہے اور سعادت بھی۔ رہی دشمنوں سے انتقام لینے کی بات تو اسے میں خود پر لازم سمجھتا ہوں اور اس کام کی ابتدا میں بہرام کی سرکوبی سے کروں گا۔ آپ جس لطیفہ گو کو پسند کریں میں اسے آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔'' یہ سن کر ہرمز نے اپنے بیٹے کو گلے سے لگالیا اور دعائیں دیں۔

ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ یہ خبر موصول ہوئی کہ بہرام چوبین ایک بڑی فوج لے کر نہروان تک آپہنچا ہے۔ پرویز بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ مداین سے باہر نکلا اور صف بندی شروع کردی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئیں۔ جب میدان کارزار میں گھمسان کا رن پڑا تو پرویز کسی صورت بہرام کے قریب پہنچا اور کہنے لگا'' میں تو چاہتا تھا کہ آپ سے معذرت طلب کروں لیکن آپ نے تو جلدی کردی۔ اب آپ ہی بتائیں ہم کیا کرسکتے ہیں۔''

بہرام نے کہا'' ان مضحکہ خیز باتوں پر بچے ہی یقین کرسکتے ہیں۔ تم نے تو اپنے باپ کے ساتھ وفاداری نہیں نبھائی اور انھیں تخت سے معزول کردیا۔ تمھاری باتوں کا کیا اعتبار؟ میں تو ہرمز کو دوبارہ تخت شاہی پر جلوہ افروز دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کی برآری کے لیے میں نے تلوار اٹھائی ہے۔ اب میں جنگ کروں گا اور انھیں ان کا کھویا ہوا وقار واپس دلاؤں گا۔''

پرویز یہ سن کر قدرے رنجیدہ ہوا اور پریشان بھی۔ وہ اپنے خیمہ میں واپس آیا اور پوری تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں حاضر ہوا۔ بہرام اور پرویز دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ پرویز کو جلد ہی اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پرویز اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ جب مداین پہنچا تو وہاں کا منظر ہی کچھ اور تھا۔ اس کے دو نائبین بندوی اور بسطام نے یہ سوچ کر کہ کہیں بہرام مداین آجائے اور ہرمز کو نشانہ بنائے، بغیر پرویز کی اجازت کے ہرمز کو ہلاک کردیا۔ پرویز کو جب یہ خبر ملی تو وہ انتہائی رنجیدہ ہوا لیکن اب کوئی چارہ نہ تھا۔

بہرام کی پیش قدمی سے گھبرا کر پرویز نے ملک روم کا رخ کیا۔ ملک روم پہنچتے ہی پرویز کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ قیصر روم نے اپنی حور جیسی خوبصورت بیٹی کو جس کا نام مریم تھا اس کی زوجیت میں دیا۔ چند دنوں کے قیام کے بعد قیصر روم نے ایک مستحکم اور مضبوط فوج اس کے حوالے کیا تا کہ وہ اپنے دشمنوں کو زیر کرے اور اپنی مملکت کو اپنے حلقہ اقتدار میں لائے۔

(186) پرویز کا دوبارہ ملک ایران پر تسلط

کہتے ہیں کہ جب پرویز اپنے باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ روم کی طرف روانہ ہوا تو اس کا سارا جاہ وجلال جاتا رہا۔ چند روز کی مسافت طے کرنے کے بعد بھوک اور پیاس کی شدت نے آگھیرا۔ وہ دریائے فرات کے کنارے فروکش ہوا اور اپنے مصاحبوں کو شکار کی تلاش میں بھیجا لیکن شکار کا دور دور تک پتہ نہ چلا۔ اتفاقاً پرویز کو اونٹ پر سوار ایک عربی نظر آیا۔ اشارے سے بلایا اور اس کا نام دریافت کیا۔اس نے کہا''میرا تعلق بنی طی سے ہے اور میرا نام ایاس بن قبیصہ ہے۔ پرویز اس قبیلہ سے واقف تھا جو اپنے پہلوانوں کے سبب کافی مشہور تھا۔

اس عربی نے بھی پرویز سے اس کا نام اور وہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔ پرویز نے کہا ''میں ایران کا بادشاہ ہوں اور اپنے ایک نمک خوار کی دشمنی کے سبب اس بے آب و گیاہ صحرا میں بھٹک رہا ہوں۔ اگر آپ ہماری ضیافت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔ ایاس نے دس روز تک اس کی مہمان نوازی کی اور زادسفر مہیا کیے۔مزید برآں ایک شخص کو جو درّوں اور وادیوں سے اچھی طرح واقف تھا اس کے ساتھ کیا۔ آخر الامر پرویز ایک لمبی مسافت کے بعد سرحد روم میں داخل ہو گیا۔

راہ میں پرویز کا گذر ایک عیسائی گرجا گھر کے نزدیک سے ہوا۔ راہب نے سوال کیا ''آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟'' پرویز نے جواب دیا''میں سرزمین ایران کے بادشاہ کا سفیر ہوں اور شہر روم جارہا ہوں۔''راہب مسکرایا اور کہنے لگا'' آپ تو بذات خود ایران کے بادشاہ ہیں اور اپنے ایک سپہ سالار سے شکست کھا کر آرہے ہیں تا کہ قیصر روم کی مدد حاصل کریں۔''

پرویز نے کہا'' آپ یہ بتائیں کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گا یا نہیں؟'' راہب نے کہا'' آپ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ قیصر روم ایک لشکر جرار کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھی آپ کے حوالے کرے گا۔ یہ مہم تقریباً سترہ مہینوں پہ محیط ہوگی۔''

پرویز حیران تھا کہ اسے یہ ساری باتیں کیسے معلوم! ۔راہب نے بتایا کہ شاہان ایران کے حوالے سے ساری باتیں کتابِ دانیال میں درج ہیں۔ پرویز نے پوچھا'' میرے بعد تخت وتاج کا وارث کون ہوگا؟'' راہب نے کہا'' آپ کا بیٹا شیرو یہ چند مہینوں کے لیے تخت وتاج کا وارث ہوگا۔ اس کے بعد آپ کی بیٹی، پھر آپ کا پوتا تخت نشین ہوگا۔ اس کے بعد ملک عجم کی امارت عربوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوجائے گی۔''

الغرض پرویز نے راہب کا شکریہ ادا کیا اور ملک روم کی جانب چل پڑا۔ روم پہنچنے پر قیصر روم نے اس کا والہانہ استقبال کیا، اپنی بیٹی کو اس کی زوجیت میں دیا اور اپنے بیٹے بناورس کو چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ پرویز کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

بہرام نے پرویز اور رومی لشکر کے آمد کی خبر کو قابل التفات نہ سمجھا اور اپنی فوج کو پرویز کے مقابلہ کے لیے صف بندی کا حکم دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ پہلے دن بہرام کو غلبہ حاصل ہوا۔ جنگ کے دوران دونوں ہی اپنے اپنے لشکروں سے جدا ہوگئے۔ پرویز کا پیچھا کرتے ہوئے بہرام ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچا۔ پرویز نے گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی پہاڑی پر دوڑنا شروع کیا۔ بہرام نے بھی پیدل اس کا پیچھا کیا اور اس کا کام تمام کرنا چاہا۔ پرویز نے خداوند تعالیٰ سے استعانت کی دعا کی۔ حق تعالیٰ نے اسے قوت بخشی اور وہ پہاڑی پر دوڑتا ہوا بہرام کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ بہرام کو ناکام و نامراد اپنے خیمہ میں واپس جانا پڑا۔

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا اور نقارچیوں نے نقارے بجائے۔ دونوں طرف کی فوجیں آمادۂ پیکار ہوئیں۔ پرویز کا نائب بندوی جو تازہ تازہ بہرام کی قید سے آزاد ہوکر وہاں پہنچا تھا پرویز کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ اطلاع دی کہ فوج کا وہ دستہ جو اس کے ماتحت ہے اپنی خیانت اور بے وفائی کے سبب اس سے خائف ہے۔ اگر وہ اپنے ان سپاہیوں کو معاف

کردے تو وہ بہرام کو چھوڑ کر اس کی طرف سے جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہیں۔ پرویز نے فوراً اپنے سپاہیوں کو امان دے دی۔

جب بہرام کو بندوی کی غداری کا علم ہوا تو اس نے اسے ہلاک کرنا چاہا لیکن بندوی رات کی تاریکی ہی میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ فیروز کے خیمہ میں جا چکا تھا۔ علی الصبح بہرام نے خود کو کافی نحیف و ناتواں محسوس کیا کیونکہ اب اس کے پاس صرف چار ہزار سپاہی موجود تھے۔ بہرام کو میدان جنگ سے مجبوراً فرار ہونا پڑا۔ پرویز اپنے لشکر کے ساتھ مداین میں داخل ہوا اور ایران کا تخت و تاج دوبارہ اس کے حلقۂ اختیار میں آ گیا۔ دوسری طرف بہرام بھاگتا ہوا ترکستان پہنچا اور خاقان سے جا ملا۔

(187) پرویز کے عہد میں مال ومتاع کی فراوانی

خسرو پرویز نے تخت نشین ہوتے ہی ملک کے نظم ونسق کو درست کرنے کی کوشش کی اور ایرانی سلطنت کو استحکام بخشا۔ اسے چند ایسی نعمتیں میسر تھیں جو کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوئیں۔

ان نعمتوں میں ایک کسریٰ کا محل تھا۔ بعضوں کی رائے ہے کہ اسے پرویز نے خود تعمیر کیا تھا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ نوشیرواں نے اس کی تعمیر کی ابتدا کی تھی اور بعد میں پرویز نے اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

پرویز کے پاس ساٹھ من سونے سے تیار شدہ ایک تاج تھا۔ اس تاج میں ہیرے کا جڑاؤ اس قدر درخشاں تھا کہ اس کی روشنی میں رات میں بھی دن کا گمان ہوتا تھا۔ پرویز جب بھی دربار میں آتا وہ تاج اس کے سر پر ہوتا۔

پرویز کی ملکیت میں ہاتھی دانت سے بنا ہوا ایک تخت تھا جو مختلف النوع جواہرات سے مرصع تھا اور اس پر شکارگاہ کی تصویر کندہ تھی۔ اس تخت میں ایک طاق پر ایک شیر، ایک سنہری گیند اور ایک طشت تھا۔ جب وہ گیند شیر کے منہ سے طشت پر گرتا تو یہ پتہ چل جاتا کہ کیا وقت ہوا ہے۔

پرویز کے پاس ایک شطرنج تھا جس کے ایک جانب یاقوت ولعل جڑے تھے اور دوسری جانب زمرد تراش خراش کر لگائے گئے تھے۔ شطرنج کے مہرے ایک جانب مونگے سے تو

دوسری جانب فیروزہ سے مزین تھے۔اس کے پاس سونے کے ایسے ڈھیلے تھے جو ہاتھوں سے پھینکے جاتے تھے۔ یہ ڈھیلے تبت سے درآمد کیے جاتے تھے۔اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ موم کی طرح نرم ہوتے تھے۔

پرویز کے خزانے میں جواہرات سے مزین ایک سینی تھی جسے ہر تہوار کے موقع پر آرائش و زیبائش کی غرض سے رکھا جاتا تھا۔اس کے پاس ایک خزینہ تھا جو''بادآورد'' کے نام سے مشہور تھا۔اسے ملک روم سے لایا گیا تھا۔ یہ نہایت ہی ذی قیمت اور پرکشش خزینہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب خسرو نے روم کے بادشاہ مورق کو قتل کر دیا تو رومیوں نے انتقام کی غرض سے اپنی فوج کو قسطنطنیہ بھیجا۔ روم کے سارے سپاہی قید میں ڈال دیے گئے۔ جب وہ یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ نا ممکن ہے تو انھوں نے قیصر روم کے سارے خزانے اور مال و متاع یکجا کر کے ایک کشتی میں رکھا تا کہ کسی جزیرے میں اس کی حفاظت کی جا سکے۔ جب کشتی روانہ ہوئی تو بادمخالف کا سامنا ہوا اور یہی بادمخالف پرویز کے لشکر کے حق میں بادموافق بن گئی اور کشتی کا سارا خزانہ پرویز کے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گیا۔انھوں نے یہ خزانہ پرویز کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

پرویز کے پاس گنج گاؤ بھی موجود تھا۔ اس کے عہد میں جب ایک کسان اپنی زمین پر پھاؤڑا چلا رہا تھا اچانک پھاؤڑے کا لوہا زمین میں گڑا رہ گیا۔تھوڑی مٹی نکالنے پر یہ پتہ چلا کہ پھاؤڑا کسی زنجیر میں جا اٹکا ہے۔مزید کھودنے پر زر و جواہر سے پرلوہے کے ایک سولوٹے برآمد ہوئے۔

پرویز کی شریک حیات شیرین بلا کی خوبصورت تھی۔اس کی خوشبودار زلفیں، چمکتے ہوئے رخسار اور چاند جیسا روشن چہرہ دعوت نظارہ دیتا تھا۔ وہ اپنی تخت نشینی سے قبل ہی اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا تھا۔ جب بادشاہت ملی تو اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ یہ ایران کی ایک اہم رومانی داستان ہے جسے نظامی گنجوی نے''شیریں فرہاد'' کے نام سے نظم کیا ہے۔

خسرو پرویز کی ملکیت میں ایک سفید ہاتھی تھا جس کا جسم ہمیشہ چمکتا رہتا تھا۔ اپنی جسامت اور قویٰ میں بے مثل تھا۔کوئی بھی ہاتھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔علاوہ ازیں باربد جیسا مطرب بھی اس کے دربار سے وابستہ تھا۔محفلوں میں لوگ اس کے نغموں سے حظ اٹھاتے

تھے۔مختصر یہ کہ ایران کی ساری دولت وثروت اس پر تمام ہوگئی تھی۔ جو کچھ اسے میسر ہوا کسی دوسرے بادشاہ کو میسر نہ ہوا۔لیکن اس عروج کے باوجود بھی اسے زوال کا منھ دیکھنا پڑا۔

(188) پرویز کا افسوسناک قتل

جب پرویز کی بیوی مریم کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام قباد رکھا گیا۔شیرویہ اس کا لقب ٹھہرا۔اس کی ولادت کے قبل منجموں نے یہ پیشین گوئی کی کہ اس کی ولادت کے بعد بادشاہ کی شان وعظمت کا آفتاب گرہن کی زد میں آجائے گا اور ملک میں افراتفری پھیل جائے گی۔

پرویز نے جب یہ سنا تو متفکر ہوا اور اس بچے کو ہلاک کرنا چاہا لیکن ماں کی ناراضگی مانع ہوئی۔وہ بچہ جب ذرا ہوشیار ہوگیا تو ایک دن باپ نے بلا کر پوچھا ''تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ بچے نے کہا''بھیڑیے کا پنجہ۔'' پھر پوچھا ''تمھارے دوسرے ہاتھ میں کیا ہے۔'' جواب دیا''بارہ سینگا کی سینگ۔'' پرویز نے دریافت کیا''ان دنوں کلیلہ و دمنہ کا کون سا باب زیر مطالعہ ہے؟'' کہنے لگا ''باب الاسد والثور۔''پرویز نے ان سب باتوں کو فال بد سے تعبیر کیا اور اس لڑکے کو کسی دورافتادہ مقام پر لے جانے کا حکم دیا۔

حالات بڑی تیزی سے دگرگوں ہورہے تھے۔حکومت رو بہ زوال تھی۔ پرویز بھی اپنی پریشانیوں کے سبب تندخو ہو گیا تھا اور عوام کو اذیتیں دینے لگا تھا۔ارکان دولت بھی معترض تھے۔اس کی بے جا حرکات کے سبب دوست بھی دشمن بنتے جارہے تھے۔ان باتوں پر اس نے کبھی ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا بلکہ یہ سمجھنے لگا کہ وہ لوگ شیرویہ کو عزیز رکھتے ہیں۔وہ وہم کا شکار ہوگیا اور اس کی بدگمانی حد سے تجاوز کرگئی۔ارکان دولت یکجا ہوئے اور اسے تخت سے معزول کر کے شیرویہ کو ڈھونڈ نکالا اور تخت پہ بٹھا دیا۔

اہل ایران میں یہ روایت تھی کہ ہر رات وہ آواز لگاتے کہ شہنشاہ عالم فلاں بادشاہ ہے۔ انھوں نے آواز لگائی اب ہمارا شہنشاہ شیرویہ ہے۔اس وقت پرویز شیریں کے پہلو میں محو خواب تھا۔ جب اس نے یہ آواز سنی تو دنیا اس کے لیے تنگ وتار ہوگئی۔ وہ خوف کے مارے محل سے باہر آیا اور ایک باغ کے اندر جا چھپا۔اس کے پاس ایک ڈھال اور ایک شمشیر کے

علاوہ ایک غلام تھا۔ ساری رات وہ درخت کے سائے میں آرام کرتا رہا۔ جب آدھا دن گذر گیا تو بھوک کی شدت سے تڑپنے لگا۔ کمر بند کھول کر ایک طلائی ڈاب نکالا اور باغبان سے کہا کہ اسے فروخت کردے اور اس کے طعام کا بندوبست کرے۔

جب باغبان نے بازار میں اسے فروخت کرنے کی کوشش کی تو پرویز کی روپوشی کا راز فاش ہوگیا۔ پرویز کو لوگوں نے آدبوچا اور شیرویہ کے پاس لے گئے۔ شیرویہ نے فوراً پرویز کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور قلعۂ مداین میں قید کر ڈالا۔ ایک جماعت نے جو پرویز کی سخت مخالف تھی شیرویہ کو یہ مشورہ دیا کہ اسے ہلاک کردیا جائے لیکن شیرویہ خاموش رہا۔ اس نے ایک حاجب کو پرویز کے پاس بھیجا جس نے تمام خطاؤں اور گناہوں کے پیش نظر اسے گردن زدنی قرار دیا۔ جب حاجب نے شیرویہ کا پیغام پرویز کو سنایا تو اس نے برجستہ کہا ''اگر میں نے اپنے جدامجد کی باتوں پر عمل کیا ہوتا تو آج مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔''

اب بھی شیرویہ نے باپ کے قتل کو التوا میں رکھنا چاہا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک شدت پسند جماعت اسے معزول کرکے پرویز کے کسی دوسرے بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتی تھی۔ الغرض پرویز کو ہلاک کرنے کی خاطر انھوں نے ایک سپاہی کو اس کام پہ مامور کیا۔ پرویز اسے دیکھتے ہی بھانپ گیا اور کہنے لگا ''تم نے ہمارا نمک کھایا ہے۔ تم تو حلال زادے ہو اور حلال زادے حق نعمت کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ مستزاد یہ کہ میں نے تو تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔'' وہ شخص شرمندہ ہوا اور واپس لوٹ گیا۔

جب انھوں نے دیکھا کہ ایک باصلاحیت شخص یہ کام پورا نہیں کر پایا تو پھر ایک نااہل کو جو خیر وشر کی تمیز سے عاری تھا اس کام کی ذمہ داری سونپی اور انعام و اکرام کے وعدے کیے۔ جب پرویز نے اس شخص کو دیکھا تو فوراً انگور جیسا ایک پھل جو اس کے ہاتھ میں تھا گھمایا۔ وہ اس کے بستر پر گھومتے گھومتے زمین پر آرہا۔ پرویز کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا ''یہ سلطنت جو کل تک میرے ہاتھ میں تھی کسی دوسرے کے ہاتھوں مجھ تک پہنچی تھی۔ اب چونکہ میرے جانے کا وقت آگیا ہے، یہ سلطنت اس ناخلف کے ہاتھ سے بھی کسی دوسرے کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔'' یہ کہہ کر پرویز نے اپنا سر تسلیم خم کردیا اور اس نااہل نے فوراً اپنی

تلوار چلادی۔ پھر بھی گردن نہیں کٹی۔ پرویز کو یاد آیا کہ اس کے پاس ایک نگینہ ہے اور جب تک وہ نگینہ اس کے ساتھ ہے تلوار کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اس نے وہ نگینہ نکال پھینکا۔ ایسا کرنا تھا کہ ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا ہوگیا۔ پھر اس کے سر کو ایک طشت پر رکھ کر شیرویہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

(189) شیریں کی خودکشی

پرویز کو ہلاک کرنے کے بعد شیرویہ ملک کے انتظام و انصرام کو مستحکم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ اس نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر ڈالا کیونکہ اسے یہ خوف دامنگیر تھا کہ کہیں اس کے بھائی امور سلطنت میں مخل نہ ہوجائیں۔

شیرویہ نے شیریں کے حسن و جمال کے قصے سن رکھے تھے۔ اس نے شیریں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ شیریں نے رضامندی ظاہر کی لیکن دو شرائط رکھے اور کہا ''اول یہ کہ میرے تمام مال و متاع مجھے واپس کردیے جائیں، دوم یہ کہ مجھے ایک بار پرویز کی قبر پر جانے کی اجازت دی جائے۔ شیرویہ نے اس کے سارے مال واپس کردیے جسے اس نے فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کردیا۔ پھر وہ پرویز کی قبر پر گئی اور وہیں اپنی جان قربان کر بیٹھی۔ شیرویہ نے اسے وہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔

(190) شیرویہ کی مختصر مدت حکومت

کہتے ہیں کہ جب پرویز نے اپنے بیٹے شیرویہ کی ناخلفی دیکھی تو اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند رہنے لگا۔ اس نے زہر ہلاہل تیار کیا اور ایک ڈبیہ میں بند کرکے اپنے خزانے میں رکھ چھوڑا۔ اس ڈبیہ پر لکھا تھا ''قوت باہ کی مجرب دوا۔''

جب شیرویہ کا آخری وقت آیا اور وہ امور سلطنت سے بیگانہ ہوکر عیش و طرب میں ڈوب گیا تو ایک دن اتفاقاً اس کی نظر اس ڈبیہ پر پڑی۔ اس نے تحریر شدہ الفاظ پڑھے۔ چونکہ عورتوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا فوراً اس زہر کو اپنے منہ میں رکھا اور ہلاک ہوگیا۔ شیرویہ

نے صرف چھ ماہ حکمرانی کی۔ عجیب اتفاق ہے کہ خلیفہ المتوکل کے قتل کے بعد المنتصر کی خلافت بھی چھ ماہ کے لیے ہی قائم رہی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کسی دوسرے کے ہاتھ میں جام رکھتا ہے، خود جام سے لطف اندوز ہوتا ہے اور جو دوسرے کی گردن مارتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کی گردن بھی ماری جاتی ہے۔

(191) خسرو پرویز کے ہاتھوں اردشیر کا قتل

شیرویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خوشحالی رخصت ہو چکی تھی اور ملک ایران رو بہ زوال تھا۔ ملک کا ایک حصہ شہر آزاد نامی ایک حاکم کے تسلط میں آ گیا تھا۔ دولت و اقتدار کی فراوانی اور ظلم و بربریت کے نشے میں چور اس نے پرویز کے خوں بہا کے بہانے شیرویہ پر حملے کی ٹھانی لیکن وقت نے موقع نہ دیا اور قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہوتا شیرویہ کی موت واقع ہوگئی۔ اس کی جگہ اب اس کا بیٹا اردشیر اس کے مقابلہ کو آیا۔

شہر آزاد مداین کے نزدیک آ گیا اور خسرو پرویز کو جو اردشیر کا مشیر خاص تھا یہ پیغام بھیجا کہ ''اگر تم اردشیر کا کام تمام کر دو تو ملک ایران پر ہم دونوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ہم ایک جان دو قالب ہوں گے۔ اور اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں پہلے تمھیں جہنم رسید کروں گا، پھر اردشیر کو ٹھکانے لگاؤں گا۔''

جب شہر آزاد کا خط خسرو پرویز کے ہاتھوں میں آیا تو اس نے فوراً اردشیر کو ہلاک کرنے کی خاطر ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس نے اردشیر کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ کھانا تناول کرتے ہی اردشیر نے آخری سانس لی۔ اس کی مدت حکومت ایک سال پانچ مہینے سے تجاوز نہ کر پائی۔

(192) ملکہ توران اور ملکہ آزرمی دخت کی حکمرانی

اردشیر کی موت کے بعد شہر آزاد تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہ تھا بلکہ اس کے آبا و اجداد بوجھ ڈھونے کا کام کرتے تھے۔ شہر آزاد کے دو بیٹے تھے۔

ایک دن شہر آزاد نے اپنے بیٹوں سے کہا ''بادشاہت ہی بہتر ہے اگر چہ اس کی مدت کم

ہی کیوں نہ ہو۔ایسے کام کرنے سے کیا فائدہ جس میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہو۔'' شہرآزاد کا چھوٹا بیٹا جو ہوشمند تھا کہنے لگا'' آپ کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہیں ۔ جس کام کا استحقاق حاصل نہ ہو اسے نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کام آپ کو زیب نہیں دے گا۔بہتر یہ ہے کہ آپ ان باتوں پہ دھیان نہ دیں اور اپنا کام کریں۔''

بڑے بیٹے نے کہا'' بادشاہت کسی کے لیے وقف نہیں، یہ اشکانیوں سے ساسانیوں کے ہاتھوں منتقل ہوگئی۔خدا جسے بادشاہت دیتا ہے وہی بادشاہ ہوتا ہے۔ جب وہ بادشاہت عطا کرتا ہے تو حکمرانی کی صلاحیت بھی بخش دیتا ہے۔''

شہرآزاد کو بڑے بیٹے کی بات پسند آئی۔ وہ زرق برق لباس میں ملبوس اطراف مملکت میں گردش کی غرض سے باہر نکلا تاکہ عوام کے حالات سے باخبر ہو لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ رعایا بد دل تھی اور ملک افراتفری کا شکار تھا۔اچانک ایک رات ایک تیر اس کے حلق میں پیوست ہو گیا اور وہ چل بسا۔

شہرآزاد کی ہلاکت کے بعد اس کا لشکر ملک کے فرماں رواں کی تلاش میں مداین آیا۔عمائدین لشکر نے پرویز کی صاحبزادی توران کو تخت شاہی پر بٹھایا کیونکہ ان کے نزدیک کوئی دوسرا اس قابل تھا ہی نہیں۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو انھوں نے برملا ارشاد فرمایا'' وہ لوگ ہرگز فلاح نہ پائیں گے جنھوں نے اپنی حکومت کی باگ ڈور ایک عورت کے ہاتھوں میں سونپ دی ہے۔''

آٹھ ماہ کی حکمرانی کے بعد توران اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔ اس کی موت کے بعد ازرمی دخت ملکہ بنی۔اس کی حکمرانی کے ابھی آٹھ ماہ ہی مکمل ہوئے تھے کہ اس نے آخری سانس لی۔اس کی موت کے بعد کوئی بھی اس قابل نہ تھا جو تخت پہ متمکن ہوتا۔

(193) یزدجرد کی تخت نشینی

محمد جریر طبری رقمطراز ہے کہ جب ازرمی دخت تخت پر بیٹھی تو اس نے فرخ زاد نامی ایک شخص کو جو پرویز کی اولاد میں تھا وزارت کا منصب عطا کیا۔

فرخ زاد کا ایک بیٹا رستم خراسان کا امیر تھا۔فرخ زاد ازرمی دخت پر عاشق ہوگیا اور برملا اپنے عشق کا حال بیان کیا۔ازرمی دخت نے کہا ''میں ملک کی ملکہ ہوں اور میرے لیے رشتہ ازدواج سے منسلک ہونا مناسب نہیں۔تم اگر میرا وصال چاہتے ہوتو رات کے وقت محل میں آجاؤ اور اپنی مراد حاصل کرو۔'' فرخ زاد سمجھ گیا کہ اب اس کی مراد برآئی۔رات کی تاریکی میں وہ حرم میں داخل ہوا اور ملکہ کو یہ اطلاع پہنچائی کہ وہ قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔ملکہ نے اسی لمحہ اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔دوسری صبح جب لوگوں نے ایک کٹا ہوا سر دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس شخص نے ملکہ کا قصد کیا ہوگا۔فوراً اس سر کو دفن کر دیا گیا۔

چند دنوں کے بعد فرخ زاد کے بیٹے رستم کو اس بات کی اطلاع ملی۔اس نے ایک لشکر جرار جمع کیا اور مداین پر چڑھائی کردی۔شاہی محل کا محاصرہ کیا اور مختصر جنگ کے بعد ازرمی دخت کو تخت سے معزول کیا۔الغرض اس نے اپنے والد کے خون کا بدلہ لیا۔اب اہل ایران کا کوئی بادشاہ نہ رہا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملا جسے بادشاہی سپرد کی جاتی۔چند افراد کو یکے بعد دیگرے کسی طرح تخت پر بٹھایا گیا۔

آخر الامر یہ اطلاع ملی کہ اصطخر فارس میں نوشیرواں کا کوئی فرزند ہے جس کی ولادت کو شیرویہ کے خوف سے صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔لوگوں نے اسے ڈھونڈ نکالا۔اس کی پیشانی سے بادشاہت کا نور ہویدا تھا۔اسے تخت پر بٹھایا گیا۔اس بادشاہ کا نام یزدجرد تھا۔تخت نشینی کے بعد اسے شہر یار کے نام سے پکارنے لگے۔اس نے اپنے عہد حکومت میں نظام سلطنت کو استحکام بخشا لیکن اس وقت تک ملک ایران کافی حد تک کمزور ہو چکا تھا۔

یزدجرد نے ابھی اپنی حکمرانی کے چار سال ہی مکمل کیے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عجم کی طرف روانہ کیا۔قدسیہ کے مقام پر یزدجرد کی فوجوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا اور اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔وہ خود میدان جنگ سے سیستان کی طرف بھاگا اور پھر وہاں سے اس نے کرمان کا رخ کیا۔جب وہ نیشاپور پہنچا تو اسے ایک طرف سے عربوں کی یورش کا اندیشہ اور دوسری طرف سے ترکوں کے حملے کا خوف ستانے لگا۔وہ وہاں سے سیدھے مرو پہنچا جہاں کا امیر 'ماہویہ' نامی ایک عامل تھا۔ماہویہ اس کے استقبال کو آیا لیکن اس کے دماغ میں بغاوت کے جراثیم پل رہے تھے۔

ایک دن یزدجرد اور ماہویہ دونوں گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ماہویہ نے کہا ''جہاں پناہ اگر اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں تا کہ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں کمر بستہ رہوں۔''

یزدجرد کو اس بات سے بڑی تکلیف پہنچی۔ اس نے کہا ''ریشمی کپڑا پرانا ہو جاتا ہے لیکن موزے کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔ گلاب کا پھول شاخ سے ضرور جدا ہوتا ہے لیکن خوشبو باقی رہتی ہے۔ اب میرے ایسے دن آ گئے ہیں کہ تیرے جیسا شخص میری دامادی کا خواب دیکھ رہا ہے۔'' یزدجرد نے ماہویہ کو ایک کوڑا رسید کیا۔

ماہویہ کو اس فعل سے صدمہ پہنچا۔ اس نے علم بغاوت بلند کیا اور ترکوں کو مدد کے لیے آواز دی۔ ترکوں کی ایک بڑی فوج اس کی مدد کو آئی۔ یزدجرد کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی لیکن دشمنوں نے اس کا تعاقب کیا۔ یزدجرد نے آخرالامر ایک آسیابان کے یہاں پناہ لی۔ آسیابان نے کہا ''اگر تم محفوظ رہنا چاہتے ہو تو مجھے ہر روز چار درم ادا کرنے ہوں گے۔'' یزدجرد نے کہا ''میرے پاس درم تو نہیں، ہاں میں تمھیں اپنا کمر بند دے سکتا ہوں۔'' آسیابان نے کہا ''میں اس کمر بند کو لے کر کیا کروں گا۔ یہ تو فروخت بھی نہیں ہوگا۔''

یزدجرد مایوسی کا شکار اس کے گھر سے باہر آیا اور کسی گوشے میں جا کر سو گیا۔ ماہویہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور چشم زدن میں اس کا کام تمام کر ڈالا۔ الغرض عجم کی اس عظیم سلطنت کا خاتمہ ہوا اور دین اسلام کا علم بلند ہوا۔

(194) شاہان روم کا مختصر تذکرہ

زمانہ قدیم سے ہی روم کے بادشاہ ایرانی بادشاہوں سے خراج وصول کرتے رہے تھے۔ سکندر کے عہد حکومت سے رومی سلطنت کی شان وعظمت اور قوت وسطوت میں کافی اضافہ ہوا تھا۔ سکندر اعظم کے بعد کل نو شہنشاہ گذرے جن میں سے ہر ایک بطلیموس کے نام سے مشہور تھا یعنی مرد جنگ۔ گرچہ ہر ایک کا اپنا ذاتی نام بھی تھا۔ آخری بطلیموس اسکندری کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے علم نجوم کی بنیاد رکھی۔

بطلیموس کے انتقال کے بعد اس کی بیٹی قلوپطرا تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئی۔ اس کے بعد اغسطس نے امور سلطنت سنبھالے۔ وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے قیصر روم کا لقب اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی ماں کے رحم میں تھا تو اس کا باپ مالک حقیقی سے جاملا۔ چند دنوں کے بعد ماں بھی موت کے دہانے پر پہنچ گئی۔ ماں کے پیٹ میں جنبش ہوئی اور لوگوں نے پیٹ چیر کر بچے کو نکالا اور اس کی پرورش و پرداخت کی۔ اس نے بڑے ہو کر اسکندریہ کو فتح کیا اور سکندر کے سارے خزانے اور مال و متاع وہاں منتقل کیے۔

کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد قسطنطین اول تخت پر بیٹھا اور سارے عجم پر اپنا تسلط قائم کیا۔ فیروز اشکانی نے اس سے جنگ کی اور اسے شکست فاش دی۔ اس کا ذکر قبلاً گذر چکا ہے۔ وہ پہلا قیصر روم تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تصدیق کی تھی۔ اس کے بعد دقیانوس تخت نشین ہوا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور اصحاب کہف نے اس کے ظلم و تشدد سے تنگ آ کر راہ فرار اختیار کی تھی۔

دقیانوس کے بعد دقلطیانس تخت پر بیٹھا۔ اس نے یہودیوں اور آتش پرستوں سے تعرض کیا اور بت پرستی اختیار کی۔ اس کے بعد یولیانس تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ ہر چند کہ وہ بت پرست تھا اس نے کسی مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعرض نہیں کیا۔ یہ وہی قیصر روم تھا جس نے شاپور بن اردشیر کے زمانے میں عراق پر حملہ کیا تھا جیسا کہ قبلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

یولیانس کے بعد قسطنطین اول قیصر روم کی حیثیت سے تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اس نے شہر قسطنطنیہ اور شہر عموریہ کی بنیاد رکھی۔ کہتے ہیں کہ جب شہر عموریہ کی بنیاد رکھی جارہی تھی اسے ایک خزانہ ہاتھ آیا جس کو اس نے شہر کی عمارتوں پر صرف کیا۔ اس کی موت کے بعد قسطنطین دوم تخت پر بیٹھا۔ اس کی عدل گستری کی شہرت رومیوں کے درمیان ایسی تھی جیسا کہ نوشیرواں کے عدل کی داستان ایرانیوں کے درمیان مشہور ہے۔ اس کے بعد یوسطینانس تخت پر بیٹھا۔ اس نے 'الرّہا' کے گرجا گھر کی بنیاد رکھی جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اس نے اپنی طاقت میں اضافہ کیا اور ملک روم کو عجمیوں کے تسلط سے آزاد کیا۔

یوسطینانس کے بعد موریقیس تخت نشین ہوا۔ اس نے پرویز کو لشکر مہیا کیے تا کہ وہ اپنی مملکت کو بہرام چوبین کے تسلط سے آزاد کرائے۔ کسی بطارقہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی

موت کے بعد قوصاص سریرآرائے سلطنت ہوا۔ پرویز نے اس پر چڑھائی کی اور اسے اکھاڑ پھینکا۔'گنج بادآورد' کے واقعہ کا تعلق بھی اسی زمانے سے ہے۔اس کے بعد ملک روم کا ایک بادشاہ جس کا نام ہرقل تھا پرویز سے استمداد کا طالب ہوا تاکہ موریقیس کے بعد وہ تخت وتاج کا وارث بنے۔لہٰذا پرویز نے اس کی مدد کی اور وہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ایک عرصہ تک اس نے حکومت کی۔کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے قیام تک وہ زندہ رہا۔

(195) ہرقل کی حکومت

کہتے ہیں کہ ہرقل نے ملک روم کے خزانے میں ایک محل کی بازیافت کی جس میں بے شمار تالے لگے ہوئے تھے۔اس نے پوچھا''یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا''یہ وہ محل ہے جسے ماقبل کے بادشاہوں نے بند کر رکھا ہے۔جو بھی تخت پر بیٹھا تالے میں اضافہ کرتا گیا۔ہرقل نے ان تالوں کو کھولنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے یہ سمجھا کہ اس محل کے اندر بیش بہا خزانے ہیں جس کی حفاظت کی خاطر اگلے بادشاہوں نے یہ اقدام اٹھائے ہیں۔

ہر چند بزرگوں اور ہوشمندوں نے اسے اس کام سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن وہ نہ مانا۔آخر اس نے سارے دروازے کھول ہی دیے۔اس نے دیکھا کہ اس محل کے دیواروں پر اونٹ پر سوار عربوں کی تصاویر کندہ ہیں جبکہ ملک روم میں اونٹ کا کوئی نام ونشان ہی نہ تھا۔ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اونٹ پر سوار عربوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی لشکر کے جلو میں وہاں پہنچی۔یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے اسلاف کے عمل کو حقیر سمجھنا کوئی دانائی کی بات نہیں،آخر الامر ایسی حرکت شرمندگی کا باعث ہوتی ہے۔

ترک و چین کے بادشاہوں اور ہندوستانی راجاؤں کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا میں اپنا بیان مختصر کرتا ہوں۔اللہ سبحانہ تعالی پادشاہ جہاں،خسرو زمانہ سلطان السلاطین (شمس الدین التمش) کے علم کو فتح وظفر کی نشانیوں سے مزین رکھے اور مسند وزارت کو صاحب قران (الجنیدی) کی موجودگی سے آراستہ رکھے (آمین)۔

***

جوامع الحکایات ولوامع الروایات اپنی گوناگوں صفات کے پیش نظر فارسی ادب میں ایک ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جوامع الحکایات صرف حکایتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ بے شمار تاریخی واقعات وحادثات کی آئینہ دار بھی ہے۔ اس کتاب کے مولف سدیدالدین محمد عوفی نے مختلف پیغمبروں، بزرگوں، بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کے تذکرے حکایات کے پیکر میں مزین کرکے پیش کیے ہیں لیکن ان حکایات کے پردے میں جابجا تاریخی شواہد بھی مل جاتے ہیں۔ گاہے گاہے عوفی نے اس تصنیف میں اپنی زندگی کے کئی گوشے بھی وا کیے ہیں جو نہایت دلچسپ ہیں۔ مذکورہ کتاب میں محمد عوفی نے مختلف شہرہ آفاق کتابوں سے جستہ جستہ حکایتیں نقل کی ہیں اور پھر موضوع کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی بھی کی ہے۔ یہ کتاب اپنے گوناگوں موضوعات کے اعتبار سے کثیر الابعاد ہے۔ یہ ایک طرف کتاب سیرت ہے تو دوسری طرف کتاب تاریخ، ایک طرف کتاب اخلاق ہے تو دوسری طرف کتاب سیاست، ایک جانب کتاب عمرانیات ہے تو دوسری جانب کتاب فلسفہ ساتھ ساتھ یہ کتاب ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

سدیدالدین محمد بن یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی مشہور شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ عوفی نے ساری زندگی ترجمہ اور تحقیق وتدقیق میں گزاری۔ ان کی چار معرکتہ الآرا تصانیف (1) لباب الالباب (2) الفرج بعد الشدۃ (3) جوامع الحکایات ولوامع الروایات اور (4) مدائح السلطان اہمیت کی حامل ہیں۔ جن میں جوامع الحکایات ولوامع الروایات شاہ کلید کا درجہ رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر غلام سرور مولانا آزاد کالج، کولکاتہ کے شعبہ فارسی میں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ انھوں نے جوامع الحکایات ولوامع الروایات (جلد اول) کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے۔ مترجم نے اردو کا حسن برقرار رکھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے سادہ جملوں اور عام فہم زبان میں تبدیل کردیا ہے۔ امید ہے کہ فارسی سے اردو تراجم، تہذیب وثقافت اور اخلاقیات سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے یہ کتاب علم کا خزینہ ثابت ہوگی۔

ISBN 978-81-942831-2-6

9 788194 283126

فروغ اردو بھون
NCPUL
New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی-110025

قیمت -/155 روپئے